

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا



فَتْوَحَاتُ السُّنَنِ

عَلَى

إِذَاكَاتُ الْإِفْضَانِ

مُؤَلَّف

آيَةُ اللَّهِ الْعَظِيمِ السَّيِّدِ أَمِيرِ رَضَا الْقَمِي

نَاشِر

بِاتِحْرِيكَ اَهْلُ بَيْتِ وَرَحْ صَحَابَةٍ

فہرست

- 1 مقدمہ
- 11 ①..... مناظرہ مابین آیت اللہ نوری و سید امیر رضامتی
اہل بیتؑ کون ہیں؟
اور حجت اہل بیتؑ کی حیثیت کیا ہے؟
- 67 ②..... جواب مکتوب
سید توقیر عباس نقوی صاحب
- 141 ③..... مناظرہ تونسہ شریف عدالت کے کٹہرے میں
(۱) جنازۃ الرسول
(۲) حدیث قرطاس
(۳) خلافت و امامت
(۴) تبرئ بازی
(۵) توہین اہل بیتؑ
(۶) عدالت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
- 411 ④..... ایک دلچسپ مکالمہ

محترم السید امیر رضاقمی صاحب ”یا علیٰ مدد“ ہمہ عقائد باطلہ اہل تسنن در قرآن مجید و در روایات اہل بیت صلوات اللہ علیہم واضح ترند۔ وہمہ اہل تسنن خود شان راموحدین میگمارند لکن توحید ایشان از روئے روایات صحیحہ خام تر است۔ عقیدہ اہل تسنن بالخصوص دربارہ خداوند متعال اینستکہ خداوند متعال در نظر مردم می آید و در آخرت ہم نظر خواهد آمد۔ وازین عقیدہ باطلہ معلوم شد کہ خداوند متعال ”نعوذ باللہ“ جسم داشتہ و کسیکہ این چنین عقیدہ میدارد خداوند متعال رامجسم میگمارد۔ حالانکہ عقیدہ صحیحہ اہل تشیع دربارہ اش اینستکہ: ولایمکن أن تراه العیون لافی الدنیا و لافی الآخرۃ (الشیعۃ فی عقائدہم وأحكامہم ص ۲۶)

آقای قمی صاحب ممکن است کہ از عقیدہ باطلہ روگردانی خواہید فرمود:

از سید توقیر عباس نقوی:

ترجمہ: ”محترم السید امیر رضاقمی صاحب: قرآن کریم اور اہل بیت صلوات اللہ علیہم کی واضح ترین روایات کی روشنی میں اہل سنت کے تمام عقائد باطل ہیں اور تمام اہل سنت اپنے آپ کو موحدین ”توحید پرست“

تصور کرتے ہیں لیکن ان کی توحید صحیح روایات میں بالکل کچی اور خام تر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی نظر میں آتا ہے اور آخرت میں بھی نظر آئے گا اور اس عقیدہ باطلہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ”نعوذ باللہ“ جسم و جسمانیات رکھتا ہے اور جو بھی اس قسم کا عقیدہ رکھتا ہے خداوند متعال کو مجسم گردانتا ہے۔ حالانکہ اس بارے میں شیعوں کا صحیح عقیدہ یہ ہے: ولایمکن أن تراه العیون لافی الدنیا و لافی الآخرۃ۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ آنکھیں دیکھ سکیں نہ دنیا میں دیکھ سکتی ہیں اور نہ ہی آخرت میں دیکھ سکتی ہیں۔ محترم قمی صاحب! ممکن ہے کہ آپ اس باطل عقیدہ سے انحراف فرمائیں گے۔“

از جانب سید توقیر عباس نقوی



مقدمہ

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبی بعده
وعلى اله وأصحابه الذين أوفوا عهده. اما بعد:
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
أقيموا هذين العمودين واولقوا هذين المصباحين-

[نهج البلاغة: ج، ۱، ص ۲۶۸، تحت ومن كلام له عليه السلام قبل موته]
ترجمہ: ”حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے [قبل الوقات بطور وصیت] فرمایا کہ
کتاب و سنت کے ان دو ستونوں کو قائم رکھنا اور ان دو چراغوں کو روشن کیے رکھنا۔
مذکورہ بالا ارشاد کی روشنی میں امت مسلمہ کا حقیقی اور اصلی کلمہ اسلام، لا اله الا الله
محمد رسول الله میں پہلا جزو، لا اله الا الله ہمارے دین کا بیان اور دوسرا
جزو محمد رسول الله میں ہماری شریعت کا عنوان ہے۔

انبیائے کرام رضی اللہ عنہم آپس میں تمام کے تمام علاقائی بھائی ہیں، جن کی بنیاد ایک
ہوتی ہے مگر مائیں مختلف۔ اسی طرح انبیائے کرام رضی اللہ عنہم کا دین ہمیشہ سے ایک رہا
ہے۔ قرآن کریم مذکورہ بالا نظریے کی نشان دہی یوں کرتا ہے۔

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ أَقْبَدَهُ﴾

[سورة الانعام: ۹۰]

”یہی لوگ ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تھی، آپ انہی کے
راستہ پر چلیے۔“

شریعتیں مختلف زمانوں میں مختلف دوروں میں بدلتی رہتی ہیں مگر قیامت تک
آخری شریعت محمد رسول اللہ کی ہے۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:
الْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِعَلَّابِ أُمَّهَاتُهُمْ شَتَّى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ۔

[مسند احمد ج ۲، ص ۴۳۷]

ترجمہ: ”انبیائے ﷺ تمام کے تمام آپس میں علاقائی بھائی ہیں، مائیں
ان کی مختلف ہوتی ہیں مگر دین ان کا ایک ہوتا ہے۔“
بعض اوقات دین کا لفظ زیادہ وسیع معنوں میں بھی آتا ہے اور دین اور شریعت
دونوں کو شامل ہوتا ہے۔

﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾

میں یہی اطلاق مراد ہے۔ اصلی اور حقیقی کلمہ اسلام کی یہی ذمہ داری ہم پر
اطيعوا الله واطيعوا الرسول کی صورت میں عائد ہوتی ہے۔

اور اس حقیقت سے کوئی متبصر اور حقیقت پسند آدمی انکار نہیں کر سکتا کہ اب
اسلام سے مراد اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم ﷺ کی پیش کردہ تعلیمات ہی ہیں۔ جناب
محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے سفر آخرت سے پہلے اسی اصول کی توثیق فرمائی۔

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللَّهِ
وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ۔

[موطا امام مالك، ص ۳۶۳]

”میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک تم ان کا سہارا لیے

رہو گے، ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔“

①..... کتاب اللہ۔

②..... اس کے نبی ﷺ کی سنت۔

اسلام کی یہ اصولی ہدایت منکرین حدیث اور شیعہ حضرات پر بہت گراں تھی۔ ہمارے پاکستان میں منکر حدیث مسٹر پرویز نے قرآن کے بعد مرکز ملت کی اصطلاح ایجاد کر کے سنت نبویہ کورستے سے ہٹا کر حجت حدیث سے انکار کیا۔ مسٹر پرویز لکھتے ہیں:

”روایات اس عہد مبارک کی تاریخ ہیں کہ رسول اللہ والذین معہ اپنے عہد میں قرآنی اصول کو کس طرح متشکل فرمایا تھا۔ یہ اس عہد مبارک کی شریعت ہے..... یہ حق صرف صحیح قرآنی خطوط پر قائم شدہ مرکز ملت اور اس کی مجلس شوریٰ کا ہے کہ وہ قرآنی اصول کی روشنی میں صرف ان جزئیات مرتب و مدون کر سکے جن کی قرآن نے کوئی تصریح نہیں کی۔

پھر یہ جزئیات ہر زمانے میں ضرورت پڑنے پر تبدیل کی جاسکتی ہے، یہی اپنے زمانے کے لیے شریعت ہیں۔“ [مقام حدیث ص ۳۹۱]

یہ الحادی اور گمراہ کن عقیدہ نیا نہیں۔ اس کی داغ بیل اسی وقت پڑ گئی تھی جب حدیث ثقلین کتاب اللہ و سنتی کے مقابلہ میں کتاب اللہ و عترتی کے الفاظ پیش کر کے سنت کورستے سے ہٹایا گیا تھا۔

مسٹر پرویز یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے بعد یہ حجت مرکز ملت کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح شیعہ حضرات کے مایہ ناز آیت اللہ اور عظیم سکار، حکیم طوسی، امامت کی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں.....

ان الحافظ للشرع لیس هو الكتاب لعدم إحاطته بجميع

الأحكام التفصيلية ولا السنة لذلك - أيضاً.

[شرح تجرید الاعتقاد، ص ۲۲۷، طبع قم ایران]

ترجمہ: ”بے شک کتاب اللہ (اللہ کی کتاب) محافظ شریعت نہیں کیونکہ تمام احکام تفصیلیہ کی احاطہ نہیں کر سکتی اور اسی طرح سنت۔“ گو کتاب و سنت ایک عالمگیر مذہب نہیں اور وہ لوگ یہ کہتے تھے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے بعد یہ حجت مرکز امامت کی طرف منتقل ہے۔ ان کے ہاں چشمہ ہدایت یہی دو امر تھے۔ ①..... کتاب اللہ ②..... عترت۔

معلوم ہوتا ہے کہ حجت رسول کے انکار کا یہ الحادی نظریہ مسٹر پرویز کی کوئی اپنی پرواز نہیں بلکہ اس میں انہوں نے ان امامی حضرات کی پیروی کی ہے جو رسول اللہ کی وفات کے بعد خدا کی حجت مرکز امامت کی طرف منتقل کرتے ہیں۔ دونوں طبقوں میں فرق یہ ہے کہ مسٹر پرویز ملت کو پوری قوم سے مخاطب کرتے ہیں لیکن امامی حضرات ایک میں سے ایک کی شکل میں عترت رسول میں منحصر سمجھتے ہیں۔ لیکن اس بات پر دونوں کا اتفاق ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات اپنی وفات کے بعد خدا کے بندوں پر خدا کی حجت نہیں رہتی۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں منصور بن حازم ایک مشہور راوی گزرے ہیں۔ وہ اپنے عقائد کی تبلیغ کا یہ واقعہ حضرت امام کی خدمت میں پیش کر کے ان سے دعا لیتے ہیں۔

قلت للناس تعلمون ان رسول الله صلى الله عليه وآله كان هو الحجة من الله على خلقه قالوا بلى قلت فحين مضى رسول الله صلى الله عليه وسلم وآله من كان الحجة على

خلفہ۔ فقالوا القرآن فنظرت في القرآن فإذا هو يخاصم به
المرجئى والقدرى والزندى الذى لا يؤمن حتى يغلب
الرجال بعضوته فعرفت ان القرآن لا يكون حجة إلا بقيم
فما قال فيه شيء كان حقاً..... فأشهد أن علياً عليه السلام
كان قيم القرآن وكانت طاعته مفترضة وكان الحجة على
الناس بعد رسول الله صلى الله عليه وآله.

[اصول کافی، ج ۱، ص ۲۳۷۔ طبع تهرآن ایران۔ با ترجمہ و شرح سید جواد مصطفوی]

”ترجمہ فارسی۔ من بمردم (اہل سنت) گفتیم: آیا
شما میدانید کہ پیغمبر حجت خدا بود در میان خلقش؟ گفتند:
آری: گفتیم: چون پیغمبر در گذشت، حجت خدا بر خلقش
کیست؟ گفتند: قرآن من در قرآن نظر کردم و دیدم سنی و
تفویضی مذهب و زندقی کہ بآن ایمان ندارد، برای مباحثہ و
غلبہ بر مردان در مجادلہ بآن استدلال میکنند، پس دانستم کہ
قرآن بدون قیم حجت نباشد و آن قیم ہرچہ نسبت بقرآن
گوید حق است، پس بایشان گفتیم۔ گواہی دہم کہ علی
علیہ السلام قیم قرآن باشد و طاعتش لازم است و اوست
حجت خدا بعد از پیغمبر بر مردم۔

اردو ترجمہ: ”میں نے لوگوں کو کہا، کیا تم جانتے ہو کہ، رسول
اللہ ﷺ لوگوں پر خدا کی طرف سے حجت تھے۔ انہوں نے کہا کیوں
نہیں؟ میں نے کہا جب حضور ﷺ انتقال فرما گئے تو پھر خدا کی مخلوق پر

خدا کی حجت کون ہوگا؟ انہوں نے کہا قرآن! پس میں نے قرآن میں
غور کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کو لیے مرجیہ (سنی) قدریہ اور زندقی جو
ایمان بھی نہیں رکھتے جھگڑ رہے ہیں اور لوگوں پر اپنے جھگڑے سے
غالب آرہے ہیں۔ اس سے میں نے جانا کہ قرآن بھی حجت نہیں
ہو سکتا۔ جب تک کہ اس کے ساتھ قیم نہ ہو۔ وہ جو قرآن کے بارے میں
کہے وہ حق ہوگا..... میں گواہی دیتا ہوں کہ قیم بالقرآن حضرت
علی علیہ السلام تھے اور ان کی اطاعت فرض تھی اور لوگوں پر، رسول اللہ ﷺ کی
وفات کے بعد انہی کی ذات خدا کی حجت تھی۔ حضرت علی
المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اپنے دور تک حجت تھے۔ ان کے بعد یہ حجت باری
باری اگلے مرکز امامت میں منتقل ہوتی رہی۔“

حضرت امام نقی نے اپنے دور میں فرمایا:

ان الأرض لا یخلو من حجة أنا واللہ ذالک الحجة۔

حضرت امام نقی فرمود۔ زمین از حجت خدا خالی نماند،

بخدا آن حجت منم۔ [اصول کافی، ج ۱، ص ۲۵۲]

ترجمہ: ”زمین حجت خداوندی سے کبھی خالی نہیں ہوتی۔ اس وقت خدا کی حجت
خدا کی قسم میں ہوں۔ ہمیں (اس وقت اس سے بحث نہیں کہ ان حضرات کے پاس
اپنے اس نظریے کی تائید میں کیا دلیل ہے۔ ہم صرف یہ کہہ رہے کہ جس طرح ہم
قیامت تک کے انسانوں کے لیے حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی کو ہی حجت اور سند
سمجھتے ہیں۔ یہ امامی حضرات حضور ﷺ کے بعد یہ حجت مرکز امامت کی طرف منتقل
کرتے ہیں۔ قرآن کے ساتھ دوسری حجت خداوندی مرکز ملت ہو یا مرکز

امامت، یہ ان دو طبقوں کا باہمی اختلاف ہے۔ ہم جمہور اہل اسلام اپنے اور خدا کے مابین حضور اکرم ﷺ کی ذات کریمہ کو اب بھی حجت سمجھتے ہیں اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ آخرت کی عدالت کا فیصلہ کتاب اللہ و سنتی پر ہی موقوف ہے۔ اس کا معیار نہ کتاب اللہ + مرکومت ہیں اور نہ کتاب اللہ + مرکز امامت۔ ہمارا ہمیشہ تک کے لیے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ نہ ہم جزو ثانی کو محض ڈاک رسائی تک محدود کرتے ہیں اور نہ ہی اس کی حجیت ختم کر کے، یہ عہدہ کسی اور مرکز امامت کو سپرد کرتے ہیں۔ قرآن پاک حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی کو ہی آخرت کے حساب و کتاب کے لیے بطور حجت پیش کرتا ہے۔

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَنَذِيرٍ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [المائدہ: ۱۹]

”اے اہل الکتاب! بے شک ہمارے رسول ﷺ تمہارے پاس ایسے وقت میں آئے کہ رسولوں کا سلسلہ مدت سے رُکا تھا، آپہنچے ہیں۔ صاف صاف بتلاتے ہوئے تاکہ تم بوقت حساب نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا۔ اب تو تمہارے پاس بشیرونذیر آ گئے ہیں۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ اب تمہارے عذر کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ اب تمہارے حساب کے لیے حجت قائم ہو چکی ہے اور وہ حجت اس بشیرونذیر کی ذات ہے، جو تمہیں جزا کی بشارتیں دے رہا ہے اور سزا سے بھی ڈرا رہا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتمام حجت صرف حضور ﷺ کے زمانے کے

لوگوں تک کے لیے ہے اور بعد میں کوئی اور عہدہ امامت حجت خداوندی ہوگا یا حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہی ان تمام لوگوں کے لیے حجت رہے گی جن تک یہ قرآن پہنچے۔ قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ ہر اس شخص کے لیے بشیرونذیر ہیں جسے بھی یہ قرآن کریم پہنچے اور آپ ﷺ کی یہ حجت قیامت تک کے لیے قائم ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنَ لِأُنذِرَكُمْ وَمَنْ بَلَغَ﴾

”آپ ﷺ اعلان کر دیجیے کہ یہ قرآن میری طرف اس لیے وحی کیا گیا ہے کہ تمہیں اور ہر اس شخص کو جسے یہ قرآن پہنچے آخرت کے عذاب سے ڈراؤں۔“

یہاں کم میں حضور ﷺ کے زمانے کے لوگ اور من بلغ میں قیامت تک آنے والے تمام لوگ مراد ہیں۔ ممکن ہے بعض حضرات کہیں کہ یہ مرتبہ امامت، نبوت کے قائم مقام نہیں۔ محض منصب خلافت کے طور پر ہے مگر یہ بات صحیح نہیں۔ امامی حضرات محض ایک انتظامی منصب نہیں، ایک آسمانی عہدہ سمجھتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ مرتبہ نبوت کی نظیر ہے صرف خلافت کا بدل نہیں۔ ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

”امامت نیز فی الحقیقت نبوتی است۔“

ترجمہ: ”امامت بھی درحقیقت نبوت ہی ہے۔“ [حیات القلوب، ج ۳، ص ۸۱]

ملا باقر مجلسی دوسری جگہ بھی اسی طرح لکھتے ہیں:

”منصب امامت نیز نظیر نبوت است زیرا کہ ہر دور ریاستی

عام است برہمہ مکلفین در جمیع امور دین و دنیا۔“

ترجمہ: ”منصب امامت، نبوت ہی کی طرح ہے کیونکہ ریاستی لحاظ سے ہر

دو منصبوں ”نبوت و امامت“ کے احکام تمام مکلفین پر عام لاگو ہوتے

ہیں۔ دین اور دنیا کے تمام امور کے پابند مکلفین ہی ہیں۔“

شیعہ حضرات کے مایہ ناز آیت اللہ حکیم طوسی بھی امامت کا منصب محض انتظامی منصب نہیں بلکہ آسمانی عہدہ سمجھتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

ذهب الإمامية خاصة إلى أن الإمام يجب أن يكون منصوباً عليه شرح تخرید الاعتقاد -

[مصنف: حکیم طوسی، ص ۲۲۹ - مطبوعہ تہران]

ترجمہ: ”تمام مذاہب عالم میں خاص امامی ”شیعہ حضرات“ لوگ اس طرف گئے ہیں کہ بے شک یہ ضروری ہے کہ امام اللہ تعالیٰ کی وحی کی روشنی میں منتخب ہو۔ امت کے اختیار میں نہیں۔“

جمہور اہل اسلام کے نزدیک اس قسم کا تصور امامت، آنحضرت ﷺ کی شان نبوت کے قطعاً خلاف ہے۔ ختم نبوت کا لفظی اقرار اور نبوت کی تمام صفات کا امام میں اثبات یہ ایسا الحاد ہے جس سے ختم نبوت پر بڑی ضرب لگتی ہے اور اس اقرار امامت کے بعد ختم نبوت تسلیم کرنے کا کوئی معنی نہیں رہتا۔

قارئین کرام! مملکت ایرانی پارلیمنٹ کے سابق سپیکر، ایک عظیم سکالر، ابوالکلام فلاسفر جناب آیت اللہ نوری صاحب کے ساتھ مورخہ ۲۰۰۲/۵/۲۲ کورات کے وقت برادر راست انٹرنیٹ پر ایک دلچسپ مکالمہ پیش آیا، جو قارئین کرام کے لیے کم از کم شیعہ مذہب پر مبنی ایک معلوماتی باب ہے۔ بعض مقامات پر یہ دلچسپ مکالمہ، عامۃ الناس کے سامنے جب گوش گزار کیا جاتا ہے تو لوگ عالم انبساط میں مغلوط ہو جاتے ہیں۔

وطن عزیز کے اکثر و بیشتر رفقاء کرام نے بار بار اصرار فرمایا کہ:

قص صاحب! اس دلچسپ مکالمہ کو ضرور بالضرور زیر تحریر لاکر کتابی شکل میں طباعت کرواؤ تاکہ موجودہ اور آئندہ آنے والے لوگ اس سے مستفید ہو جائیں اور معاً سادہ لوح

افراد سبائیت اور رافضیت کے پردوں میں چھپے ہوئے باطل عقائد کا آئینہ دیکھ سکے۔ چنانچہ بغیر کسی کمی و بیشی کے من و عن یہ دلچسپ مکالمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ یاد رہے کہ مندرجہ ذیل اس دلچسپ مکالمہ کا انتظام و اہتمام ”انٹرنیٹ کے مواصلاتی رابطہ پر“ ترجمان اہل سنت، محبت اہل بیتؑ، فدائے صحابہؓ و مدیر ماہنامہ خلافت راشدہ جناب محترم انجینئر طاہر محمود صاحب نے فرمایا تھا۔

علاوہ ازیں ایک اور دلچسپ مکالمہ جو میرے اور سید عباس حیدری صاحب کے ساتھ پیش آیا۔ سید عباس حیدری صاحب شہر لکھنؤ کے باشندہ اور مدرسۃ الوداعین لکھنؤ سے مستند عالم فاضل اور ممتاز الا فضل ہیں۔ یہ دلچسپ مکالمہ بھی حوالہ قلم کیا جا رہا ہے۔ اس مکالمہ کی کچھ قسطیں، خلافت راشدہ کے داعی، ماہنامہ حق چار یاڑ میں بھی آچکی ہیں۔ مزید برآں سید توقیر عباس نقوی آف خوشاب کے دو خطوط کا تفصیلی جواب دیا گیا ہے تاکہ اس قسم کے سوالات کرنے والوں کی علمی پیاس بجھ سکے اور آئندہ آنے والے وقت میں اس نوعیت کا باطل سر اٹھانے کے قابل نہ رہ سکے۔

مندرجہ ذیل مکالمات اور تسلی بخش جوابات دینے میں، کہاں تک کامیاب ہوا ہوں، یہ فیصلہ دینے کا حق قارئین کرام پر چھوڑ دیتا ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت حق اور سچ سمجھنے کی توفیق عنایت فرمائیں اور ہمیں قرآن و سنت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق سے نوازیں، اور دنیا سے جاتے وقت خاتمہ بالخیر اور زبانون پر یہ اصلی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ گویا ہو۔

ربنا تقبل منا إنک أنت السميع العليم.

احقر العباد

سید امیر رضامتی

①..... مناظرہ مابین آیت اللہ نوری و سید امیر رضامتی
اہل بیتؑ کون ہیں؟
اور
حجیت اہل بیتؑ کی حیثیت کیا ہے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیت اللہ نوری

کچھ مسکراہٹ کے بعد آغاز گفتگو یوں فرمایا:

آقای محترم سید امیر رضامتی!

السلام علیکم چطوری، خوبی، پیران و دختران شاخوبند، خرسندی۔

جناب محترم سید امیر رضامتی!

السلام علیکم، کیسے ہو؟ آپ کے بیٹے اور بیٹیاں کیسے ہیں؟ یعنی آپ کے بچے ٹھیک ٹھاک ہیں اور آپ خوش ہیں۔

سید امیر رضامتی

والسلام علی من اتبع الهدی۔ الحمد للہ صاف خوب

و خرسندیم۔

ترجمہ: ”سلامتی اس پر جس نے ہدایت ”صراط مستقیم“ کی پیروی کی۔

اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکریہ کہ ہم سب کے سب خوش و خرم ہیں۔“

آیت اللہ نوری

ناراحت نشوید، آقای محترم شمار از حمت دادہ ایم و

از خیلی وقت میخواستیم کہ باشما تماس بگیریم کہ اصلاً شما

مذہب اہل بیت صلوات اللہ علیہم راجحاً ترک گفتہ اید؟
محترم قی صاحب! ناراضگی محسوس نہ فرمائیں، ہم نے آپ کو تھوڑی سی زحمت دی ہے، ہم کافی عرصہ سے یہ چاہ رہے تھے کہ آپ سے سوالیہ انداز میں تھوڑی سی گفتگو ہو جائے کہ بنیادی طور پر آپ نے مذہب اہل بیت صلوات اللہ علیہم کو کیوں چھوڑا ہے؟

جواب سید امیر رضائی

آقای محترم! منہم خیلی خواہشمند بودم کہ باشما باری دیگر ارتباط برای احقاق حق و ابطال باطل بگیرم۔ آقای محترم! اصلاً شما اشتباه کردہ اید کہ من مذہب اہل بیت راترک گفتہ ام، مذہب اہل بیت کہ مبنی بر قرآن و سنت پیغمبر است، ہرگز ترک نگفتہ ام۔

”جناب محترم! در حقیقت آپ خود غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں کہ میں نے مذہب اہل بیت کو چھوڑ دیا ہے! مذہب اہل بیت در حقیقت جس کی بنیاد و اساس قرآن و سنت پر استوار اور محکم ہے، میں نے ہرگز نہیں چھوڑا ہے!“

آیت اللہ نوری..... آقای محترم!

شما چرا لفظ سنت را با مرویات اہل بیت صلوات اللہ علیہم مربوط و مخلوط فرمودہ اید؟ چنانچہ این سخن اظہر من الشمس است کہ مرویات اہل بیت و لفظ سنت باہم خیلی فرق دارد، نباید کہ این دو تا بایک دیگر التباس و اختلاط گردد۔

جناب محترم! آپ نے مذہب اہل بیت صلوات اللہ علیہم کی پاکیزہ روایات اور لفظ سنت کو ساتھ کیوں ملایا ہے؟

”یعنی دونوں کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں“ مرویات اہل بیت اور سنت کے ایک دوسرے کے درمیان کافی فاصلے موجود ہیں۔ یہ بات قطعاً درست نہیں کہ ان دونوں کو ایک تصور کیا جائے۔“

سید امیر رضائی

آقای محترم! شما اصلاً مراد لفظ سنت را معرفی فرمودہ اید، و در حوزہ های شما لفظ سنت را ہم مطرح نمیکنند۔ مراد از لفظ سنت آیہ کریمہ است کہ خداوند متعال در بارہ پیغمبر اسلام فرمودہ است۔

وما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحى يوحى.

”کہ محمد مصطفی ﷺ ہرگز با خواہش نفس خویش سخن نمی گوید، سخن او ہیج وحی خدا نیست۔ از این آیہ مذکورہ معلوم شد کہ نطق محمدی کہ وحی الہی است و مراد از سنت، نطق محمدی و فعل محمدی است۔ ہر فعلیکہ از جسم و جان محمدی صادر میشود، ہمین نطق و فعل را سنت نبویہ می گوئیم، و کسیکہ بر این سنت مبارکہ عمل میکند اورا اہل سنت والجماعت گفتہ میشود، و ہمچنان ہمہ اہل بیت رضوان اللہ بر این سنت مبارکہ عمل کردہ اند، ایشان ہمہ اہل سنت والجماعت بودند۔“

ترجمہ: ”در حقیقت آپ لوگ لفظ سنت کی اصلی مراد کو نہیں جانتے ہیں اور نہ ہی اس ”سنت“ کا مفہوم آپ کے دینی مدارس میں سمجھایا جاتا ہے اور نہ ہی پڑھایا جاتا ہے۔ لفظ سنت سے واضح مراد اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ قرآنی آیت ہے۔ جس کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ پیغمبر اسلام اپنی خواہش نفسانی سے بات نہیں فرماتے ہیں اور جو کچھ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی وحی کی روشنی میں فرماتے ہیں۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی زبان نبوت سے نکلی ہوئی بات وحی الہی ہے۔ گو رسول اللہ ﷺ کی گفتگو، سنت نبوی ﷺ ہے۔ ہر وہ کام جو رسول اللہ ﷺ کے جسم مبارک سے سرزد ہوتا ہے اسی کو ہم سنت نبوی ﷺ کہتے ہیں۔“ اور جو شخص بھی اس پاکیزہ سنت پر عمل کرتا ہے وہ اہل سنت والجماعت سے وابستہ نظر آتا ہے اور اسی طرح اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس پاکیزہ سنت پر عمل کر کے یہ دکھلادیا کہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم تمام کے تمام ”حقیقت میں“ اہل سنت والجماعت تھے۔

آیت اللہ نوری..... آقا ی محترم!

تماسِ مانفہمیدہ اید، ماگفتہ بودیم کہ مرویات ائمہ اطہار صلوات اللہ علیہم اجمعین از جہتِ قرآنی حجت بالاستقلال است، واقاویل اصحاب پیغمبر حجت نیست۔ وائمه اطہار صلوات اللہ علیہم اجمعین حجج اللہ هستند، واصحاب پیغمبر حجج اللہ نیستند۔ ومراد ما از سنت اقاویل پیمبر است و اقاویل اصحاب پیغمبر نیست۔

ترجمہ: ”آیت اللہ نوری صاحب جواب میں فرماتے ہیں کہ جناب محترم قی صاحب!

آپ نے ہمارے سوال کو سرے سے سمجھا ہی نہیں ہے ہم نے کہا تھا کہ روایات اہل بیت صلوات اللہ علیہم، قرآن کریم کی رو سے ایک مستقل حجت ہیں، اور روایات اہل بیت کے برعکس پیغمبر اسلام ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باتیں حجت نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ائمہ اطہار صلوات اللہ علیہم اللہ تعالیٰ کے حجت ہیں۔“ حجت سے مراد مفترض الطاعت منصوص الہی اور معصوم ہونا ہے۔“ اور صحابۃ الرسول حجت نہیں ہیں۔ لفظ سنت سے ہماری مراد، پیغمبر اسلام ﷺ کی سنت ہے۔ اصحاب پیغمبر ﷺ کی باتیں سنت نہیں ہیں۔

سید امیر رضا قی..... آقا ی محترم!

من باشما بار بار بتکرار سنت پیغمبر اسلام را گفته ام، وپیش شما آیہ مذکورہ را بالاستقلال حجت شرعیہ گردانیدہ ام، وشما ہستید کہ بار بار اقوال اصحاب پیمبر علیہ السلام را گفته اید، معلوم نیست کہ با اصحاب پیمبر اسلام چہ عداوتی داشتہ اید؟

”جناب محترم! میں نے بار بار بتکرار آپ سے پیغمبر اسلام ﷺ کی پاکیزہ سنت کی بات کی تھی اور اسی طرح مستقل طور پر قرآن کریم سے آیت کریمہ کی نشان دہی کرتے ہوئے حجت شرعیہ ”آیت کریمہ ہی کو“ گردانی گئی ہے، مگر آپ ہیں کہ بار بار اصحاب پیمبر ﷺ کے اقوال پیش کرتے آئے ہیں۔ معلوم نہیں کہ آپ لوگوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کیا دشمنی ہے؟“

قارئین کرام! آپ حضرات نے آیت اللہ نوری کی گفتگو کا جارحانہ انداز ملاحظہ فرمایا، آگے بغض صحابہ سے لبریز مزید گل افشانی کا مظاہرہ دیکھیں۔

آیت اللہ نوری..... آقای محترم!

اصلاً ائمہ اطہار ما و خلفائے اربعہ "ابوبکر و عمر و عثمان" در بین ایشان خیلی فرق دارند، خلفای شما با مشاورت شما منتخب شده اند و ائمہ اطہار ما با امر الہی منتخب شده اند۔ بداهت امر الہی از بغز شہای بشری مصون است و مشاورت شما مصون ہم نیست و مشروع ہم۔

ترجمہ: "جناب محترم! در حقیقت آپ کے مقرر کردہ خلفاء "ابوبکر و عمر و عثمان" اور ہمارے ائمہ کرام کے درمیان کافی فرق موجود ہے۔ آپ کے مقرر کردہ خلفاء آپ حضرات کے مشورے سے بنے ہیں اور ہمارے ائمہ کرام، اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ حکم سے بنے ہیں، بالکل بدیہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تمام بشری لغزشوں سے پاک اور محفوظ ہوتا ہے۔ آپ کے مشورے نہ تو محفوظ ہوتے ہیں "کی ویشی سے" اور نہ ہی شروع ہوتے ہیں۔ "شرعاً آپ لوگوں کے مشوروں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی ہے۔"

سید امیر رضائی..... آقای محترم!

اصلاً شما اعتماد و اعتقاد بر قرآن کریم نداشته اید، و در قرآن کریم بالخصوص لفظ مشاورت را با قلب صمیمانہ ندیدہ اید، آقای محترم! در قرآن کریم مہم ترین چیز مشاورت است۔ خداوند متعال پیغمبر اسلام را فرمودہ است۔

و مشاور ہم فی الامر، ای پیغمبر! شما با اصحاب خودتان مشاورت کنید، فی الامر، در امر، عرب میگویند السمک فی الماء، کہ ماہی در آب است۔ اگر یک لحظہ ماہی از آب بیرون آید، زندہ نمی ماند، فی الماء، در آب، أعنی اولی الامر۔

امر همان امر است کہ در اولی الامر، امر است۔ و ہنگامیکہ پیغمبر اسلام از این دنیا رحلت فرمودند، بأمر الہی چہ شد؟ خداوند متعال اصحاب پیغمبر را فرمودند، "و امر ہم شوری بینہم" کہ امر ایشان "صحابۃ الرسول" مابین ایشان با مشاورت ایشان قرار دادہ شدہ است۔

آقای محترم! این جاسخن مہم تر اینست کہ ہنگامیکہ پیغمبر اسلام در این دنیا بودند "و مشاور ہم فی الامر" ذات گراسی شان نخستین بودند، و امر بعد از این شان، و ہنگامیکہ پیغمبر اسلام از این دنیا رحلت فرمودند امر را نخستین آورد "و امر ہم شوری بینہم" بعد از رفتن پیغمبر اسلام امر ایشان "امر صحابۃ الرسول" مہم تر شد، امر را اول آورد۔ و بہمین امر الہی بطلان حدیث شما میکنم کہ شما فرمودہ اید۔ الامامۃ افضل من النبوة کہ امامت (ائمہ دوازده) از نبوت بہتر است۔ آقای محترم! بحکم اگرچہ طولانی شد لاکن اہمیت مشاورت قرآنی در قرآن کریم وارد گردیدہ است۔

جناب محترم! در حقیقت آپ لوگ قرآن کریم پر اعتماد اور اعتقاد نہ رکھنے کی وجہ

سے قرآن کے سینے میں لفظ مشورہ کو خلوص دل سے دیکھا نہیں ہے حالانکہ قرآن کریم میں اہم ترین چیز باہمی مشورہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ”وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ“ کہ اپنے ساتھیوں ”اہل بیت“ عظام و صحابہ کرام کے ساتھ مشورہ فرمایا کریں۔ کس چیز میں مشورہ کرنا ہے؟ فی الامر، امر میں، عمومی طور پر عرب کے لوگ کہتے رہتے ہیں۔ ”السمک فی الماء“ مچھلی پانی میں ہے۔ اگر مچھلی چند لمحات و لحظات پانی سے باہر نکلے تو مچھلی تڑپ تڑپ کر مرجائے، فی الماء، پانی میں، پانی کے اندر اس کی بقا ہے، زندگی ہے۔ پانی سے باہر اس کی فنا ہے، موت ہے۔ فی الامر، مشورے کا حکم امر میں ہے اور یہ امر وہی ہے جو اولی الامر میں امر ہے۔ یعنی امر سے امر والے ”خلفائے کرام“ بنتے ہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ جب اس دنیا میں موجود تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل بیت عظام سے مشورہ امر الہی سے مشروع تھا لیکن پیغمبر اسلام ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو پھر مشورے کے ساتھ کیا ہوا؟ پیغمبر اسلام ﷺ کے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسی مشورہ کو اصحاب پیغمبر کے حوالے کر دیا۔ ”وَأْمُرْهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ“ کہ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کا امر، ان کے باہمی مشورہ سے طے ہوگا۔ یہاں پر ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ جس وقت پیغمبر اسلام ﷺ اس فانی دنیا میں تشریف فرما تھے تو اللہ تعالیٰ نے لفظ امر کو پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات گرامی کے بعد لایا، اور پیغمبر اسلام ﷺ جب اس فانی دنیا سے پردہ فرما گئے تو بعد والے امر کو، اب پہلے لے آیا۔ ”وَأْمُرْهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ“ اس لیے رسول اکرم ﷺ کے جانے کے بعد وہی امر، اہم ترین کرا بھرا، اور مشورے سے پہلے نکھر کر ابھرا، جواز روئے قرآن کریم مشروع ”شرعی لحاظ سے جائز امر“ ہے۔ تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت عظام کے باہمی مفید تر مشورے سے

اولی الامر ”خلفائے کرام“ وجود میں آئیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ لوگوں کی ایک من گھڑت حدیث کے پرچے بھی اڑ جائیں ”الامامة افضل من النبوة“ کہ امامت ”بارہ اماموں کی امامت“ نبوت سے رتبہ میں بلند و بالا ہے۔ جناب عالی! اس دفعہ اگرچہ بحث ذرا لمبی ہو چکی ہے لیکن آپ حضرات پر واضح کرنا بھی مقصود ہے کہ باہمی مشورے کی اہمیت قرآن کریم کے اندر موجود ہے۔ اگر آپ لوگ تھوڑی سی زحمت فرما کر قرآن کریم کی طرف توجہ مبذول کر کے قرآن مجید پر اعتقاد رکھیں۔

آیت اللہ نوری..... آقا محترم!

بحث ائمہ اطہار صلوات اللہ علیہم را بعد از این آغاز خواہم کرد، لاکن هنوز سخن من کہ درباره قرآن موجودہ است آغاز میکنم کہ در قرآن موجودہ خداوند متعال فرمودہ اند۔ ذالک الکتاب لاریب فیہ۔ کہ تمام مفسرین اہل سنت از این آیہ کریمہ ترجمہ کردہ اند کہ در این کتاب هیچ شک و شبہ نیست۔ ومعنی مذکورہ بھیچوجہ درست نمیباشد۔ زیرا کہ ”ذالک“ این اشارہ بعید است۔ اشارہ قریب نیست۔ بنا برین معنی ذالک آنست۔ این نیست۔ این دو تا ذالک و هذا باہم خیلی فرق دارد۔ پس حتما معنی ذالک آنست۔ درست میباشد۔ ومعنی اینکہ مفسرین اہل سنت میکنند کہ در این کتاب هیچ شک و شبہ نیست، درست معنی نیست۔ ذالک آنست۔ هذا اینست۔ آن، این نمیگردد۔ واین، آن نمیگردد۔

پس چطور شمار برقرآن موجودہ ایمان آورده اید؟ و مراد از این کتاب پنجتن پاک اند کہ در حدیث کساء مشمول گردیده شدہ اند۔ ذوات مقدسہ ایشان هستند۔ اعنی اصلی و حقیقی قرآن مجید نزد ایشان است کہ خداوند متعال ایراد فرمودہ اند۔ ”لایمسه إلا المطہرون“ کہ هیچکس اصل قرآن را غیر از اہل بیت صلوات اللہ علیہم نمیتواند مس کند۔

محترم عالی قدر! حضرات ائمہ اطہار صلوات اللہ علیہم کی بحث اس کے بعد جاری رکھوں گا، لیکن فی الحال سب سے پہلے موجودہ قرآن مجید کے بارے میں بحث کا آغاز کرنا چاہتا ہوں کہ موجودہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”ذالک الكتاب لا ريب فيه“ کہ اہل سنت کے تمام مفسرین کرام مذکورہ بالا آیت کریمہ کا ترجمہ اس طرح کرتے آئے ہیں کہ اس کتاب میں کوئی شک و شبہ نہیں مگر اس کا ترجمہ کردہ معنی کسی وجہ سے بھی درست نہیں ہے۔ یہ ذالک دور کے اشارہ کے لیے آتا ہے۔ نزدیک اشارہ کے لیے نہیں آتا ہے۔ اس وجہ سے ذالک کا معنی، وہ ہے یہ نہیں ہے۔ ذالک و هذا ”وہ اور یہ“ دونوں آپس میں فرق اور فاصلے رکھتے ہیں۔ پس لازمی طور پر ”ذالک“ کا معنی وہ درست آتا ہے اور جو معنی مفسرین اہل سنت کرتے ہیں کہ اس کتاب میں کوئی شک و شبہ نہیں، درست معنی ہرگز نہیں ہے۔ ذالک، وہ ہے۔ ہذا یہ ہے۔ وہ، یہ نہیں ہو سکتا اور یہ، وہ نہیں ہو سکتا۔ تو کس طرح آپ کا ایمان، موجودہ قرآن پر ہو سکتا ہے؟ ”یعنی اہلسنت کا ایمان موجودہ قرآن مجید پر درست نہیں ہے۔“ اس کے علاوہ دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ ذالک سے مراد پنجتن پاک ہیں جو کہ حدیث کساء ”چادر تطہیر میں“ میں آچکے ہیں، یعنی اصلی اور حقیقی

قرآن مجید اہل بیت اطہار صلوات اللہ علیہم کے پاس ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ”لایمسه إلا المطہرون“ کہ اصلی و حقیقی قرآن مجید اہل بیت اطہار صلوات اللہ علیہم کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں ہے۔ سید امیر رضائی..... آقائی محترم!

از فرمودہ های تان معلوم شد کہ شما همگی بر این قرآن موجودہ ایمان نداشته اید۔ و دیگر اینکه قرآن شما نزد پنجتن پاک است۔ مراد از پنجتن پاک، پیغمبر اسلام، حضرت علی المرتضیٰ، سیدہ فاطمہ الزہراء، و حضرات حسنین هستند۔ پس دیگر ائمہ شما کہ اسمائے ایشان، امام زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم، امام علی رضا، امام محمد تقی، امام علی نقی، امام حسن عسکری و امام مہدی هستند۔ با فرمودہ های شما ایشان ہم از قرآن محروم گشتہ شدہ اند۔ زیرا کہ شما انحصار در پنجتن پاک ”مدلول حدیث کساء“ فرمودہ اید۔ و اما مباحث علمیہ کہ ذالک و هذا پیشنہاد فرمودہ اید، بر شما واجب است کہ پاسخ ذالک کہ نزد شما آن قرآن است، دلیل آن قرآن خواہید داد۔ و معنی ذالک کہ مفسرین کرام اہل سنت ہذا میکنند بر من واجب است کہ پاسخش خواہم داد۔ اولاً شما بفرمائید کہ ہنوز قرآن شما کہ نزد شما آنست کجا است؟ ترجمہ: جناب محترم! آپ کے فرمودات سے معلوم ہوا کہ آپ لوگ موجودہ

قرآن مجید پر ایمان نہیں رکھتے ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ کا قرآن آپ ہی کے کہنے پر پختن پاک کے پاس ہے اور پختن پاک سے مراد پیغمبر اسلام ﷺ، حضرت علی المرتضیٰؑ، سیدہ فاطمہ الزہراءؑ، اور حضرات حسنینؑ ہیں۔ پس آپ حضرات کے باقی ماندہ نو امام جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔ امام زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم، امام علی رضا، امام محمد تقی، امام حسن عسکری اور امام مہدی امام زمانہ ”مزعوم و موهوم امام“ قائم آل محمد ﷺ ہیں۔ گویا امام آپ ہی نے قرآن مجید کے وجود سے محروم کر دیئے گئے کیونکہ آپ نے ”حدیث کساء مدلول“ انھار پانچ ہی میں مانا ہے۔ باقی ذالک و هذا جو کہ علمی مباحث ہیں اور آپ ہی نے پیش فرمائے ہیں، آپ ہی پر واجب اور لازم ہے کہ اس قرآن کا جواب دے دیں اور جو قرآن ہمارے پاس ہے اور اہل سنت کے مفسرین کرام، ذالک کے معنی یہ کرتے آئے ہیں۔ اس کا جواب دینا مجھ پر واجب اور لازم ہے لیکن سب سے پہلے آپ اس بات کی وضاحت فرمائیں کہ آپ کا وہ قرآن ابھی کہاں ہے؟

آیت اللہ نوری..... آقائی محترم!

منحصر بودن قرآن مجید در پختن پاک نیست۔ حدیث کساء برای دلالت مطابقی گفته ام۔ زیرا کہ ہمہ قرآن را غیر از ائمہ کرام صلوات اللہ علیہم جمع نکرده۔ چنانچہ در مرویات اہل بیت علیہم السلام آمدہ است۔ و روایت تصریحی در اصول کافی وارد شدہ است۔ عن جابر قال سمعت ابا جعفر علیہ السلام یقول: ما ادعی احد من الناس انه جمع القرآن کله کما انزل

إلا کذاب وما جمعه وحفظه کما نزلہ اللہ تعالیٰ إلا علی ابن ابی طالب علیہ السلام والایمۃ من بعدہ علیہم السلام۔

ترجمہ: ”حضرت جابر از امام باقرؑ روایت کردہ کہ امام محمد باقرؑ فرمودہ: جز دروغگو ہیچکس از مردم ادعا نکند کہ تمام قرآن را چنانکہ نازل شدہ، جمع کردہ است، و کسی جز علی بن ابی طالبؑ و امامان پس از وی علیہم السلام آنرا چنانکہ خدا تعالیٰ فرستادہ۔ جمع و نگہداری نکرده اند۔ از این علاوہ در اصول کافی روایت دیگر از امام محمد باقر علیہ السلام وارد شدہ۔ مایستطیع احد ان یدعی ان عندہ جمیع القرآن کله ظاہرہ و باطنہ غیر الأوصیاء:

ترجمہ: امام محمد باقر علیہ السلام فرمود: جزء اوصیاء پیغمبر ”ائمہ دوازده“ کسی را نرسد کہ ادعا کند ظاہر و باطن تمام قرآن نزد اوست۔ و از این علاوہ در اصول کافی این ہم روایت است کہ آن قرآن را امام مہدی علیہ السلام بردہ۔ و ہنگامیکہ امام زمانہ صلوات اللہ علیہ ظہور میفرمایند آن قرآن را ہمرایش خواهد آورد۔

ترجمہ: جناب محترم! قرآن مجید صرف پختن پاک میں منحصر نہیں ہے یہ تو حدیث کساء کی دلالت مطابقی کی وجہ سے میں نے بات کی ہے۔ بارہ اماموں کے علاوہ اور کسی نے قرآن کو جمع ہی نہیں کیا ہے۔ روایات اہل بیت علیہم السلام میں آیا ہے، اور اصول کافی میں یہ روایت صراحتاً موجود ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: کوئی جھوٹا

آدمی دعویٰ نہ کرے کہ اس نے تمام قرآن کو جمع کیا ہے جیسا کہ قرآن نازل کیا گیا ہے۔ اصلی قرآن کو حضرت علیؑ اور دیگر گیارہ اماموں نے جمع کیا ہے اور انہوں نے ہی اس اصل قرآن کی حفاظت کی ہیں۔

اور اس قسم کی دوسری روایت بھی اصول کافی میں امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ اوصیائے پیغمبر اسلام ﷺ ”بارہ امام“ کے علاوہ کوئی آدمی اصلی قرآن تک نہیں پہنچ سکتا کہ وہ آدمی دعویٰ کرے کہ میں نے اصلی قرآن کو پایا ہے کہ قرآن کے ظاہر و باطن میرے پاس ہے۔ ”بلکہ قرآن کے ظاہر و باطن بارہ اماموں کے پاس ہیں“ اور اس کے علاوہ اصول کافی میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ اس اصلی قرآن کو امام مہدیؑ اپنے ساتھ لے گئے ہیں اور جس وقت بھی امام مہدیؑ ظہور فرمائیں گے وہ اصلی اور حقیقی قرآن مجید اپنے ساتھ لائیں گے۔

سید امیر رضائی..... آقا محترم!

از پاسختان و از سخنان شما معلوم شد کہ در عهد پیغمبر اسلام هیچکس از صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حافظ قرآن نبود۔

حالانکہ در زمان پیغمبر اسلام در تعداد کثیر صحابہ کرام حافظ قرآن بودند۔ و این قرآن اصلی و حقیقی راجع و حفظ فرمودہ اند۔ چنانکہ تا این زمان قرآن موجودہ بحد تواتر بمارسیدہ است۔ و دیگر سخن اینست کہ اصلی و حقیقی قرآنتان، امام غائب، امام مہدی از ہمہ شما ہمرایش بردہ۔ آیا ماسیتوانیم از شما پرسیم کہ امروز شما بر کدام قرآن عمل

میکنید؟ زیرا کہ شما امروز از عمل کردن بر قرآن کریم محروم گردیدہ اید! و شما ہستید کہ امام مہدی از نزد شما قرآن ہدایت کنندہ را بردہ است۔ آیا شما امروز در جامعہ بشری از ہدایت ربانی بغیر از ہادی و ہدایت، مانند شدہ اید۔ و کسیکہ از شما قرآن ہدایت کنندہ را اخفاء کردہ است، در نظر شما کیست؟ امام از شما غائب شدہ و قرآن را ہم غائب کردہ پس حکمت کلمات گفتن کہ عقب ہر نماز میخوانید معلوم شد۔ عجل اللہ فرجک: ای امام! بزودی ظہور بفرمائید تا اینکہ ما ہمگی از ہدایت ربانی پیروز بشویم، زیرا کہ ما ہمہ از ہدایت محروم ہستیم۔

ترجمہ: ”جناب عالی! آپ کی باتوں اور جواب مذکور سے معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے عہد میں کوئی ایک بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حافظ قرآن نہ تھا حالانکہ پیغمبر اسلام ﷺ کے زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کثیر تعداد میں حافظ قرآن موجود تھے۔

اور اسی موجودہ قرآن مجید کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جمع اور حفظ فرمایا تھا۔ چنانچہ اس وقت تک ”موجودہ قرآن مجید“ حد تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ کا اصلی قرآن آپ کے امام غائب، امام مہدی چھپا کر ساتھ لے گئے ہیں۔ کیا ہم آپ سے پوچھنے کی جسارت کر سکتے ہیں کہ آج کل آپ لوگ کس قرآن پر عمل کر رہے ہیں؟ کیونکہ آج کل تمہیں قرآن پر عمل کرنے سے محروم کر دیا گیا۔ کیونکہ عدم وجود قرآن سے آپ کا ہدایت دینے والا قرآن امام مہدی لے

گئے ہیں اور آج اس معاشرہ انسانی میں ہدایت ربانی سے محروم ہو کر بغیر کسی رہبر و رہنما اور ہدایت دینے والا قرآن وہ چھپا کر چھپ گئے تو آپ کی نظروں میں وہ کون ہیں؟ کہ آپ کے امام بھی غائب ہوئے اور ساتھ قرآن بھی غائب کر گئے۔ ہر نماز کے بعد آپ تمام لوگ جو کلمات ”عجل اللہ فرجک“ پڑھتے رہتے ہیں، ان کلمات کے دہرانے کی حکمت اب سمجھ میں آئی ہے کہ اے امام! جلد از جلد ظہور فرماتا کہ ہم تمام لوگ ہدایت ربانی سے مستفیض ہو جائیں کیونکہ ابھی تک ہم تمام لوگ ہدایت ربانی سے محروم ہیں۔

آیت اللہ نوری..... آقا ی محترم!

در این قرآن مجید، آیتہای بسیاری تبدیل کردہ شدہ است۔ بالخصوص اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ در آیتہای قرآنی دخالت عظیم اختیار کردہ اند۔ در آیتہائیکہ اوصاف و محامد اہل بیت صلوات اللہ علیہم السلام بودہ۔ این ہمہ اوصاف و محامد را اخراج کردہ اند، و در مواضع ایشان اوصاف و محامد شان را الحاق کردہ اند۔ امروز کسی نمیتواند ادعا کند کہ ہمین قرآن موجودہ از تحریف و تبدیل شدن محفوظ و مصون مانده باشد۔ اما سخن شما کہ از ہدایت ربانی محروم گشتہ اید، امروز ماہمہ بغیر از ہادی و از شرف ہدایت ربانی محروم نیستیم۔ صحیفہ و جامعہ و کتاب جفر و مصحف فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کہ کتابہای اہل بیت علیہم السلام است، از این ہمہ کتابہا

استفادہ میگیریم۔

وسینہ بسینہ از زمان پیغمبر اسلام از اینہا مستفید شدہ ایم و مستفیض میشویم۔ مثلیکہ شما از سلسلہای تفسیریہ و قادریہ و چشتیہ و سروردیہ استفادہ میگیرید۔ همچنان ماہم از امام مہدی علیہ السلام بالاستقلال استفادہ میگیریم۔ امروز اگرچہ امام مہدی علیہ السلام از چشمان ما غایب هستند لکن ماہمہ از ایشان غائب نیستیم۔ بنا برین ماہمہ از عقب نمازہا عجل اللہ فرجک۔ کلمات مبارکہ را می گوئیم۔

ترجمہ: ”جناب محترم! اسی موجودہ قرآن مجید میں کافی ساری آیتیں تبدیل کر دی گئی ہیں۔ خاص کر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے اسی قرآن مجید کو تبدیل کر دیا ہے اور کافی ساری آیات میں دخل اندازی سے کام لیا ہے حتیٰ کہ جن آیتوں میں اہل بیت صلوات اللہ علیہم کے اوصاف و محامد تھے، ان تمام اوصاف و محامد کو انہوں نے موجودہ قرآن مجید سے نکال دیئے ہیں اور ان مقامات پر انہوں نے خود اپنے اوصاف و محامد داخل کر دیئے ہیں۔ آج کوئی آدمی یہ دعویٰ و ثوق سے نہیں کر سکتا کہ یہی قرآن مجید تحریف و تبدیلی سے محفوظ رہا ہو۔ باقی جو بات آپ نے کی ہے کہ تم لوگ ہدایت ربانی سے محروم ہو گئے ہوں، تو آج ہم کسی رہبر و رہنما سے اور ہدایت ربانی سے محروم ہرگز نہیں ہیں۔ صحیفہ و جامعہ و کتاب جفر و مصحف فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا جو کہ مذکورہ بالا تمام کتابیں اہل بیت علیہم السلام کی ہیں۔ ان تمام کتابوں سے وقتاً فوقتاً ہم فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں اور پیغمبر اسلام ﷺ کے زمانے سے سینہ بسینہ ہم نے استفادہ کیا ہے اور مستفید و مستفیض ہوتے رہیں گے۔ جس طرح آپ لوگ

تجبدی و قادی و چشتی اور سروردی سلسلوں سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ ان طرح ہم بھی امام مہدی علیہ السلام سے مستقل طور پر استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ امام مہدی علیہ السلام اگرچہ آج ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں لیکن ہم تمام لوگ ان سے اوجھل نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے ہم لوگ نمازوں کے بعد مبارک کلمات بجل انہ فرجک ”کراے امام زمانہ! آپ کا وجود اور ظہور جلد از جلد واقع ہو“۔ مذکورہ ”وہابیہ کلمات“ کو دہراتے رہتے ہیں۔

سید امیر رضائی..... آقائی محترم!

کتابہای سابقہ تورات و زبور و انجیل و دیگر صحائف گذشتہ کہ بر رسل عظام نازل شدہ است و امم سابقہ کہ در آئنا دست تحریف زدہ بودند۔ امروز ہیچکس نمیتواند ادعا کند کہ این ہمہ کتابہای مذکورہ نزد ما صحیح و سالم است۔ اما قرآن عظیم کہ در بارہ اش خداوند متعال میفرماید۔ **إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ**۔ همانا قرآن را ما نازل کردہ ایم و لازیب ما این قرآن را ”تاقیامت“ محافظت خواہیم کرد۔ و امروز ہیچکس نمیتواند کہ در این قرآن عظیم حرفی را حذف کند، یا اضافہ کند، و همچنان اصحابہ کرام ہم نمیتوانند کہ در این قرآن کریم حرفی را مبدل سازند۔ و این شماستید کہ ہمین قرآن موجودہ صحیح و سالم تسلیم نکرده اید و نخواہید کرد۔ زیرا کہ شما ہمہ بر اصحابہ کرام ہمیشہ اتہام میسازید۔ و اما ادعای تان کہ ما ہمہ از صحیفہ و

جامعہ و کتاب جفر و مصحف فاطمہ الزہراء مشرف و فیضیاب شدہ ایم۔ و بر این ہمہ کتابہای مذکورہ اہل بیت علیہم السلام عمل میکنیم و تاقیامت ازینہا استفادہ میکنیم۔ ”ادعای تان بلا دلیل است“ این ہمہ کتابہا امروز نزد شما نیست و از جانب خداوند متعال ہم نازل شدہ است۔

پس شما چطور بر کتابہای معدومہ عمل میکنید؟ اما مثال دادن شما کہ همچنان عمل کردن ما بر سلسلہای قدسہ و قائمہ و چشتیہ و سروردیہ بسینہ بسینہ مثال شما درست نیست۔

زیرا کہ سلسلہای مذکورہ کہ برای ذکر الہ است و صوفیان کرام این ہمہ سلسلہا را اجراء کردہ اند۔ از زمان سابق تا امروز ہیچکس نگفتہ است کہ این ہمہ سلسلہا بر مسلمین لازم و ملزوم است۔ و همچنین تا امروز از صوفیان کرام کسی نگفتہ است کہ انکار کردن از این سلسلہا کفر است یا کافر خواہد شد۔ و بالعکس از این قرآن کریم انکار کردن یا عقیدہ تحریفش داشتن بالاطلاق کافر میشود۔ و کسی نگفتہ است کہ بر کتابہای صحیفہ و جامعہ و کتاب جفر و مصحف فاطمہ الزہراء ایمان آوردن لازم است۔ زیرا کہ این ہمہ کتابہای مذکورہ برای ہدایت بشری از جانب خداوند متعال بسوی مخلوقات نازل شدہ است۔ از این ہمہ کتابہا انکار کردن نزد ما و نکردن یکسان و مساویست۔

ترجمہ: ”جناب عالی! پہلی کتابیں تورات و زبور و انجیل اور دیگر صحائف گذشتہ جو کہ پر عظمت رسولوں پر نازل کر دیئے گئے ہیں اور گذشتہ امتوں نے ان کتب و صحائف میں تحریفی لحاظ سے کام لیا ہے۔ آج کوئی آدمی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ تمام ذکر شدہ کتابیں ہمارے پاس صحیح و سالم موجود ہیں۔ یہ ”ضمانت“ اور شرف صرف قرآن کریم ہی کو حاصل ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور بے شک اسی کی حفاظت ہم ”قیامت تک“ کرتے رہیں گے اور آج کوئی بھی آدمی یہ طاقت نہیں رکھتا ہے کہ اس قرآن میں کسی ایک حرف کو کم کر دے یا اضافہ کر دے اور اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی یہ طاقت نہیں رکھ سکتے تھے کہ اس قرآن کے کسی حرف کو تبدیل کر سکیں۔

لیکن آپ ”شیعہ حضرات“ ہی ہیں کہ اس موجودہ قرآن مجید کو صحیح و سالم تسلیم نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی تسلیم کریں گے۔ مگر تم لوگ ہمیشہ صحابہ کرامؓ پر تہمت لگاتے ہوں اور جو آپ کا دعویٰ ہے کہ ہم تمام لوگ صحیفہ، جامعہ، کتاب جفر اور مصحف فاطمہ الزہراءؓ سے مشرف اور فیض یافتہ ہوئے ہیں اور مذکورہ بالا کتابوں پر جواہل بیت علیہم السلام کی ہیں، عمل کر رہے ہیں اور قیامت تک ان سے استفادہ کرتے رہیں گے۔ ”آپ حضرات کا یہ“ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

کیونکہ آج کل آپ حضرات کے پاس مذکورہ بالا کتابیں موجود نہیں ہیں، تو آپ لوگ ان سب غیر موجودہ کتابوں پر عمل کس طرح کر رہے ہیں؟ باقی آپ لوگوں کی یہ مثال دینا کہ جس طرح نقشبندی و قادری و چشتی اور سہروردی سلسلوں پر سینہ بہ سینہ عمل کر رہے ہیں ”یہ مثال دینا بھی“ درست نہیں ہے، کیونکہ مذکورہ بالا سلسلے ذکر الہی کے لیے صوفیائے کرام نے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ ہم میں سے آج تک

کسی نے یہ نہیں کہا ہے کہ مذکورہ بالا سلسلے مسلمانوں پر لازم و ملزوم ہیں اور اسی طرح آج تک کسی نے بھی یہ نہیں کہا ہے کہ ان سلسلوں کے انکار کر دینے سے کوئی انسان کفر میں مبتلا ہوتا ہے یا کافر ہو جائے گا۔ مذکورہ بالا سلسلوں کے برخلاف قرآن کریم سے انکار کرنا یا اس کا تحریفی عقیدہ رکھنا مطلقاً ”بالاتفاق“ کافر ہو جاتا ہے اور یاد رہے کہ صحیفہ و جامعہ و کتاب جفر اور مصحف فاطمہ الزہراءؓ کتابوں پر ایمان لانا بھی واجب نہیں ہے، کیونکہ مذکورہ بالا کتابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل کردہ نہیں ہیں۔ ہمارے نزدیک ان تمام کتابوں سے انکار کرنا اور نہ کرنا دونوں یکساں اور برابر ہے۔

آیت اللہ نوری..... آقائے محترم!

باشما گفتمہ بودم کہ ماہمہ از امام مہدی علیہ السلام بالاستقلال استفادہ میکنیم و تاقیامت استفادہ خواہیم کرد۔ امام مہدی علیہ السلام اگرچہ امروز از چشمان ما غایب ہستند، لکن ماہمہ از ذات مقدسہ ایشان غایب نیستیم۔ و سخن دیگر اینست کہ باشما گفتمہ بودم کہ اسمائے اشارہ ذالک و ہذا و میان ایشان فرق بودن و از یک دیگر بعید تر بود نشان واضح است۔ و در این اشکال هیچ چیز نفروودہ اید کہ ذالک بمعنی آنست، و ہذا بمعنی این اسبت۔ آن، این نمیگردد۔ و این، آن نمیگردد۔ پس نزد شما و مفسرین اہل سنت شما تطبیق این دو تاجیست؟

ترجمہ: ”جناب عالی! میں نے آپ سے گفتگو کی تھی کہ ہم تمام لوگ مستقل طور

پر امام مہدی علیہ السلام سے استفادہ کرتے ہیں اور قیامت کے پناہ ہونے تک استفادہ کرتے رہیں گے۔ امام مہدی علیہ السلام اگرچہ آج ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں، لیکن ہم تمام لوگ ان کی ذات مقدسہ سے اوجھل نہیں ہیں اور دوسری بات یہ ہے جو کہ میں نے آپ سے کہا تھا کہ اسمائے اشارہ ذالک و هذا ان دونوں کے درمیان فرق عظیم اور ایک دوسرے سے دور ہونا بالکل واضح ہے تو اس اشکال کا جواب آپ نے کوئی نہیں دیا کہ ذالک کا معنی ہے، وہ اور هذا کا معنی ہے، یہ، وہ، یہ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ، وہ نہیں ہو سکتا۔ پس آپ کے اور آپ کے اہلسنت مفسرین کے نزدیک ان دونوں کی تطبیق کیا ہے؟

سید امیر رضائی..... آقا کی محترم!

دربارہ امام مہدی اعتقاد ہائیکہ داشته اید، شرعاً درست نیست۔ امام مہدی چرا از شما غایب شدہ؟ و غایب بودنش چه مصلحتی دارد؟ و غایب بودنش با امر الہی بود؟ اگر امر الہی بود پس چرا این امر در قرآن و سنت وارد نشدہ؟ اگر غائب بودنش در قرآن کریم اشارہ نشدہ، ممکنست در صحیفہ و جامعہ و کتاب جفر و مصحف فاطمہؑ اُمرش موجود میباشد؟

امام مہدی چرا برای عمر دراز و زندگی کردن در غار رفتہ است؟ آیا کسی علم دارد یا کسی گفتہ است کہ امام مہدی عمر دراز دارد؟

آیا موت و حیات در دست امام مہدی است؟ در نظر

تطبیق غایب بودن امام مہدی ایستکہ قرآن مجید ہمرایش غایب کردہ او ہم غایب شدہ۔ وہم چنین صحیفہ و جامعہ و کتاب جفر و مصحف فاطمہؑ نزد شما موجود نیست، براین وجہ امام مہدی از چشمانتان غایب شدہ؟

امام مہدی در جائے غیابتش چه میکند آیا او جہاد میکند؟ امام مہدی اگر آن جہاد میکند با کدام مردم جہاد میکند؟ کسانیکہ برضد امام مہدی قیام کردند از این شان تاہنوز کسی مقتول گشتہ؟

در نظرتان از زمان غیابتش تا این ہنگام چند نفر را کشتہ است؟

آیا امام مہدی در قتال ایشان گاہی مجروح میشود؟

اگر امام ہمان جہاد نمیکند سپس ہمان جہاد چه میکند؟

امام مہدی امروز چه وظیفہ سرانجام میدہد؟

باقی ماندن امام مہدی در غار تا این ہنگام چه فائدہ دارد؟

الآن هیچ ارتباطش با شما بودہ است و یا خواہد بود؟

اما فرمودن شما کہ امام مہدی میتواند مارا ببیند

و شمانمی توایند اورا ببینید، وہمین صفت اختصاصی برای

خداوند متعال است کہ در کتابش میفرماید۔ لا تدرك

الأبصار وهو يدرك الأبصار کہ شمانمیتوانید اورا ادراك کنید

اما اومی تواند شمارا ادراك کند۔ آیا امام مہدی موصوف

باصفات خداوند متعال متصف است؟ اگر امام مہدی

موصوف باصفات خداوند متعال متصف میباشد پس او انسان است یا جنس دیگر؟ آیا امام مهدی شما از اوصاف بشری معطل است؟ اگر امام مهدی اوصاف خداوندی دارد، پس چرا از شما غایب شده؟ هنگامیکه شما همه درنوايب و مصایب می افتید، میگوئید، یا صاحب الزمان ادر کنی، که ما را از گرداب مصایب و نوائب نجات بدهی، هنگامیکه او خود از شما غایب شده پس چطور شما را ادراک میکند؟ و کسیکه خود نمیتواند مصائب خودش را حل کند پس او چطور میتواند مشکلات شما را حل کند؟ و هرچه فرمودن شما که میان ذالك و هذا مباعدت عظیم است، و مفسرین کرام ما چرا ترجمه ذالك را هذا "هذا" میکنند؟ علتش اینست که در قرآن کریم يك لفظ تنزیل است و دیگر لفظ انزال است. و همین دو تالفظ تنزیل و انزال و معنی شان نازل بودن قرآن مجید از جانب خداوند متعال میباشد. و هنگامیکه ما اوراق لغت عربیه را با فکر و نظر می بینیم معنی انزال دیگر است و معنی تنزیل دیگر است. خداوند متعال میفرماید: **إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ** که لاریب ماقرا نرا نازل کردیم در شب قدر. **دَفْعَةً وَاحِدَةً يَكْجَا** و معنی انزال نازل بودن یکجا قرآن است. و هنگامیکه قرآن مجید از بالا تا پائین سفر خودش را آغاز کرد، خداوند متعال میفرماید، و نزلناه تنزیلاً، که لاریب

ما قرآن را تدریجاً نازل کرده ایم، درجه بدرجه ترتیب، و هنگامیکه ضرورتش می افتد، قرآن مجید تدریجاً نازل میشد. وقائع زمینی و حوادث گردش ایامی پیش می آمدند، قرآن مجید بر همان وقائع زمینی تطبیقاً ضیای خود را میدرخشانید. چنانچه قرآن مجید این سفر مبارکش را در بست و سه سالگی تمام کرد.

آقای محترم! از تفسیر بالا ابهام پیدا میشود که نازل بودن قرآن مجید یکجائی در نظر مردم، قرآن دیگر است. و قرآنیکه سفر خودش را در بست و سه سالگی تمام کرده، قرآن آن دیگر است. ما از قرآن مجید می پرسیم که آن قرآن مجید که یکجا نازل کرده شده بود کجا است؟ خداوند متعال میفرماید:

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ

"بلکه آن قرآن مجید" که نازل بودنش یکجائی بود در لوح محفوظ "محفوظ" است.

بنا برین ماهمه ذالك را "این" ترجمه میکنیم که در حقیقت آن قرآن مجید یکجائی، این است: امروزیکه در دست ما صحیح و سالم موجود است. در آن قرآن مجید یکجائی، و در این قرآن مجید هیچ شك و شبه نیست.

ما میگوئیم آن قرآن مجید که در لوح محفوظ یکجا نازل کرده است. همین قرآن است تا اینکه ابهام آن قرآن ختم

شود، وحتماً مردم بگویند کہ در آن و این قرآن مجید هیچ شک و شبہ نیست۔

ترجمہ: ”آپ لوگوں کے اعتقادات جو امام مہدی کے بارے میں محفوظ رکھتے ہیں، شرعاً درست نہیں ہیں۔ امام مہدی آپ لوگوں سے کیوں غائب ہوئے؟ اور آپ لوگوں سے امام مہدی کا غائب ہو جانا کون سی مصلحت ہے؟ کیا امام مہدی کا آپ لوگوں سے غائب ہو جانا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا؟ اگر امام مہدی کا غائب ہو جانا اللہ کے حکم سے تھا تو قرآن و سنت میں یہ حکم کیوں نہ آیا؟ اگر امام مہدی کے غائب ہو جانے کا اشارہ قرآن مجید میں نہیں ملتا تو ممکن ہے کم از کم آپ کے صحیفہ و جامعہ و کتاب جعفر و مصحف فاطمہؑ میں کوئی اشارہ موجود ہوگا؟ امام مہدی غار میں اتنی لمبی عمر گزارنے کی خاطر کیوں گئے ہیں؟ کیا کوئی آدمی یہ علم رکھتا ہے یا کسی نے یہ کہا ہے کہ امام مہدی بڑی عمر رکھتے ہیں؟ کیا امام مہدی کے ہاتھوں میں موت و حیات کا اختیار ہے؟

میرے نظریے کے مطابق امام مہدی کے غائب ہو جانے کی تطبیق یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھ قرآن لے کر سوئے غار چلے تو وہ بھی قرآن ہی کے ساتھ غائب ہوئے اور اسی طرح صحیفہ و جامعہ و کتاب جعفر و مصحف فاطمہؑ جو کہ آپ لوگوں کے پاس موجود نہیں ہیں تو امام مہدی بھی تمہاری آنکھوں ”اسی وجہ“ سے اوجھل ہو گئے ہیں؟ امام مہدی جس جگہ غائب ہوئے ہیں وہاں کیا کرتے ہیں، آیا وہ جہاد کرتے ہیں؟ جو لوگ امام مہدی کے مقابلہ میں لڑتے ہوئے قتال کرتے ہیں اب تک ان لڑنے والوں میں سے ابھی تک کوئی قتل ہوا ہے؟ آپ حضرات کے نظریے کے مطابق امام مہدی جس وقت سے غائب ہوئے ہیں اس وقت سے اب تک تخمیناً کتنے آدمی مار

دیئے ہوں گے؟ کیا امام مہدی بھی مد مقابل کی لڑائی سے کبھی مجروح ”زخمی“ ہوئے؟ اگر امام مہدی وہاں جہاد نہیں کرتے ہیں تو پھر وہاں کیا کرتے ہیں؟ آج کل امام مہدی کوئی ڈیوٹی سرانجام دے رہے ہیں؟

اس وقت تک غار میں ٹھہرنا ”اتنی بڑی مدت گزار کر زندگی گزارنے کا“ کون سا فائدہ ہے؟ ابھی تک امام مہدی کے ساتھ آپ لوگوں کا رابطہ ہے یا نہیں؟ آپ لوگوں کا یہ کہنا کہ امام مہدی ہمیں دیکھنے کی طاقت رکھتے ہیں اور آپ لوگ اسے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔ مذکورہ بالا صفت اللہ تعالیٰ کے لیے ہی خاص ہے کہ وہ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں۔

لا تدركه الأبصار وهو يدرك الأبصار۔

کہ تم لوگ اسے ادراک نہیں کر سکتے اور وہ تمہیں ادراک کر سکتے ہیں کیا آپ کے امام مہدی صفات خداوندی کے ساتھ متصف ہیں؟ اگر امام مہدی اوصاف خداوندی کے ساتھ متصف ہیں تو کیا وہ بشری تقاضوں سے مبرا ہو کر وہ انسان نہیں؟ کیا آپ کے امام مہدی اوصاف بشری سے معطل نظر آ رہے ہیں؟ اگر امام اوصاف خداوندی رکھتے ہیں تو پھر وہ غائب کیوں ہوئے؟ جس وقت آپ لوگ خود مشکلات و مصائب میں مبتلا ہو جاتے ہوں تو آپ لوگ کہتے ہیں ”یا صاحب الزمان ادرکنی“ کہ اے امام زمانہ! ہمیں مصائب کے بھنور سے نکال دیں۔ یعنی مشکلات سے ہمیں نجات دیں۔ جس وقت وہ خود تم سے غائب ہوئے تو وہ کس طرح آپ لوگوں کو مصائب سے نجات دلا سکتے ہیں؟ جو آدمی خود اپنی مشکلات حل نہیں کر سکتے ہیں تو وہ آپ لوگوں کی مشکلات کس طرح حل کر سکتے ہیں؟ اور آپ کا کہنا کہ ذالک و هذا کے درمیان بہت بڑی دوری واقع ہے، اور ہمارے مفسرین کرام ذالک کا ترجمہ هذا

”یہ“ کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں ایک لفظ تنزیل ہے اور دوسرا لفظ انزال ہے اور ان دونوں کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید کا نازل ہونا ہے۔ جس وقت ہم لغت عربیہ کے اوراق پر غور و فکر کے ساتھ نگاہ دوڑاتے ہیں، تو انزال کا معنی اور ہے اور تنزیل کا معنی اور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر کہ ہم نے بے شک قرآن کو شب قدر میں ایک ہی دفعہ نازل کیا ہے۔ انزال کا معنی ہے بیک وقت نازل ہونا قرآن کا اور جس وقت قرآن مجید نے اوپر سے نیچے کی طرف اپنا سفر شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ونزلناہ تنزیلاً۔ ہم نے قرآن کو نازل کیا درجہ بدرجہ، ترتیب کے ساتھ، جوں جوں ضرورت پڑتی گئی قرآن اترتا گیا، تدریجی طور پر زمینی واقعات اور گردش ایام کے حوادث جب بھی پیش آ جاتے، تو قرآن کریم انہیں زمینی واقعات اور ناگہانی حوادث پر تطبیقی لحاظ سے اپنی روشنی ڈالتا تھا۔ چنانچہ اس سفر کو اس نے پورے تیس سال میں پورا کیا۔

جناب عالی! اوپر کی تفسیر سے ایک ابہام پیدا ہوتا ہے کہ جو قرآن ایک ہی دفعہ نازل ہوا، لوگوں کی نظر میں ”بظاہر“ وہ قرآن مجید اور ہے اور وہ قرآن مجید جس نے اپنے سفر کو تیس سال میں پورا کیا، وہ قرآن مجید اور ہے۔ چنانچہ ہم قرآن سے پوچھنے کی جسارت کرتے ہوئے کہ حقیقت حال کا پتہ لگ جائے کہ وہ قرآن کہاں ہے؟ جو ایک ہی دفعہ نازل ہوا تھا۔

اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ”بل هو قرآن مجید فی لوح محفوظ“ بلکہ وہ قرآن مجید جو کہ ایک ہی دفعہ نازل ہوا تھا، ”لوح محفوظ میں“ محفوظ ہے۔ اس وجہ سے ہم ذالک ”وہ“ کا ترجمہ ”ہذا“ یہ کرتے ہیں کہ حقیقت میں وہ قرآن مجید، یہ ہے جو کہ ہمارے ہاتھوں میں محفوظ و موجود ہے۔ ایک ہی دفعہ نازل

ہونے والا قرآن مجید اور اس موجودہ قرآن مجید میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ قرآن مجید جو بیک وقت لوح محفوظ میں نازل ہوا ہے یہی حقیقی قرآن مجید ہے جو آج کل ہمارے ہاتھوں میں موجود اور محفوظ ہے۔ تاکہ اس ”وہ“ اور اس ”یہ“ کا اعتراض ختم ہو جائے اور یقیناً لوگ کہیں کہ وہ قرآن اور یہ قرآن دونوں ایک ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

آیت اللہ نوری..... آقا ی محترم!

اصلاً شما بحث طولانی را بجانب دیگر کشیدہ اید، مادر بارہ ائمه اطہار صلوات اللہ علیہم باشما صحبت کردہ بودیم، کہ ائمه اطہار مامنصوصین هستند و ازہر معصیت پاک و منزہ هستند۔ معصومین هستند و میامین هستند و انتخاب ایشان از جانب الہی بودہ، و دلیل عصمت و طہارت ایشان خداوند متعال در قرآن کریم در آیہ ذیل فرمودہ۔

إنما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطہرکم تطہیراً۔ ترجمہ: خدا چنین میخواہد کہ رجس ہر آلایش را از خانوادہ نبوت ببرد و شمارا ازہر عیب پاک و منزہ گرداند۔

آقای محترم! آیہ ذیل موافق اخبار شیعہ و اہل سنت راجع بشخص پیغمبر و علی و فاطمہ و حسنین علیہم السلام است، و اگر راجع بہ زنان پیغمبر بود بایستی ضمیر مؤنث ذکر شود و بہ سیاق جمل صدر آیہ باشد۔

ترجمہ: جناب محترم! آپ نے لمبی چوڑی بحث چھیڑ کر مقررہ عنوان کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔ میں نے تو آپ سے ائمہ اطہار صلوٰۃ اللہ علیہم کے بارے میں گفتگو کی تھی کہ ہمارے ائمہ کرام، اللہ تعالیٰ کے حکم سے منتخب شدہ منصوبی ہیں اور ہر قسم کے گناہ سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب ہونے اور عصمت و طہارت ہونے کی دلیل نص الہی اور قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت ہے۔

إِنَّمَا يَرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَ كُم تَطْهِيرًا.

ترجمہ: ”اے خاندان نبوت! اللہ تعالیٰ تم سے ہر قسم کی پلیدی دور کر دے اور تمہیں ہر عیب سے پاک و صاف کر دے۔“

مندرجہ ذیل آیت شیعہ و سنی دونوں کی روایات کے مطابق، پیغمبر اسلام ﷺ، حضرت علیؓ، سیدہ فاطمہؓ اور حضرات حسینؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جس طرح کہ آپ لوگ مدعی ہیں کہ مندرجہ ذیل آیت کریمہ پیغمبر اسلام کی بیویوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ کو چاہیے کہ وہ مؤنث کی ضمیریں لے آتا، جس طرح سیاق و سباق سے قبل آیات میں مؤنث کی ضمیریں آئی ہیں۔

سید امیر رضائی..... آقا محترم!

شما از بحث قرآنی کہ مدلول و مضمون بر خلافت و امامت ابوبکر و عمر و عثمانؓ بودہ، چرا ترک گفتہ اید؟ و اہمیت و مشاورت قرآنی کہ دربارہ انتخاب امامت و خلافت ایشان ذکر گردیدہ، چرا از این بحث احتراز فرمودہ

اید؟ آیا شما از دلیل خلافت و امامت قرآنی کہ باہمی مشاورت گرفتن ایشان بودہ، با قلب صمیمانہ مطمئن و قانع گردیدہ اید؟

آقای محترم! آیہ مذکورہ کہ راجع بہ ازواج مطہرات است یا انحصار دربار خمسہ، این بحث را ان شاء اللہ ادامہ بالاستقلال خواہیم داد، فعلاً ادعای شما دربارہ ائمہ شما کہ طاہرین و معصومین ہستند و معاً دلیل عصمت ایشان ہم ذکر فرمودہ اید،

إِنَّمَا يَرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَ كُم تَطْهِيرًا۔ ہنگامیکہ خداوند متعال از ائمہ شمار جس بردہ، آیا شما میتوانید نشان بدہید کہ در آئمہ شما کدام رجس بود؟ کہ خداوند متعال ان ائمہ شما آن رجس را زائل فرمودہ۔ لامحالہ رجس بود۔ پس ائمہ شما چطور طاہرین و معصومین گردیدہ اند؟ زیرا کہ خداوند متعال لفظ رجس را دربارہ ائمہ شما استعمال فرمودہ۔ و حتماً شما با مردم شیعہ میگوئید کہ در ائمہ ما رجس نبود۔ از شما کسی بپرسد کہ در ائمہ شما کدام رجس بود؟ حتماً ہمہ شما اورا کافر و ملحد و زندیق خواہید گفت اگرچہ او وابستگی با شیعہ ہم داشتہ باشد۔

آقای محترم! ناراحت نشوید شما کلمات جارحہ را استعمال فرمودہ اید، اگر یک کم و بیش خداوند متعال دربارہ ائمہ شما لفظ

رجس استعمال فرمودہ است۔ امیدوارم شما ناراحت نمی شوید۔ ترجمہ: ”ابوبکر و عمر و عثمان رضوان اللہ علیہم کی خلافت و امامت کو جو قرآنی آیتوں سے مدلول و مشمول بحث تھی، آپ کیوں چھوڑ چکے ہیں؟ اور قرآنی مشورے کی اہمیت جو کہ قرآن مجید میں وارد ہوئی ہے کہ خلافت و امامت کا مسئلہ باہمی مشورہ کرنے سے طے ہوگا کیا آپ لوگ مذکورہ بالا آیات سے قرآنی امامت جو مشورے کے ساتھ منتخب ہوتی ہے خلوص نیت کے ساتھ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مطمئن اور قناعت پذیر ہو چکے ہیں؟“

جناب محترم! مذکورہ بالا آیت تطہیر، ازواج مطہرات سے تعلق رکھتی ہے یا پانچ افراد کے بارے میں منحصر ہے۔ اس بحث کو مستقل طور پر جاری و ساری رکھوں گا، مگر فی الحال جو آپ کا دعویٰ ہے کہ ہمارے ائمہ کرام ”بارہ امام“ طاہرین اور معصومین ہیں، اور آپ نے دلیل طہارت و عصمت کا بھی ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا۔

کیا آپ یہ بتلانے اور نشان دہی کرنے کی زحمت فرمائیں گے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے ائمہ کرام سے پلیدی دور کردی وہ پلیدی کونسی تھی؟ اگر آپ کے ائمہ کرام میں پلیدی تھی تو وہ تمام کے تمام معصومین اور منصومین کیسے ٹھہریں؟ لازمی طور پر آپ شیعہ عوام سے کہیں گے کہ ہمارے ائمہ کرام میں کوئی پلیدی نہ تھی! تو پھر اللہ تعالیٰ نے کیوں آپ کے ائمہ کرام کے بارے لفظ رجس کو استعمال فرمایا ہے؟ یہیں سے آپ لوگوں کے عقیدے ”خلافت و امامت“ کا بطلان واقع ہوتا ہے کہ آپ کے ائمہ کرام منصومین اور معصومین نہیں ہیں۔“

اگر آپ سے یہ پوچھنے کی کوئی جسارت کرے بھی کہ آپ کے ائمہ کرام میں پلیدی تھی؟ تو آپ لوگ اسے فوراً کافر و ملحد اور زندیق ٹھہرائیں گے اگرچہ بذات خود شیعہ ”سوال کرنے والا“ کیوں نہ ہو! جناب محترم! ناراض نہ ہو آپ نے کچھ جارحانہ کلام کرنے کا انداز اختیار فرمایا ہے تو تھوڑا بہت اللہ تعالیٰ نے بھی ”الفاظ جارحانہ“ آپ کے ائمہ کرام کے بارے میں لفظ رجس استعمال فرمایا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ ناراضگی محسوس نہیں فرمائیں گے۔

قارئین کرام! جوں ہی میں آخری کلمہ زبان سے نکال رہا تھا، آیت اللہ نوری صاحب کے چہرے کا رنگ دگرگوں ہو گیا تھا اور ساتھ ہی یہ کہتے ہوئے انٹرنیٹ کے سکرین سے مرجھائے ہوئے چہرے کے ساتھ غائب ہوئے۔ کما غاب امام مہم۔

آیت اللہ نوری

آقای محترم! اصلاً برای بحث کردن با شما بالاستقلال آمادہ نبودیم بعدا بزودی لقايت خواہد شد۔

ترجمہ: ”در حقیقت آپ سے بحث مباحثہ کرنے کی خاطر مستقل طور پر ہم تیار نہیں تھے۔“

”یعنی آپ سے بحث کرنے کے لیے میں نے کوئی تیاری نہیں کی تھی۔“

بعد میں آپ سے بہت جلد ملاقات ہو جائے گی۔

بعد میں ایک چھوٹے آیت اللہ نے شرمندگی چھپانے کی خاطر سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے مجھے یوں فرمایا:

آقای محترم! چنانچہ شمارا معلوم است کہ خداوند

متعال برائمه کرام صلوات اللہ علیہم ما لفظ رجس را استعمال فرموده است، از لفظ رجس، مراد رجس نیست، بلکہ در مرویات اہل بیت صلوات اللہ علیہم معنی رجس شک وارد شدہ است، ممکن است شما تفسیر اہل بیت صلوات اللہ علیہم تفسیر نور الثقلین را خواندہ اید۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قول اللہ عزوجل: إنما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البيت ویطہرکم تطہیراً: قال: الرجس هو الشک: [تفسیر نور الثقلین، ج ۶، ص ۴۶]۔

ترجمہ: ”جناب محترم! آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ائمہ کرام صلوات اللہ علیہم پر جو لفظ رجس کا اطلاق فرمایا ہے۔ اس سے مراد رجس ”پلیدی“ نہیں ہے۔ بلکہ اہل بیت صلوات اللہ علیہم کی پاکیزہ روایات میں لفظ رجس، شک کے معنی میں وارد ہوا ہے اور ممکن ہے کہ آپ نے آیت تطہیر کے بارے میں تفسیر نور الثقلین پڑھی ہوگی جو کہ اہل بیت صلوات اللہ علیہم کی تفسیر ہے جس میں رجس کا معنی شک کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت صلوات اللہ علیہم سے شک کو دور کر دیا ہے۔

سید امیر رضائی..... آقائے محترم!

آیت اللہ خردک۔

باسخ شما از دو سبب برخام خیالی مشتمل است۔

یکی از اینکه شک درائمه شما بوده۔

اگر درائمه شماشکی بود۔

این شک در بارہ خداوند متعال بود؟

یا در بارہ رسول اللہ بود؟

یا در بارہ قرآن مجید بود؟

یا در بارہ اسلام بود؟

سبب دوم اینستکہ در قرآن مجید لفظ رجس آمدہ است وبعد از این قرینہ اش موجود است، ویطہرکم تطہیراً، است هیچ کس نمیتواند کہ در معنی اش تغییر کند معنی اش اینستکہ شمارا از ہر عیب پاک و منزہ گرداند۔

اولاً لفظ رجس موجود است وبعداً لفظ تطہیر است۔ اگر کسی بگوید نور است، پس در ذہن ما بزودی می آید کہ در مقابلش ہم ظلمت ”تاریکی“ وجود دارد، و همچنین روز و شب، علم و جہل، بحر و بر و امثال آن:

ترجمہ: ”محترم چھوٹے آیت اللہ! آپ کا جواب دو سبب سے خام خیالی پر مبنی ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ اگر آپ کے ائمہ کرام میں شک ”اہل بیت“ کی روایات کی روشنی میں جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے۔“ تھا تو شک جو انہیں لاحق تھا۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں تھا؟

یا رسول اللہ کے بارے میں تھا؟

یا قرآن مجید کے بارے میں تھا؟

یا اسلام کے بارے میں تھا؟

”شک پھر بھی عیب ہی تو ہے۔“

دوسرا سبب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو لفظ جس آیا ہے تو اس کے ساتھ دلالت معنوی کا قرینہ بھی وجود رکھتا ہے۔ و بطہر کم تطہیراً کہ ”اے اہل بیت“ تمہیں اس طرح پاک کر دیں، جس طرح پاک کرنے کا حق ہوتا ہے۔ کوئی آدمی یہ جرأت ہی نہیں کر سکتا کہ اس کے معنی میں تبدیلی کرے، کیونکہ اس کی تبدیلی نہ کرنے پر اس کا قرینہ موجود ہے۔ پہلا لفظ جس ہے اس کے بعد لفظ تطہیر آ ہے۔ اگر کوئی آدمی کسی سے یہ کہہ دے کہ نور ”روشنی“ ہے تو ہمارے ذہن میں فوراً ایک دوسرا نام ابھرتا ہے جس کا نام تاریکی ہے اور اسی طرح کوئی آدمی دن کا نام لیتا ہے تو دوسرے آدمی کے ذہن میں فوری طور پر رات کا مفہوم سا جاتا ہے۔ آپ کسی کو صفت علم ”اے عالم“ سے یاد کرے تو اسی وقت ہمارے ذہن میں صفت جہل ”اے جاہل“ کا نقشہ چھا جاتا ہے۔ آپ بحر، دریا کی بات کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں بر یعنی خشکی کا مفہوم جگ پالتا ہے۔ اور اسی طرح دیگر مثالیں.....

آیت اللہ خردک..... آقا کی محترم!

ادعای شما این چنین ہم داشته اید کہ در این آیہ مذکورہ زنان پیغمبر علیہ السلام ہم محسوب خواهند شد، پس شما درباره ایشان چه میگوئید کہ زنان پیغمبر علیہ السلام ہم در لفظ رجس مدخولات هستند!

ترجمہ: ”چھوٹے آیت اللہ نے فرمایا: جناب محترم! آپ لوگ بھی تو دعویٰ کرتے آئے ہیں کہ اس آیت تطہیر میں پیغمبر اسلام ﷺ کی بیویاں شامل ہیں۔ یعنی آیت تطہیر کی مصداق پیغمبر اسلام ﷺ کی بیویاں ہیں۔ تو پیغمبر اسلام ﷺ کی بیویوں پر لفظ رجس کا اطلاق وارد ہو کر آپ لوگ کس طرح دفاع کرتے ہیں؟

سید امیر رضامتی..... آقا کی خردک!

ما از ازواج مطہرات پیغمبر اسلام و دفاع از ایشان بخوشد لانه خواهیم کرد۔ اصلاً شما نمیتوانید کہ دفاع از ائمہ کرام تان خواهید کرد۔ ازواج مطہرات اصلاً در عصر جاہلیہ بودند، ہنگامیکہ پیغمبر اسلام اعلان رسالت و اظہار نبوت فرمودند، ایشان تدریجاً اسلام آوردن گرفتند، و لامحالہ آلائشہای سابقہ ”کہ داشتہ اند“ معدوم گردیدہ کہ پیغمبر اسلام فرمودہ اند۔ الإسلام یہدم ماکان قبلہ، یعنی ہمہ ازواج مطہرات پاک گردیدند۔ ترجمہ: ”محترم چھوٹے آیت اللہ! ہم پیغمبر اسلام ﷺ کی بیویوں کا دفاع کرنا دلجمعی کے ساتھ ”ہر وقت“ کر سکتے ہیں لیکن آپ لوگ اپنے ائمہ کرام سے دفاع ”کسی وقت بھی“ نہیں کر سکتے ہیں۔

ازواج مطہرات در حقیقت جاہلیت کے زمانہ میں موجود تھیں جب کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اعلان رسالت اور اظہار نبوت فرمایا تو تدریجی طور پر وقتاً فوقتاً وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتیں اور تمام گزشتہ رجس کے آثار ختم ہو جاتے، کہ پیغمبر اسلام ﷺ فرماتے ہیں۔ الاسلام یہدم ماکان قبلہ۔ اسلام میں داخل ہونے سے پہلے تمام ماقبل نجاستیں ختم ہو جاتی ہیں۔ جوں جوں ازواج مطہرات اسلام لے آتیں، ازواج مطہرات پاک ہو جاتیں۔ پس تمام ازواج مطہرات پاک ہو گئیں اور ازواج مطہرات ہی اسی آیت تطہیر کی مصداق ہیں۔

قارئین کرام! آیت اللہ نوری اور چھوٹے آیت اللہ دونوں نے آیت تطہیر سے من مانی تفسیر و تشریح سے، بارہ اماموں کی خلافت و امامت ثابت کرنے کی انتھک

اہل بیتؑ کون ہیں؟ اور حجیت اہل بیتؑ کی حیثیت کیا ہے؟

①..... اہل بیتؑ کون ہیں؟

علامہ ابن منظور افریقی لغوی اعتبار سے آل اور اہل کی تطبیق کرتے ہوئے
یوں فرماتے ہیں:

وآل اللہ ورسولہ أولیاءہ أصلہا اہل ، ثم أبدلت الہاء
ہمزة ، فصارت فی التقدير أ آل ، فلما توالى الهمز تان
أبدلت الثانية ألفا:

[لسان العرب، ج ۱۱، ص ۲۸-۲۹، ۳۰- طبع بیروت۔]

”آل اللہ ورسولہ“ کا مطلب ”اللہ اور اس کے رسول کے دوست“ لفظ ”آل“
در اصل ”اہل“ تھا۔ ہاء کو ہمزہ سے بدل دیا تو اہل بن گیا۔ دو ہمزے جمع ہو گئے
۔ دوسرے ہمزے کو الف سے بدل دیا تو آل بن گیا۔ علامہ زبیری تاج العروس میں
فرماتے ہیں.....

وإن اہل کل نبی امتہ و اہل ملتہ ومنہ قولہ تعالیٰ: وکان
یأمر اہلہ بالصلوۃ والزکوۃ۔

”بے شک ہر نبی کے اہل اس کی امت اور اس کی ملت کے لوگ ہوتے
ہیں اور آیت کریمہ بھی مذکورہ مفہوم پر دلالت کرتی نظر آ رہی ہے کہ وہ
اپنے اہل کو نماز اور زکوٰۃ کے ساتھ حکم دیتے رہے۔

کوششیں کر ڈالیں لیکن مذکورہ آیت تطہیر، بارہ اماموں کے حق میں ثابت کرنے سے
عاجز اور قاصر رہے اور جیسا کہ قارئین کرام کے ”دونوں کی گفتگو“ سامنے نقشہ موجود
ہے کہ بارہ اماموں کی عصمت و طہارت بھی اسی آیت تطہیر سے ثابت کرتے رہے
ہیں، مگر ناکام و نامراد رہے۔

قارئین کرام کے سامنے آیت تطہیر کی تشریح اور اس کی تفسیر قرآن و سنت کی
روشنی میں حل کرنا ضروری سمجھتا ہوں.....



مذکورہ بالا آیت کریمہ سے مراد گھر کے وہ افراد ہیں جو نبی کی بیٹیاں، بیویاں اور اولاد اور پوتے ہوتے ہیں۔ صاحب قاموس فرماتے ہیں.....
 اهل الامر ولاته، وللیت سکانه، وللمذهب من یدین به،
 وللرجل زوجته کاهلته، وللنبی أزواجه وبناته، وصهره علی
 أنساءه، وللرجال الذین هم آله ولکل نبی أمته۔

[قاموس، ج ۳، ص ۴۳۲]

”کہ اگر لفظ ”اہل“ کو کسی کی طرف منسوب کیا جائے اور کہا جائے ”اہل گھر“ تو اس کا معنی ہوگا، کام کرنے والے“ ”اہل کار“ اسی طرح ”اہل بیت“ کا معنی ہوگا۔ اگر ”اہل“ کی نسبت کسی مرد کی طرف کی جائے تو اس کا مطلب ”اس کی بیوی“ ہوگا۔ نبی کریم ﷺ کی طرف اگر اس لفظ کو منسوب کیا جائے تو اس کا مطلب ہوگا، آپ ﷺ کی بیویاں، بیٹیاں، داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ، ان کی بیویاں، اور وہ سب لوگ جو ان کی اولاد میں سے ہیں۔ کسی نبی کے ساتھ لفظ ”اہل“ لگایا جائے تو اس سے اس نبی کی امت مراد لی جائے گی۔“

زبیدی نے اپنی کتاب تاج العروس میں یہ بھی لکھا ہے کہ تمام مفسرین کرام نے نبی کریم ﷺ کی بیوی مراد لی ہے فرمایا ”وسار باہله، ای زوجته وأهله“ اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل کو لے کر چلے، یعنی اپنی بیوی کو لے کر چلے۔

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

اهل الرجل من یجمعه وإیاهم نسب أو دین أو یجری
 محراما من صناعة وبيت وبلد، فأهل الرجل فی الاصل من

یجمعه وإیاهم مسکن واحد ثم تجوز به فقیل اهل بیت
 الرجل لمن یجمعه وإیاهم النسب، وتعرف فی أسرة
 النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مطلقاً إذا قیل: اهل البیت
 لقوله عزوجل: إنما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل
 البیت“ وعبر اهل الرجل بامرأته وأهل الاسلام الذین
 یجمعهم، وتأهل اذا تزوج، ومنه قیل آهلك الله فی الجنة
 ای زوجک فیها۔

[المفردات فی غرائب القرآن، ص ۲۸]

ترجمہ: ”کسی آدمی کے اہل وہ جملہ افراد ہوتے ہیں جو نسب، دین، پیشہ یا گھرانے کے اعتبار سے ایک ہوں، یا ایک ہی شہر کے رہنے والے ہوں، دراصل آدمی کے وہ افراد ہوتے ہیں جو ایک ہی جگہ رہتے ہیں لیکن پھر یہ لفظ ایک نسب سے متعلق سب افراد پر بولا جانے لگا۔ نبی کریم ﷺ کے پورے خاندان کے بارے میں مطلقاً یہ لفظ بولا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اهل البیت کا لفظ استعمال کیا ہے۔

”إنما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت“

اور ”اهل الاسلام“ سے تمام مسلمان مراد ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:
 ”تأهل“ کا مطلب ”شادی کرنا“ ”اهل الرجل“ کا مطلب ”فلاں آدمی کی بیوی“ اور اسی سے یہ دعا بھی دی جاتی ہے۔ ”آهلك الله فی الجنة“ یعنی ”اللہ تمہاری شادی جنت میں کرے“ ایک اور مقام پر امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:
 ألال مقلوب من الأهل ویستعمل فی من یختص بالانسان

اختصاصاً ذاتياً، إما بقراءة قریبة أو موالاة قال عز وجل: وآل
إبراهیم وآل عمران: وقال: ادخلوا آل فرعون أشد العذاب:
قيل: وآل النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام أقاربه، وقيل:
المختصون به من حبث العلم، وذلك أن أهل الدین ضربان،
ضرب مختص بالعلم المتقن، والعمل المحکم، فيقال لهم:
آل النبی وأمتہ، وضرب يختصون بالعلم علی سبیل التقليد،
ويقال لهم: أمة محمد، ولا يقال لهم آله فكل آل للنبی أمتہ
له، وليست كل أمة آل له، وقيل لجعفر الصادق رضی اللہ
عنه: الناس يقولون المسلمون كلهم آل النبی علیہ الصلوٰۃ
والسلام؟ قال كذبوا وصدقوا فقیل له: مامعنی ذلك؟ فقال:
كنبوا أن الأمة كافتهم آله، وصدقوا فی أنهم إذا قاموا
بشرائط شریعتہ آله۔

[المفردات فی غرائب القرآن، ص ۳۴، ص ۴۰]

ترجمہ: ”آل، اہل سے بنا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں اس لفظ کو وہاں
استعمال کیا جاتا ہے جہاں کوئی چیز کسی انسان کی ذات کے ساتھ خاص
ہو، یا کسی شخص کے قریبی عزیز داروں یا اس کے پیروکاروں پر بولا جاتا
ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وآل ابراہیم وآل عمران۔“ ایک
جگہ ارشاد ہے: ”ادخلوا آل فرعون أشد العذاب۔“ یہ بھی کہا
گیا ہے۔ ”آل النبی“ صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد آپ ﷺ کے عزیز و
اقارب ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جنہوں

نے براہ راست آپ ﷺ سے علم حاصل کیا ہے، اس لیے کہ اہل دین دو
طرح کے لوگ ہیں، ایک وہ جن کا علم و یقین پختہ اور عمل صحیح ہے اور
لوگوں کو نبی ﷺ کی آل اور امت کہا جاتا ہے۔ دوسرے وہ جو نہ سنا کر
یقین لائے اور ان کو امت محمد ﷺ کہا جاتا ہے، آل نہیں کہا جاتا۔ تو ہر
آل کو امت کہا جاسکتا ہے لیکن ہر امت آل نہیں ہو سکتی۔ کہتے ہیں،
جناب جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ لوگ کہتے ہیں، سب کے سب
مسلمان نبی ﷺ کی آل ہیں تو انہوں نے کہا یہ جھوٹ بھی ہے اور سچ
بھی۔ ان سے ان کی وضاحت پوچھی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ
بات جھوٹ کہتے ہیں کہ پوری کی پوری امت آپ ﷺ کی آل ہے
اور یہ اس وقت سچ بھی ہے جب وہ شریعت کے شرائط و احکامات
پر پورے اتریں۔“

وقال محمد جواد مغنیه، الشيعي: أهل البيت في اللغة
سكانه، وآل الرجل أهله، ولا يستعمل لفظ ”آل“ إلا في أهل
رجل له مكانة، وقد جاء ذكر أهل البيت في آيتين من
القرآن، الأولى الآية - الآية ۷۳ سورة هود ”رحمة الله
وبركاته عليكم أهل البيت“ والثانية الآية ۳۳ من سورة
الأحزاب: إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت
ويطهركم تطهيراً: واتفق المفسرون أن المراد بالآية الأولى
أهل بيت ابراهيم الخليل، وبالآية الثانية أهل بيت محمد بن
عبدالله، وتبعاً للقرآن استعمل المسلمون لفظ أهل البيت

وَالْبَيْتُ فِي أَهْلِ بَيْتِ مُحَمَّدٍ خَاصَّةً، وَاشْتَهَرَ هَذَا اللَّفْظُ حَتَّى صَارَ عَلَمًا لَهُمْ، بِحَيْثُ لَا يَفْهَمُ مِنْهُ غَيْرُهُمْ إِلَّا بِقَرِينَةٍ، كَمَا اشْتَهَرَ الْمَدِينَةُ بِشَرْبِ مَدِينَةِ الرَّسُولِ - اِخْتَلَفَ الْمُسْلِمُونَ فِي عِدَدِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ، فَمَنْ قَائِلٌ أَنَّهُنَّ ثَمَانِي عَشْرُ إِمْرَأَةٍ، وَمِنْهُمْ مَنْ قَالَ: أَنَّهُنَّ إِحْدَى عَشْرَةَ، وَعَلَى أَى الْأَحْوَالِ فَقَدْ أَقَامَ مَعَ النِّسَاءِ سَبْعًا وَثَلَاثِينَ سَنَةً، رَزَقَ خِلَالَهَا بَنِينَ وَبَنَاتٍ، مَاتُوا كُلُّهُمْ فِي حَيَاتِهِ وَلَمْ يَبْقَ مِنْهُمْ سِوَى ابْنَتِهِ فَاطِمَةَ وَقَدْ انْفَقَتْ كَلِمَةُ الْمُسْلِمِينَ عَلَى أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَفَاطِمَةَ، وَالْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ مِنْ آلِ الْبَيْتِ فِي الصَّمِيمِ:

[الشَّيْبَعَةُ فِي الْمِيزَانِ، ص ٤٤٧]

ترجمہ: شیعہ مصنف محمد جواد مغنیہ کہتا ہے: لغت میں اہل البیت، گھر کے رہنے والوں کو کہا جاتا ہے اور کسی آدمی کے آل، اس کے اہل ہی کو کہا جاتا ہے۔ البتہ آل کا لفظ کسی صاحب حیثیت آدمی کی اولاد پر بولا جاتا ہے۔ قرآن پاک کی دو آیات میں اہل البیت کا لفظ آیا ہے۔ سورہ ہود کی آیت ۷۳، جس میں ارشاد ہے: "رَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ أَهْلُ الْبَيْتِ" اور دوسری جگہ سورہ احزاب کی آیت ۳۳ میں، جہاں فرمایا: إِنَّمَا يَرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَ كُفْرًا نَسْطَهِّرًا۔ تمام مفسرین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ پہلی آیت میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے اہل بیت اور دوسری آیت میں حضرت محمد

بن عبد اللہ ﷺ کے اہل بیت مراد ہیں۔

چونکہ قرآن نے اس لفظ کو حضور ﷺ کے اہل بیت کے لیے استعمال کیا ہے۔ اس لیے مسلمان بھی آل بیت اور اہل بیت کا لفظ حضرت محمد ﷺ کے اہل بیت کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اب یہ لفظ اتنا معروف ہو چکا ہے کہ گویا حضور ﷺ کے اہل خانہ کا نام بن گیا ہے۔ اگر کوئی خاص قرینہ نہ ہو تو اہل بیت کے لفظ سے حضور ﷺ ہی کے اہل بیت سمجھے جاتے ہیں۔ جیسے کہ مدینہ (جس کے معنی شہر کے ہیں) اتنا معروف ہو چکا ہے کہ جب بھی بولا جاتا ہے تو اس سے حضور ﷺ کا وہ شہر "مدینہ" ہی سمجھا جاتا ہے جس کا پرانا نام یثرب ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کی تعداد کے بارے میں مسلمانوں کا اختلاف ہے۔ بعض ان کی تعداد اٹھارہ بتاتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی بیویوں کی تعداد گیارہ ہے۔ بہر صورت نبی کریم ﷺ نے سینتیس برس بیویوں کے ساتھ گزارے۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بیٹے اور بیٹیاں دیں۔ لیکن سب آپ ﷺ کی بیٹی سیدہ فاطمہؓ کے سوا، آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی انتقال کر گئے۔

تمام مسلمانوں کے درمیان اس بات پر اتفاق ہے کہ علی بن ابی طالب فاطمہؓ اور حسنؓ و حسینؓ اصل آل بیت ہیں۔

قارئین کرام! ان تمام حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل البیت کا لفظ اصل میں صرف بیویوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پھر تجاوزاً اس لفظ کو اولاد اور عزیز و اقارب کے لیے بھی استعمال کیا جانے لگا۔ قرآن پاک سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے قصہ میں اللہ کے فرشتے آپ ﷺ کے پاس بیٹے کی بشارت لے کر آئے، یہ لفظ آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَمْرَاتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكْتُ فَلَبَسْتُهَا بِاسْحَقٍ وَمِنْ وَرَاءِ
إِسْحَقٍ يَعْقُوبُ ۝ قَالَتْ بَوَيْلَتِي ۚ أَلَدْتُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَذَا بَعْلِي
فَنِيخَا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ۝ قَالُوا اتَّعَجِبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ
رَحِمْتُ اللَّهَ وَبَرَكَتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ۝

[ہود: ۷۱ تا ۷۳]

ترجمہ: ”ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کھڑی تھی، پس وہ ہنس پڑی اور ہم نے
اسے اسحاق کی خوشخبری دی اور اسحق کے بعد یعقوب کی۔ وہ ہائے ہائے
کرنے لگی کہ جنوں گی، حالانکہ میں بانجھ ہوں اور یہ میرا خاوند بوڑھا
ہے، بے شک یہ عجیب امر ہے۔ فرشتوں نے کہا، تو خدا کی قدرت سے
تعجب کرتی ہے۔ اے ابراہیم کے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی
برکتیں ہیں۔ بے شک وہ تعریفوں والا اور بزرگی والا ہے۔“

شیعہ حضرات کے تمام مفسرین کرام نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ مذکورہ بالا
آیت کریمہ میں اہل البیت سے مراد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی بیوی ہے۔ باقی
آیت اللہ نوری صاحب نے اعتراض کیا ہے کہ اگر پیغمبر اسلام ﷺ کی بیویاں
آیت تطہیر سے مراد ہوتیں تو مؤنث کے صیغے اور ضمیریں ہوتے، لیکن یہاں مذکر کے
صیغے اور ضمیریں، عنکم، ويطهرکم، لا کر مذکورہ بالا آیت کریمہ ”آیت تطہیر“
نے یہ ثابت کر دیا کہ اہل بیت سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ اور حضرات
حسنین رضی اللہ عنہم اور باقی ماندہ نو امام ہیں۔

الجواب الصواب بعون اللہ الوہاب

یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ازواج مطہرات تو مستقل آیت تطہیر

میں داخل ہیں، یا آیت تطہیر انہیں ازواج مطہرات کے حق میں ہی نازل
ہوئی ہے یعنی آیت تطہیر کی مصداق صرف اور صرف ازواج مطہرات ہی
ہیں۔ ازواج مطہرات کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ نے علی المرتضیٰ، فاطمہ
الزہراء اور حضرات حسنین کو ایک چادر میں لپیٹ کر یہ دعا فرمائی:

اللهم هؤلاء اهل بيتي فطهرهم۔

”یا اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں پس ان کو پاک فرما۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کی دعا قبول فرما کر انہیں بھی اہل بیت
میں شامل فرمالیا۔ بصورت دیگر، اگر آیت تطہیر ان چاروں کے حق میں نازل ہوتی، تو
رسول اللہ ﷺ کو ان کے لیے دعا مانگنے کی حاجت نہ ہوتی اور اس دوران جب ام
سلمہ زوجہ رسول اللہ ﷺ نے چادر میں داخل ہونے کی درخواست کی تو جناب محمد
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

انت علی خیر۔

خیر اسم تفضیل کا صیغہ ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ تو بہت اچھے حال پر ہے۔ یعنی
تمہارے حق میں تو یہ آیت تطہیر نازل ہوئی ہے، اب میں ان کو شامل کرتا ہوں جو
پہلے شامل نہ تھے کیونکہ اگر شامل ہوتے تو دعا کی ضرورت ہی نہ تھی۔ گویا ازواج
مطہرات قرآن کریم کی پاکیزہ زبان سے اہل بیت ہیں اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ،
سیدہ فاطمہ الزہراء اور حضرات حسنین کریمین، رسول اللہ ﷺ کی پاکیزہ زبان
نبوت سے اہل بیت ہیں۔ باقی صیغوں اور ضما کی بات تو آیت تطہیر کا سیاق و سباق
حضور اکرم ﷺ کے خطاب سے گھرا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انما یرید
اللہ لیلہب عنکم الرجس اہل البیت ويطهرکم تطہیرا بھی ازواج مطہرات

کے لیے نازل ہوئی ہے۔

دیکھیے ضائر مؤنث.....

قُرْنٌ. بَيُّوتُكُنَّ. تَبْرَجُنَّ. اَقِمْنَ. اَطِئْنَ. وَاذْكُرْنَ.
بَيُّوتُكُنَّ.

یہ سب آگے پیچھے والے جمع مؤنث کے صیغے اور ضمائر ہیں اور درمیان میں ذکر تطہیر ہے جن میں تمام تر مخاطب ازواج مطہرات ہیں اور درمیان میں ذکر تطہیر ہے جن میں تمام تر مخاطب ازواج مطہرات ہیں تو تطہیر کو ازواج مطہرات سے کاٹ کر دوسری طرف لے جانا ظلم اور تحریف قرآن ہے۔ باقی عنکم اور ویطہرکم میں ضمیر کم کا لانا ایسا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی بیوی کے لیے قرآن مجید میں اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت میں علیکم ہے اسی طرح قرآن مجید میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی زوجہ محترمہ کو فرماتے ہیں۔

اذ قال موسیٰ لاهلہ انی آنست ناراً سائتکم منها بخبر

او اتیکم بشہاب قبس لعلکم تصطلون۔ [سورہ نمل]

ترجمہ: اس آیت کریمہ میں بھی مؤنث سے خطاب ہے مگر ضمیر مؤنث کی بجائے ”جمع مذکر“ استعمال ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ صحیح حدیث میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے ازواج مطہرات پر ”اہل البیت“ کے لفظ کا اطلاق فرمایا ہے۔

واقعہ صادقہ اس طرح ہے کہ ”نبی کریم ﷺ نے حضرت زینب بن جحش سے نکاح اور شادی کی۔ اس موقع پر دعوت ولیمہ ہوئی اور جب دعوت ولیمہ سے فارغ ہوئے تو آنحضرت ﷺ حضرت زینب کے پاس تشریف لے گئے پھر اس کے بعد

حضرت زینب کے گھر سے باہر تشریف لائے اور حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرہ کے پاس تشریف لے جا کر فرمایا:

”السلام علیکم اہل البیت“ فقالت وعلیک ورحمة اللہ

کیف وجدت اہلک بارک اللہ لک۔

یعنی اے اہل بیت تم پر سلام ہو..... الخ۔

اس کلام میں آنجناب ﷺ نے اپنے گھر والوں کے لیے اہل البیت کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں اور ”اہل البیت“ کے الفاظ کا اطلاق گھر والوں پر کیا ہے۔

[بخاری، ج ۲، ص ۷۰۷]

اسی طرح مسلم شریف میں بھی روایت ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے ازواج مطہرات کے حق میں مندرجہ ذیل الفاظ میں ضمیر جمع مذکر استعمال فرمائی:

”فقال ہو علیہا صدقۃ ولکم ہدیۃ فکلوہ۔“

یعنی فرمایا کہ وہ چیز (بریرہ) پر صدقہ ہے اور تمہارے لیے ہدیہ ہے پس تم

اس کو کھا سکتے ہو۔“

اسی طرح ایک دفعہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس

تشریف لائے (کھانے کی کسی چیز کے متعلق) دریافت فرمایا:

هل عندکم شیء؟ قالت لا إلا ان نسیبۃ بعثت إلینا۔ الخ

یعنی تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ تو [حضرت عائشہ

صدقہ] نے عرض کیا اور تو کوئی چیز نہیں مگر نسیبہ نے جو کچھ بھیجا ہے

وہ موجود ہے۔ [مسلم شریف، ج ۱، ص ۳۳۵]

شیعہ حضرات کے علماء نے بھی جمع مؤنث سے خطاب کے لیے جمع مذکر کی ضمیر کا استعمال ذکر کیا ہے۔
 ”امالی الشیخ الطوسی میں“ حضرت فاطمہ الزہراءؑ اور حضرت علی المرتضیٰؑ کی شادی کے موقع پر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے ازواج مطہراتؑ کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ.....

ہیثوا لابنتی وابن عمی..... الخ۔
 یعنی اے بیویو! میری بیٹی ”سیدہ فاطمہؑ“ اور میرے چچا کے بیٹے کے لیے زفاف کی تیاری کرو۔“ [امالی الشیخ الطوسی، ص ۴۰]
 یہاں بھی مؤنث کے موقع پر جمع مذکر کی ضمیر استعمال کی گئی ہے۔

آیت تطہیر و حدیث کساء میں اہل سنت کا موقف اس مقام میں ہمارے علمائے اہل سنت یہ فرماتے ہیں کہ.....
 آیت تطہیر [اپنے سیاق و سباق کے اعتبار سے] ازواج مطہراتؑ کے حق میں ہے اور اس آیت کا بالاصل مصداق ازواج مطہراتؑ ہیں۔

پھر جب اس کا نزول ہو چکا اور یہ شرف ازواج مقدسہ کے لیے ثابت ہو گیا، جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے ان چار حضرات [حضرت فاطمہؑ، حضرت علیؑ اور حضرات حسنینؑ] کو اس شرف میں دعا کے ذریعے شامل فرمایا ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ کو علامہ قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں عبارت ذیل ذکر فرمایا ہے۔

”فہذہ دعویٰ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم لہم بعد نزول الآیۃ، أحب أن یدخلہم فی الآیۃ التی خوطب بہا، الأزواج۔“
 [تفسیر القرطبی، ج ۱۴، ص ۱۸۳، ۲۸۴]

مطلب یہ ہے کہ نزول آیت ”تطہیر“ کے بعد ان چاروں حضرات کے حق میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہ دعا ہے اور آپ ﷺ پسند فرما رہے ہیں کہ جس آیت میں ازواج مطہراتؑ کو خطاب فرمایا گیا ہے اس میں ان کو شامل کریں۔

اسی طرح شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں:
 أم سلمہؓ گفت کہ مرا نیز شریک بکن فرمود کہ أنت علی خیر أو أنت علی مکانک۔“ دلیل صریح است بر آنکہ نزول آیت در حق ازواج بود و آنحضرتؐ این چہار کس را نیز بہ دعائے خود دریں وعدہ داخل ساخت۔ واگر نزول آیت در حق اینہا بود حاجت بدعا چہ بود؟ و آنحضرتؐ چرا تحصیل حاصل می فرمود؟ ولہذا ام سلمہؓ را دریں دعا شریک نہ کرد کہ در حق او این دعا را تحصیل حاصل دانست۔

[تحفہ اثنا عشریہ طبع جدید، لاہور، ص ۲۰۳]

”یعنی ام المؤمنین ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ مجھے بھی آپ ﷺ اس میں شریک کریں تو جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو تو پہلے خیر پر ہے یا تو اپنے مقام و مرتبے پر ہے۔“ یعنی تجھے اس کی حاجت نہیں۔
 یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ آیت تطہیر کا نزول ازواج مطہراتؑ کے حق میں تھا۔ اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے ان چہار افراد کو اپنی دعا کے ذریعے اس وعدہ میں شامل فرمایا:

آیت کا نزول ان چار نفوس کے حق میں تھا، تو ان کے لیے دعا کی کیا حاجت تھی؟ اور آنحضرت ﷺ نے تحصیل حاصل کیوں فرمائی؟ اور اسی وجہ سے ام سلمہؓ کو اس دعا میں شامل نہیں فرمایا تھا کہ یہ دعا اس کے حق میں تحصیل حاصل سمجھی۔“

شیعہ حضرات کے علماء اس آیت تطہیر کا مصداق صرف چار افراد تصور کرتے ہیں۔ آیت تطہیر کا مصداق یہ چاروں نفوس [حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنینؓ] ہیں۔

اور اس آیت کے ذریعے ان کی تطہیر ثابت ہے۔

یعنی یہ چاروں معصوم عن الخطاء ہیں۔

ان سے خطاء صادر نہیں ہوتی۔ مذکورہ بالا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

①..... پہلی بات یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں ان چاروں نفوس کا کوئی ذکر موجود ہی نہیں اور نہ ہی سیاق و سباق سے ان کا ذکر جاری ہے۔

بلکہ اس کے برعکس اس رکوع کی تمام آیات ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ جس طرح کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

②..... دوسری بات یہ ہے کہ آیت بالا کے الفاظ [لیذهب عنکم الرجس اهل البيت ويطهرکم تطهیرا] سے ان حضرات کا معصوم عن الخطاء ہونا مراد لیا جائے تو اس نوع کے الفاظ دیگر حضرات [مثلاً وہ صحابہ کرام جو جنگ بدر میں حاضر تھے] کے حق میں وارد ہوئے ہیں۔ مثلاً.....

وینزل علیکم من السماء ماء لیطهرکم ویذهب عنکم رجس

الشیطان. [سورة الانفال]

”یعنی اُتارتا ہے تم پر آسمان سے پانی تاکہ تم کو اس سے پاک کر دے اور لے جائے تم سے شیطان کی پلیدی۔“ دوسری آیت:

ولکن یرید لیطهرکم ولینم نعمته علیکم لعلکم تشکرون.

[سورة المائدہ]

”یعنی اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ تم کو پاک کر دے اور اپنی نعمت تم پر تمام کرے تاکہ تم شکر گزار ہو۔“

اگر یہ کلمات معصومیت پر دلالت کریں اور عصمت کے لیے مفید ہوں تو جن اصحاب النبی ﷺ کو ان آیات میں خطاب کیا گیا ہے ان کی عصمت اور معصومیت بھی ثابت ہونی چاہیے۔ حالانکہ ان اصحاب کے حق میں علوم مراتب کے باوجود کوئی بھی سنی یا شیعہ معصومیت کا عقیدہ نہیں رکھتا۔ اس مفہوم کو شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے تحفہ اثنا عشریہ میں آیت تطہیر کی بحث کے آخر میں بالفاظ ذیل درج فرمایا ہے۔

اگر این کلمہ عصمت می شد بایستی کہ همه صحابہ علی الخصوص حاضران جنگ بدر قاطبہ معصوم می شد زیرا کہ در حق ایشان بتفریق فرمودہ اند۔ قوله تعالیٰ - ولکن یرید لیطهرکم ولینم نعمته علیکم لعلکم تشکرون [قوله تعالیٰ، لیطهرکم به ویذهب عنکم رجس الشیطان - تحفہ اثنا عشریہ، طبع جدید، لاہور تحت بحث آیت تطہیر، ص ۲۰۴]

”مختصر یہ کہ آیت تطہیر میں نبی کریم ﷺ کے اہل خانہ کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے خطاؤں کے دور کرنے اور لغزشوں سے معافی دینے اور پاک کرنے کا ارادہ تشریحی رکھتے ہیں، جیسا کہ دیگر احکام شرعی میں ارادہ تشریحی مراد ہوتا ہے۔ مثلاً.....

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔
 بنا بریں یہاں سے عقیدہ عصمت کا مستنبط کرنا درست نہیں، یہ عقیدہ نہ ازواج مطہرات کے حق میں اور نہ ہی اولاد نبی ﷺ کے حق میں صحیح ہے۔“
 جیسا کہ تمام خاص و عام کو معلوم ہوا کہ آیت تطہیر، سورہ احزاب سے تعلق رکھتی ہے اور آیت تطہیر، ازواج مطہرات کے حق ہی میں نازل ہوئی ہے۔

اس کے علاوہ شیعہ حضرات کے جید علماء اگرچہ دے لفظوں میں اقرار کرتے آئے ہیں اور قرآنی قرائن بھی ازواج مطہرات کے حق میں دلالت کرتے نظر آتے ہیں۔

مگر شیعہ حضرات کے پانچویں امام محمد باقر رحمہ اللہ سے صراحۃً یہ روایت منقول ہے۔

من کان کثیرا القراءۃ لسورۃ الأحزاب کان یوم القیامۃ فی

جوار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وازواجہ:

فرمایا: جو آدمی سورہ احزاب کی تلاوت کثرت کے ساتھ کرتا رہتا ہے تو

اس آدمی کی رفاقت ”جنت میں“ محمد ﷺ اور ازواج مطہرات کے جواب

رحمت میں ہوگی۔ [تفسیر نور العین ج ۶، ص ۵، طبع بیروت، لبنان]

شیعہ حضرات کو اب بھی یقین نہیں آ رہا کہ ازواج مطہرات کا کتنا بلند و بالا مقام

ہے۔ لیکن امام محمد باقر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ازواج مطہرات کا ذکر خیر جس طرح سورہ احزاب میں مذکور ہے تو اسی طرح سورہ احزاب کی تلاوت کرنے والے افراد بھی محمد ﷺ اور ازواج مطہرات کے قرب و جوار ”جنت میں“ ساتھ ہوں گے۔ جو لوگ محمد ﷺ و آل محمد ﷺ اہل بیت محمد ﷺ ”ازواج مطہرات“ کو آخرت میں علیحدہ نہیں کر سکتے ہیں تو وہ دنیا میں کس طرح ”محمد ﷺ و ازواج مطہرات“ کو علیحدہ کر سکتے ہیں؟

ایں سعادت بزور بازو نیست
 تانہ بخشند خدائے بخشندہ



قارئین کرام! سید توقیر عباس نقوی صاحب کا خط آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ کائنات کے تمام شیعہ حضرات دیدارِ الہی کے منکر ہیں۔ ان لوگوں کا پختہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ اس دنیا میں ہو سکتا ہے اور نہ ہی آخرت میں ہو سکتا ہے۔ شیعہ علماء ہمیشہ اہل سنت والجماعت سے وابستہ افراد کو اس وجہ سے مطعون ٹھہراتے ہیں کہ یہ لوگ دیدارِ الہی کے قائل ہیں۔ اور اپنی مجالس میں کہتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک و مذہب قرآنی عقائد سے ٹکراتا ہے اور ہمارا ”شیعہ“ مذہب اس وجہ سے حق و حقیقت پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اور ملاقات دنیا اور آخرت دونوں میں محال اور ناممکن ہے۔ ہمارے گزشتہ محققین عظام اور علمائے کرام نے عدم دیدارِ الہی کے جواب میں آج تک کوئی دلائل نہیں دیئے اور نہ ہی کبھی اس طرف توجہ مبذول فرمائی ہے۔ البتہ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں تھوڑی سی جھلکی دکھائی ہے۔ لکھتے ہیں کہ آخرت میں مومن لوگ اللہ تعالیٰ کو بے جہت و بے کیف اور بے شبہ و بے مثال جنت میں دیکھیں گے۔

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس سے اہل سنت والجماعت کے سوا تمام اہل ملت غیر اہل ملت فرقے منکر اور بے جہت اور بے کیف دیدار کو جائز نہیں سمجھتے، حتیٰ کہ شیخ محی الدین ابن عربی بھی دیدارِ آخرت کو تجلی صوری کی حالت میں بیان کرتا ہے اور تجلی صوری کے سوا تجویز نہیں کرتا..... پوشیدہ نہ رہے کہ دیدارِ آخرت کو تجلی صوری کی طرح بیان کرنا درحقیقت دیدار سے انکار کرنا ہے۔ کیونکہ تجلی صوری اگرچہ دنیا کی صوری تجلیات سے جدا ہے۔

حق تعالیٰ کا دیدار نہیں ہے۔

②..... جوابِ مکتوب

سید توقیر عباس نقوی صاحب

وَأَذْرَاكَ وَضَرْبٍ مِّن مِّثَالٍ
سُورَةُ الْكَافِرِينَ بِغَيْرِ كَيْفٍ

بے کف و بے جہت بے شبہ و بے مثال۔ مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد
رشدیؒ کی کتاب امام ربانی، ج: ۱، ص: ۶۲۳-۶۲۴

احمدیاس اثبات دیدار الہی پر قرآن و سنت کی روشنی میں کچھ معروضات
پیش کرتے ہیں ان دلائل کو نقل کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔
تاکہ اثبات دیدار اور عدم دیدار الہی کے دلائل دونوں طرف کے قارئین کے
سامنے ہوں۔

اس سلسلہ میں جب میں نے شیعہ حضرات کی تمام کتابوں کی چھان بین کر لی
تو مجھے کوئی ایسی کتاب نظر نہیں آئی جس نے اس مسئلہ پر نصف النہار کی طرح
روشنی ڈالی ہو۔ البتہ متاخرین علماء میں سے شیعہ حضرات کے مایہ ناز آیت اللہ
عابد ملت فقہ جعفریہ مفتی جعفر حسین صاحب نے صحیفہ سجادہ میں قدرے روشنی ڈالی
ہے۔ مفتی جعفر حسین صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دوسری صفت یہ ہے کہ
وہ آنکھوں سے دکھائی نہیں دے سکتا۔

کیونکہ کسی چیز کے دکھائی دینے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی طرف میں واقع
ہو۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی طرف میں واقع ہوگا تو دوسری طرفیں اس سے خالی ماننا
پڑیں گی۔ اور ایسا عقیدہ کیونکر تسلیم کیا جاسکتا ہے جس کے نتیجہ میں بعض جہات کو اس
سے خالی ماننا پڑے۔ اور دوسرے یہ کہ اگر وہ کسی طرف میں واقع ہوگا تو اس طرف کا
محتاج ہوگا۔ اور چونکہ وہ خالق اطراف ہے اس لیے کسی طرف کا محتاج نہیں ہو سکتا

ورنہ اس کا خالق نہ رہے گا۔ اور تیسرے یہ کہ جہت میں وہی چیز واقع ہو سکتی ہے
جس پر حرکت و سکون طاری ہو سکتا ہے، اور حرکت و سکون چونکہ ممکن کی صفات ہیں
اس لیے اللہ کے لیے انہیں تجویز نہیں کیا جاسکتا۔ اور جب وہ حرکت و سکون سے
بری اور عرض و جوہر جسمانی کی سطح سے برتر ہے تو اس کے دکھائی دینے کا سوال ہی
پیدا نہیں ہوتا۔

مگر اس کے باوجود ایک جماعت اس کی رویت کی قائل ہے۔ یہ جماعت تین
مختلف قسم کے عقائد کے لوگوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے کچھ کا عقیدہ یہ ہے کہ اس
کی رویت صرف آخرت میں ہوگی۔ دنیا میں رہتے ہوئے اُسے دیکھا نہیں جاسکتا۔
اور کچھ افراد کا نظریہ یہ ہے کہ وہ آخرت کی طرح دنیا میں بھی نظر آ سکتا ہے اگرچہ ایسا
کبھی نہیں ہوا۔

اور کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جس طرح آخرت میں اس کی رویت ہوگی، اسی
طرح دنیا میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ پہلے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ رویت کے قرآن
و حدیث میں صراحت ذکر ہے جس کے بعد انکار کا کوئی عمل باقی نہیں رہتا۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجُودَ يَوْمَئِذٍ نَّاصِرَةٌ ۝ اِلٰی رٰہِیَا نَاطِرَةٌ .

”اس دن بہت سے چہرے تروتازہ اور شاداب اور اپنے پروردگار کی
طرف مگران ہوں گے۔“

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ قیامت میں نظر آئے گا۔ اور دنیا میں اس لیے نظر
نہیں آ سکتا کہ یہاں ہمارے ادراکات و قوی کمزور ہیں جو عقلی الہی کی تاب نہیں
رکھتے۔ اور آخرت میں ہماری حس و شعور کی قوتیں تیز ہو جائیں گی، ارشاد الہی ہے:

لکشفنا عنک غطائك فبصرک الیوم حدید

”ہم نے تمہارے سامنے سے پردے ہٹا دیئے اب تمہاری آنکھیں تیز ہو گئیں۔“

لہذا وہاں پر رویت سے کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا۔ دوسرے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر دنیا میں اس کی رویت ممکن نہ ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اُرنسی انظر الیک (اے پروردگار! مجھے اپنی جھلک دکھاتا کہ میں تجھے دیکھوں۔) کہہ کر انہونی اور ناممکن بات کی خواہش نہ کرتے، اور اللہ نے بھی اسے استقرار جبل پر موقوف کر کے امکان رویت کی طرف اشارہ کر دیا۔ اسی طرح اگر رویت ممکن نہ ہوتی تو اسے پہاڑ کے ٹھہراؤ کہ ایک امر ممکن ہے موقوف نہ کرتا۔

چنانچہ ارشادِ الہی ہے:

ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترانی .

”اس پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر یہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہے تو پھر مجھے بھی دیکھ لو گے۔“

اور اگر اس سلسلہ میں لن ترانی (تم مجھے قطعاً نہیں دیکھ سکتے) فرمایا تو اس سے صرف دنیا میں وقوع رویت کی نفی مراد ہے نہ امکان رویت کی، اور نہ اس سے رویت آخرت کی نفی مقصود ہے۔ کیونکہ جب یہ کہا جائے کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا، تو عرف میں اس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ دنیا میں ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ یہ مقصد نہیں ہوتا کہ آخرت میں بھی ایسا نہیں ہوگا۔ چنانچہ قرآن مجید میں یہود کے متعلق ارشاد ہے کہ لن یتمنوه (وہ موت کی کبھی تمنا نہیں کریں گے) تو یہ تمنا کی نفی دنیا کے لیے ہے کہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے موت کے خواہشمند کبھی نہیں ہوں گے اور آخرت میں تو

وہ عذابِ جہنم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے بہر حال موت کی تمنا و آرزو کریں گے۔

تو جس طرح یہاں پر نفی کا تعلق صرف دنیا سے ہے اسی طرح وہاں بھی نفی کا تعلق صرف دنیا سے ہے نہ آخرت سے۔

تیسرے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ جب بیان سابق سے دنیا میں اس کی رویت کا امکان ثابت ہو گیا تو اس کے وقوع کے لیے حسن بصری اور احمد بن حنبل وغیرہ کا یہ قول کافی ہے کہ پیغمبر ﷺ نے لیلۃ الاسراء میں اسے دیکھا۔ جب ان دلائل کا جائزہ لیا جاتا ہے تو وہ انتہائی کمزور اور اثباتِ مدعا سے قاصر نظر آتے ہیں۔

چنانچہ پہلے گروہ کا یہ دعویٰ کہ قرآن و حدیث میں رویت کے شواہد بکثرت ہیں ایک غلط اور بے بنیاد دعویٰ ہے اور قرآن و حدیث سے قطعاً اس کا اثبات نہیں ہوتا بلکہ قرآن کے واضح تصریحات اس کے خلاف ہیں اور قرآنی تصریحات کے خلاف اگر کوئی حدیث ہوگی بھی تو وہ موضوع و مطروع قرار پائے گی۔ چنانچہ قرآن مجید نفی رویت کے سلسلہ میں ارشادِ الہی ہے کہ

لا تدركه الأبصار وهو يدرك الأبصار وهو اللطيف الخبير .

”اور وہ ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز سے آگاہ اور باخبر ہے۔“

اور جس آیت کو اثباتِ رویت کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے اس میں لفظ ناظرۃ سے رویت پر استدلال صحیح نہیں ہے۔

کیونکہ اہل لغت نے نظر کے معنی انتظار، غور و فکر، مہلت، شفقت اور عبرت اندوزی کے بھی کیے ہیں اور جب ایک لفظ میں اور معنی کا بھی احتمال ہو تو اسے دلیل بنا کر پیش نہیں کیا جاسکتا۔

چنانچہ کچھ مفسرین نے اس مقام پر نظر کے معنی انتظار کے لیے ہیں اور اس کے معنی کے لحاظ سے آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس دن اللہ کی نعمتوں کے منتظر ہوں گے اور اس معنی کی شاہد یہ آیت ہے فناظرۃ بم یرجع المرسلون (وہ منتظر تھے کہ قاصد کیا جواب لے کر پلٹتے ہیں) اور کچھ مفسرین نے نظر کے معنی دیکھنے کے لیے ہیں اور اس صورت میں لفظ ثواب کو یہاں محذوف مانا ہے اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے پروردگار کے ثواب کی جانب نگراں ہوں گے۔

جس طرح ارشاد الہی و جاء ربک (تمہارا پروردگار آیا) میں لفظ امر محذوف مانا گیا ہے اور معنی یہ کیے گئے ہیں کہ تمہارے پروردگار کا حکم آیا۔ اور پھر یہ کہاں ضروری ہے کہ جہاں نظر صادق آئے وہاں رویت بھی صادق آئے۔ چنانچہ عرب کا مقولہ ہے کہ نظرت الی الهلال فلم ارہ (میں نے چاند کی طرف نظر کی مگر دیکھ نہ سکا) یہاں نظر ثابت ہے مگر رویت ثابت نہیں ہے۔ اب رہا یہ کہ وہ دنیا میں اس لیے نظر نہیں آ سکتا کہ یہاں انسانی ادراکات و قوئیں ضعیف ہیں اور آخرت میں بہ ادراکات فوی ہو جائیں گے۔ تو دنیا و آخرت کی تفریق اس بنا پر صحیح ہو سکتی ہے اگر اس کی ذات دکھائی دیئے جانے کے قابل ہو اور ہماری نگاہیں اپنے عجز و قصور کی بنا پر قاصر رہیں۔ لیکن اس کی ذات کا تقاضا ہی یہ ہے کہ وہ دکھائی نہ دے تو محل و مقام کے بدلنے سے ناقابل رویت ذات، قابل رویت ذات نہیں قرار پا سکتی۔

اور اس سلسلہ میں جو آیت پیش کی گئی ہے اس میں تو یہ نہیں ہے کہ ادراکات و حواس کے تیز ہو جانے سے خدا کو بھی دیکھا جاسکے گا بلکہ آیت کے معنی تو یہ ہیں کہ اس دن پردے ہٹا دیئے جائیں گے اور آنکھیں تیز ہو جائیں گی۔

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہاں پر تمام شبہات مٹ جائیں گے اور آنکھوں

پر پڑے ہوئے غفلت کے پردے اٹھ جائیں گے، یہ معنی نہیں کہ وہ اللہ کو بھی دیکھنے لگیں گے۔ اور اگر ایسا ہی ہے تو یہ غفلت کے پردے تو کافروں کی آنکھوں سے اٹھیں گے لہذا انہی کو نظر آنا چاہیے۔

دوسرے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رویت باری کی خواہش اس لیے نہیں کی تھی کہ وہ اس کی رویت کو ممکن سمجھتے تھے اور انہیں اس کے ناقابل رویت ہونے کا علم نہ تھا۔ یقیناً وہ جانتے تھے کہ وہ ادراک حواس و مشاہدہ بصری سے بلند تر ہے تو اس سوال کی نوبت اس لیے آئی کہ بنی اسرائیل نے کہا کہ

یا موسیٰ لن نؤمن لک حتی نری اللہ جہرۃ

”اے موسیٰ علیہ السلام! ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک خدا کو ظاہر بظاہر نہ دیکھ لیں گے۔“

تو موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ ان پر ان کی بے راہروی ثابت کر دیں اور یہ واضح کر دیں کہ وہ کوئی دکھائی دینے والی چیز نہیں ہے۔ اس لیے اللہ کے سامنے ان کا سوال پیش کیا تا کہ وہ اپنے سوال کا نتیجہ دیکھ لیں۔ اور اس غلط خیال سے باز آجائیں۔ چنانچہ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ

فقد سئالوا موسیٰ اکبر من ذلک فقالوا ارننا اللہ جہرۃ

”یہ لوگ تو موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑا سوال کر چکے ہیں اور وہ یہ کہ

موسیٰ سے کہنے لگے کہ ہمیں خدا کو ظاہر بظاہر دکھا دیجیے۔“

جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کے کہنے پر سوال کیا تو اس موقع پر قدرت کا یہ ارشاد کہ ”تم اس پہاڑ کی طرف دیکھ اگر یہ اپنی جگہ پر برقرار رہے تو مجھے دیکھ لو گے۔“ امکان رویت کا پتہ نہیں دیتا۔ اس لیے کہ موقوف علیہ صرف پہاڑ کا ٹھہراؤ نہیں تھا کیونکہ وہ تو

اس وقت بھی ٹھہرا ہوا تھا جب رویت کو اس پر معلق کیا جا رہا تھا بلکہ تجلی کے وقت اس کا ٹھہراؤ مقصود تھا۔

اور جب تک اس موقع کے لیے اس کے ٹھہراؤ کا امکان ثابت نہ ہو اس ٹھہراؤ کو امکان رویت کی دلیل نہیں قرار دیا جاسکتا۔ حالانکہ اس موقع پر تو یہ ہوا کہ جعلہ دکا وخر موسیٰ صعقا (تجلی نے اس پہاڑ کو چکنا چور کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے) اور بنی اسرائیل پر ان کے بے محل سوال کی وجہ سے بجلی گری۔ جیسا کہ ارشاد الہی ہے:

فاخذتهم الصاعقة بظلمهم .

”ان کی شرپسندی کی وجہ سے بجلی نے انہیں جکڑ لیا۔“

اگر خداوند عالم کی رویت ممکن ہوتی تو ایک ممکن الوقوع چیز سے ایمان کو وابستہ کرنا ایسا جرم نہ تھا کہ انہیں صاعقہ کے عذاب میں جکڑ لیا جائے اور ان کی خواہش کو ظلم سے تعبیر کیا جائے۔

آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی تو اپنے اطمینان کو مردوں کو زندہ کرنے سے وابستہ کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ رب ارنی کیف تحی الموتی (اے پروردگار! مجھے دکھا کہ تو کیونکر مردوں کو زندہ کرتا ہے) اس کے جواب میں قدرت نے فرمایا: اولم تؤمن (کیا تم ایمان نہیں لائے) ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا بلی ولکن لیطمئن قلبی (ہاں ایمان تو لایا! لیکن چاہتا ہوں کہ دل مطمئن ہو جائے) اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اطمینان کو مردوں کے زندہ ہونے سے وابستہ کر سکتے ہیں تو ان لوگوں نے اگر اپنے ایمان کو رویت باری پر معلق کیا تو جرم ہی کونسا کیا جس پر انہیں لرزہ بر اندام کر دینے والی سزا دی جائے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ سزا اس بنا پر نہ تھی کہ انہوں نے رویت باری کا مطالبہ کیا تھا، ان کی سابقہ ضد، ہٹ دھرمی اور کٹ جتنی کے پیش نظر تھی، مگر یہ دیکھتے ہوئے کہ وہ مطالبہ تو وہ کریں جو کیا جاسکتا ہے اور ممکن الوقوع ہے اور اس ذریعہ سے اپنے ایمان کی تکمیل چاہیں مگر ان کی کسی سابقہ ضد اور سرکشی کو سامنے رکھتے ہوئے انہیں ایسی سزا دی جائے جو انہیں نیست و نابود کر دے۔

عقل میں آنے والی بات نہیں ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ رویت کے سلسلہ میں ان کی ضد پر انہیں سزا دی گئی تھی تو اس میں ضد کی کیا بات تھی اگر انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے قول کو مشاہدہ کے مطابق کر کے دیکھنا چاہا، اور اگر مردوں کو زندہ کرنے کی طرح ممکن تھی تو اس میں مضائقہ ہی کیا تھا کہ ان کی خواہش کو پورا کر دیا جاتا۔ اور جس طرح ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں پر مردوں کو زندہ کر کے ان کی خلش کو ہٹا دیا تھا، اسی طرح یہاں بھی رویت سے ان کے ایمان کی صورت پیدا کر دی ہوتی۔ اور اگر مصلحت اس کی مقتضی نہ تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ انہیں سمجھا دیا جاتا کہ دنیا میں نہ سہی آخرت میں اُسے دیکھ لینا۔

مگر ان کا مطالبہ پورا کرنے کے بجائے انہیں موردِ عتاب ٹھہرایا جاتا ہے اور ان کی خواہش کو ظلم اور حد شکنی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور آخر انہیں خرمن ہستی کو جلانے والی بجلیوں میں جکڑ لیا جاتا ہے۔ یہ صرف اس لیے کہ انہوں نے ایسی خواہش کا اظہار کیا جس سے خدا کے دامن تنزیہ پر دھبہ آتا تھا، اور یہ ایک ایسی انہونی چیز کا مطالبہ تھا جس پر انہیں سزا دینا ضروری سمجھا گیا تا کہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو، اور بنی اسرائیل کے انجام کو دیکھ کر رویت باری کا تصور نہ کریں۔ چنانچہ اللہ سبحانہ نے اپنی رویت کو پہاڑ پر معلق کرنے سے پہلے واضح الفاظ میں فرمایا کہ لن ترانی (اے

موسیٰ علیہ السلام! تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے) نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ کیونکہ لفظ نفی تابید کے لیے آتا ہے اور اس نفی تابید کو دوام عرفی پر محمول کرنا غلط ہے۔ یہ دوام عرفی وہاں پر تو صحیح ہو سکتا ہے جہاں متکلم و مخاطب دونوں فانی اور معرض زوال میں ہوں اور جہاں متکلم ابدی سرمدی اور دائمی ہو وہاں نفی کے حدود بھی وہاں تک پھیلے ہوئے ہوں گے۔ جہاں تک اس ذات سرمدی کا دامن بقا پھیلا ہوا ہے۔ اور چونکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا ہے اس لیے اس کی طرف سے جو نفی تابید وارد ہوگی وہ دنیا کی مدت بقا میں محدود نہیں کی جاسکتی اور جس آیت کی نفی کو دوام عرفی کے معنی میں پیش کیا گیا ہے اس سے استشہاد اس بنا پر صحیح نہیں کہ وہ ان لوگوں کے متعلق ہے جو فانی اور محدود ہیں۔

لہذا اس مقام کی نفی کا اس مقام کی نفی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر آیت لسن بتمنوه (وہ موت کی ہرگز تمنا نہیں کریں گے) میں بھی تابید حقیقی کے معنی مراد لیے جائیں تو لئے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ آخرت میں وہ تمنا کریں گے تو وہ درحقیقت موت کی تمنا نہ ہوگی بلکہ اصل تمنا عذاب سے نجات حاصل کرنے کی ہوگی جسے طلب موت کے پردے میں طلب کریں گے۔ اور یہ موت کی طلب نہ ہوگی بلکہ راحت و آسائش اور عذاب سے چھٹکارے کی طلب ہوگی۔ اور جب کہ عذاب کے بجائے انہیں راحت و سکون نصیب ہو تو وہ یقیناً زندگی کے خواہاں ہوں گے۔

اور پھر جب اصل معنی تابید حقیقی کے ہیں تو اس سے تابید عرفی مراد لینے کے لیے کسی قرینہ کی ضرورت ہے اور یہاں کوئی قرینہ و دلیل موجود نہیں ہے کہ حقیقی معنی سے عدول کرنا صحیح ہو سکے۔ تیسرے گروہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اگر کچھ صحابہ و تابعین کا قول یہ ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے لیلۃ الاسراء میں اپنے رب کو دیکھا تو

صحابہ و تابعین کی ایک جماعت اس کی بھی تو قائل ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ چنانچہ حضرت عائشہ اور صحابہ کی ایک بڑی جماعت کا یہی مسلک ہے۔ لہذا چند افراد کی ذاتی رائے کو کیسے سمجھا جاسکتا ہے جبکہ اس کے مقابلہ میں ویسے ہی افراد اس کے خلاف نظریہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ عائشہ کا قول ہے۔

من حدثك ان محمدا راى ربه فقد كذب وهو يقول لا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار وهو اللطيف الخبير .

(صحیح بخاری، ج: ۴، ص: ۱۶۸)

”جو شخص تم سے یہ بیان کرے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے جھوٹ کہا اور اللہ کا ارشاد تو یہ ہے کہ اسے نگاہیں دیکھ نہیں سکتیں البتہ وہ نگاہوں کو دیکھ رہا ہے اور وہ ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز سے آگاہ اور خبردار ہے۔“ تیسری صفت یہ ہے کہ عقول انسانی اس کے اوصاف کی نقاب کشائی سے قاصر ہیں کیونکہ زبان انہی معانی و مفاہیم کی ترجمانی کر سکتی ہے جو عقل و فہم میں سما سکتے ہیں۔

اور جن کے سمجھنے سے عقلیں عاجز ہوں وہ الفاظ کی صورت میں زبان سے ادا بھی نہیں ہو سکتے۔ اور خدا کے اوصاف کا ادراک اس لیے ناممکن ہے کہ اس کی ذات کا ادراک ناممکن ہے اور جب تک اس کی ذات کا ادراک نہ ہو، اس کے نفس الامری اوصاف کو بھی نہیں سمجھا جاسکتا۔ اور ذات کا ادراک اس لیے نہیں ہو سکتا کہ انسانی ادراکات محدود ہونے کی وجہ سے غیر محدود کا ذات احاطہ نہیں کر سکتے۔

لہذا اس سلسلہ میں جتنا بھی غور و خوض کیا جائے اس کی ذات اور اس کے نفس الامری اوصاف عقل و فہم کے ادراک سے بالاتر ہی رہیں گے۔

(صحیفہ سجاد یہ امامیہ، پبلیکیشنز حیدر روڈ اسلام پورہ لاہور۔ ص: ۱۰۸-۱۱۲)

قارئین کرام! آپ حضرات نے قاعدت فقہ جعفریہ آیت اللہ مفتی جعفر حسین صاحب کی فلسفیانہ موشگافیوں سے بھری ہوئی رنگین گفتگو ملاحظہ فرمائی۔ مفتی جعفر حسین صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ وہ آنکھوں سے دکھائی نہیں دے سکتا۔ کیونکہ کسی چیز کے دکھائی دینے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی طرف میں واقع ہو اور جب اللہ کسی طرف واقع ہوگا تو دوسری طرفیں اس سے خالی ماننا پڑیں گی۔

(صحیفہ سجادہ، ص: ۱۰۸)

فلسفی لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جسم و مرکب، عرض و جوہر، حرکت و سکون، تحیز و جہت اور سمت و طرف کی بات کی ہے، حالانکہ اس قسم کی باتیں عہد رسول اللہ اور صحابہ کرام و تابعین عظام کے دور حیات میں موجود نہیں تھیں، اور اس کے علاوہ قرآن و سنت بھی اس قسم کے اشارات و کنایات سے خالی نظر آ رہے ہیں۔ اسلام صاف سحر اور ایک پاکیزہ مذہب ہے۔

اسلام میں سب سے پہلے فرقہ معزلہ، شیعہ، کلابیہ، ہشامیہ، نجاریہ اور ضارہ یہ فرقوں نے یہ فلسفی اصطلاحات ایجاد کی ہیں۔ شیعہ حضرات اکثر و بیشتر اہل سنت والجماعت پر الزام لگاتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت سے وابستہ افراد اللہ تعالیٰ کو جسم و جسمانیات سے پاک و منزہ نہیں مانتے ہیں اور ہمیں فرقہ جسمیہ کے نام سے متعارف کرایا ہے اور خود اپنے گھر کے عقائد باطلہ سے آگاہ ہی نہیں ہیں۔ کوئی علامہ مفتی جعفر حسین صاحب سے پوچھ لے کہ آپ ہی نے ”لا تدرك“ (لا ابصار و هو يدرك الابصار) کا ترجمہ جو کیا ہے کہ (آنکھیں اُسے نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھ رہا ہے) جب اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ کیسے دیکھ رہا ہے؟ اللہ کے دیکھنے میں طرف، جہت اور سمت کی بات ضرور ہوگی۔

آپ کے عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ آنکھوں کو دیکھ رہا ہے گو اللہ تعالیٰ کا دیکھنا ثابت ہوا، تو اللہ کس چیز سے دیکھ رہا ہے؟ آنکھوں کے ذریعہ دیکھ رہا ہے یا بغیر آنکھوں کے؟ اگر آپ کہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے آنکھوں کے ذریعہ سے تو آپ خود اللہ کے بارے میں جسم و جسمانیات کے مرکب ہوئے ہیں۔ اور اگر آپ کہیں کہ اللہ تو دیکھ رہا ہے مگر اللہ کی آنکھیں نہیں ہیں، وہ بن آنکھیں دیکھ رہا ہے تو اللہ کے دیکھنے کی کیفیت کیا ہے؟ چلو دیکھنے کی کیفیت ہی بتا دیں؟ فیصلہ آپ خود ہی فرمائیں۔

باقی اہلسنت والجماعت کا عقیدہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہی ہے جو عقیدہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ البتہ اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی پاکیزہ تعلیمات ”جو قرآن و سنت کے مطابق ہیں“ سے شیعہ حضرات ہی انحراف کر لیں تو اس میں اہل سنت والجماعت کا کیا قصور ہے؟ مفتی جعفر حسین صاحب اگر اپنی تفاسیر کی روشنی میں پہلے دیکھتے، پھر طرف اور جہت کی بات کرتے۔ قرآن کریم یوں پکار رہا ہے۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَآيَنَّمَا تُؤَلُّوْا فَنَّمْ وَجْهَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (البقرة آیت: ۱۱۵)

”اور اللہ ہی کا ہے مشرق و مغرب سو جس طرف تم منہ کرو وہاں ہی متوجہ ہے اللہ، بے شک اللہ بے انتہا بخشش کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔“

دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا: هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ ”وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں ہو تم۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ سے اللہ تعالیٰ کی جہت و طرف اور سمت تو ثابت ہوگئی،

آپ اس بارے میں کیا فرمائیں گے؟
ایک مفتی صاحب سے کسی نے مسئلہ پوچھا کہ نمازی کے سامنے جوتا ہو تو نماز ہوتی ہے؟ مفتی صاحب نے جواب دیا کہ جناب سامنے جوتا ہو تو پھر سجدہ نہیں ہوتا۔ مفتی صاحب نے پھر دوسرا فتویٰ یہ دیا کہ سجدہ ہوتا ہے یا نہیں یہ تو مجھے پتہ نہیں مگر یہ مجھے پتہ ہے کہ جوتا تو سامنے ہوتا ہے۔

کسی شاعر نے اس موقع پر ایک رباعی کہی ہے۔

کہا اک مولوی نے دیکھ کر جوتا میرے آگے
اگر ہو سامنے جوتا تو پھر سجدہ نہیں ہوتا
کہا میں نے بجا ہے آپ کا ارشاد یہ لیکن
اگر پیچھے رکھیں جوتا تو پھر جوتا نہیں ہوتا

مفتی صاحب! ایسے فتویٰ دینے سے پہلے کچھ غور و فکر بھی فرمالیا کریں۔

یاد رہے کہ شیعہ حضرات نے اکثر و بیشتر عقائد، فرقہ معزلہ کے اپنائے ہیں۔ اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ فرقہ معزلہ اللہ تعالیٰ کو عقلی پیمانہ سے ناپتا ہے اور اپنی عقلی پیمائش سے غور و فکر کرتا ہے جو قرآن و سنت کی پاکیزہ تعلیمات سے ”آپ کی طرح“ کو سوں دور ہے۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ کی تشریح و تفسیر حضرت علی رضی اللہ عنہ یوں فرماتے ہیں:

فی سؤال بعض اليهود علیاً علیہ السلام عن الواحد إلى المائة
قال له اليهودی فاین وجه ربک؟ فقال علی بن ابی طالب
علیہ السلام: یا بن عباس اتنی بنار و حطب، فأتیتہ بنار
و حطب، فاضرمها ثم قال: یا یهودی أین یکون وجه هذه النار

فقال: لا أقف لها علی وجه، قال: ربی عز وجل علی هذا

المثل . (تفسیر نور الثقلین، ج: ۱، ص: ۱۲۵)

از آیت اللہ عبد علی بن جمعة العروسی الحویزی الشیرازی

”یہودیوں کا ایک وفد جو تخمیناً سو کی تعداد میں تھا ان میں سے ایک یہودی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا، ”اے بنو جسہ ربک“ آپ کے پروردگار کا چہرہ کس طرف ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا، آگ اور لکڑی میرے پاس لاؤ، چنانچہ آگ اور لکڑی حاضر کر دی گئیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دونوں کو ملا کر آگ جلائی، یکا یک آگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سوال کرنے والے یہودی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، اس آگ کی طرف، ان شعلوں کی جہت کس طرف ہے؟ اب بتلاؤ، وہ یہودی حیران ہو کر کہنے لگا: ”لا أقف لها علی وجه“ مجھے کسی طرف اور کسی جہت کی پہچان نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے جواب میں فرمایا: میرے پروردگار کی مثل اسی طرح ہے کہ وہ کسی حد میں نہیں ہے۔ وہ کسی طرف میں واقع نہیں ہے وہ بے مثل ہے وہ ان اطراف و جہات سے پاک و منزہ ہے، ان شعلوں کی طرف، ان کی جہت تم معلوم نہیں کر سکتے ہو، قیاس کو دخل نہ دو، اللہ تعالیٰ کو عقلی پیمانہ سے مت تولو۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ کی تشریح و تفسیر جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے یہ تو اہل سنت والجماعت کی تفسیر و تشریح ہے اور اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ صحیح ہے۔

اس کے برخلاف شیعہ حضرات کا عقیدہ اور ہے جو قرآن و سنت سے ٹکراتا ہے۔

قال ابو المضاء عن الرضا عليه السلام، قوله تعالى فاینما تولوا فثم وجه الله، قال: علی علیه السلام.

(تفسیر نور الثقلین، ج: ۱، ص: ۱۲۷)

”ابو المضاء جو حضرت علی رضا کا صحابی ہے اس نے شیعہ حضرات کے آٹھویں امام علی رضا سے پوچھا کہ فاینما تولوا فثم وجه الله سے کیا مراد ہے؟ امام علی رضا نے فرمایا کہ وجہ اللہ سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ کی ذات نہیں۔“

یہ ہے آپ ”شیعہ حضرات“ کا عقیدہ خود ساختہ۔ اگر اللہ تعالیٰ کو زبانی طور پر ماننے پر اتر آئے تو یو کہتے ہوں گے کہ اللہ کا جسم نہیں ہے، اللہ مرکب نہیں ہے، جوہر و عرض نہیں، اس کے لیے حرکت و سکون نہیں ہے، اس کے لیے طرف اور جہت ثابت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ منزہ ہے وہ ہر نقص و عیب سے پاک ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کو ماننے پر اتر آئیں کہ اللہ کہاں ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کیا ہے؟

تو شیعہ حضرات پھر امام علی رضا کا فرمان پیش کرتے ہیں کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ وجہ اللہ نہیں ہے، وجہ اللہ سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

اور صرف حضرت علی علیہ السلام، وجہ اللہ نہیں ہیں بلکہ بارہ کے بارہ امام وجہ اللہ ہیں۔

قال علیه السلام أيضاً في الحجج: وهم وجه الذي قال:

فاینما تولوا فثم وجه الله. (تفسیر نور الثقلین، ج: ۱، ص: ۱۲۶)

جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ بارہ کے بارہ امام حجت اللہ بھی ہیں اور وجہ اللہ بھی ہیں۔ نہ تو اللہ کی ذات وجہ اللہ ہے اور نہ ہی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات حجت اللہ ہیں۔ حجت اللہ اور وجہ اللہ صرف بارہ کے بارہ امام ہیں۔

مسئلہ رویۃ اللہ فی الآخرۃ

دیدارِ الہی کا مسئلہ آخرت میں

عربی زبان میں رویت، دیکھنے کو کہتے ہیں اور دیدار فارسی زبان کا لفظ ہے۔ رویت اور دیدار دونوں کا معنی ایک ہے، یعنی دیکھنا

دیدار آنکھوں کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور دیدار کے آخری مراحل ملاقات ہے، اور ملاقات تب ممکن ہوگی کہ جب اُسے دیکھا جائے، اگر ملاقات نہیں ہے تو دیدار بھی نہیں ہے گویا ملاقات اور دیدار دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

اسی طرح آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات ”دیدار“ بھی ضروری ہے۔ لقائے خداوندی کے بارے میں قرآن کریم کی بیشار آیات ہیں جو لقائے خداوندی پر دلالت کرتی ہیں۔ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب نے بذات خود رویت الہی کا اقرار کر کے ملاقات کی شکل میں تسلیم کیا ہے وہ ایک شاعر کا شعر نقل کر کے ملاقات ”لقاء“ کا مسئلہ دیدار سے متعارف کرایا ہے۔

نظرة فابتسامة فسلام

فكلام فموعد فلقاء

”پہلے ناوک نگاہ، پھر دلفریب مسکراہٹ، پھر سلام شوق، پھر باہمی گفتگو،

پھر ایفائے عہد کے تحت ملاقات۔“ (صحیفہ سجادیه، ص: ۱۳۵)

①..... وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا. (سورة البقرة آیت: ۱۴)

”اور جب منافق لوگ مسلمانوں سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ

ہم ایمان لے آئے ہیں۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں لفظ لقاء سے مراد ملاقات اور مطلق دیدار بھی ہے۔ اگر مسلمانوں کو دیکھنا منافقین کے لیے، یا منافقین کو دیکھنا مسلمانوں کے لیے ثابت نہیں ہے، یا لفظ لقاء، ملاقات، دیدار، دیکھنے پر دلالت نہیں کرتا ہے تو منافقین کی گفتگو مسلمانوں سے یا مسلمانوں کی گفتگو منافقین کے ساتھ ثابت نہیں ہے اور ظاہر بات ہے کہ جب گفتگو ”ملاقات“ ثابت نہیں تو علام الغیوب جو مسلمانوں اور منافقین کی آپس کی گفتگو کی جو خبر دے رہا ہے اس خبر کا کیا مطلب ہے؟ تصدیق یا عدم تصدیق؟ دوسری صورت میں ملاقات ”دیدار“ کی تصدیق سے انکار ہو تو اس خبر صدق، یعنی خبر صادق سے انکار ہے اور جب خبر صادق ”اللہ تعالیٰ“ سے انکار ہے تو آیت قرآنی سے انکار ہے اور آیت الہی سے انکار کرنے کا انجام بدایمانداروں سے پوشیدہ نہیں۔

①..... وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا (سورة البقرة آیت: ۶۷)

”اور جب ملتے ہیں مسلمانوں سے کہتے ہیں ہم مسلمان ہوئے۔“

یہاں پر لفظ لقوا ”ملاقات“ دیکھنے کے بارے میں وارد ہوا ہے کیونکہ ہر ملاقات کے پس منظر، حقیقت میں دیکھنا ”دیدار“ ہے۔ جس سے انکار کرنا ناممکن ہے۔

②..... وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلْقَوْنَ ۖ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ .

(سورة البقرة آیت: ۲۲۳)

”اور جان رکھو کہ تم کو اس سے ملنا ہے اور خوش خبری سنا ایمان والوں کو۔“

یہاں بھی لفظ ”ملاقوہ“ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیدار کرنے کا ہے کیونکہ بعد میں جو الفاظ آرہے ہیں وہ اس دیدار الہی پر مدلول و مقرون ہیں کہ ایمانداروں کو خوشخبری سنا۔

بشارت الہی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات، عالم آخرت میں قطعی اور یقینی ہے۔ دوسری صورت میں اگر اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس کا دیدار یوم آخرت میں یقینی نہیں تو پھر خوش خبری کس بات کی؟ اور بشارت الہی کی تصدیق کیسی؟

③..... وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّقْيِ الْجَمْعِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ

الْمُؤْمِنِينَ. (آل عمران آیت: ۱۶۶)

”اور جو کچھ تم کو پیش آیا اس دن کہ ملیں دو فوجیں سو اللہ کے حکم سے اور اس واسطے کہ معلوم کرے ایمان والوں کو۔ ایمان و کفر کی لڑائی دو جماعتوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ جنگ احد کی جھلکی پیش فرما رہی ہے، جنگ احد میں ستر مسلمان ”صحابہ کرام“ شہید ہوئے، اگر کافروں کی طرف سے آنا سنا منافقین تو ستر صحابہ کرام کیسے شہید ہوئے؟

یہاں بھی لفظ التقی بمعنی دونوں گروہوں کی آپس میں ملاقات مراد ہے اور ملاقات اس وقت ثابت ہوگی جب دیکھنا ثابت ہو جائے دیکھنے سے ہی ملاقات اور وقوع دیدار یقینی ہے۔

④..... الَّذِينَ يَنْظُرُونَ أَنَّهُمْ مُلْقَوْنَ رَبَّهُمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ.

(البقرة آیت: ۴۶)

”جن کو خیال ہے کہ وہ روبرو ہونے والے ہیں اپنے رب کے اور یہ کہ ان کو اسی طرف لوٹ کر جانا ہے۔“

لفظ ظن عربی زبان میں شک اور یقین دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔
الظن من الأضداد شکا و یقینا (معالم، ج: ۱، ص: ۴۷) العرب قد تسمی
الیقین ظنا و الشک یقینا (ابن جریر، ج: ۱، ص: ۲۰۰) یہاں ظن، یقین کے معنوں
میں استعمال ہوا ہے۔ یظنون یتیقنون (ابن جریر، ج: ۱، ص: ۲۰۱)

والظن هنا فی قول الجمهور

(بمعنی یقین قرطبی، ج: ۱، ص: ۳۷۵)

یعنی وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں، کسی کام پر
آمادہ کرنے کے لیے دو ہی چیزیں محرک ہو سکتی ہیں۔ یعنی ”امید“ اور ”خوف“ ملا
قوا رہیم میں صفت ربوبیت کی صراحت سے اشارہ ہے کہ وہ اپنے مہربان رب کے
پاس جائیں گے جس سے ان کی تمام امیدیں وابستہ ہیں۔ وأنهم إليه راجعون
خدا کی طرف واپسی سے فوراً ذہن یوم آخرت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور
اُس اللہ تعالیٰ کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے جس سے ضرور بالضرور ملاقات کرنا ہے۔ جس
کے ساتھ ملاقات ہوتی ہے اس کا دیدار لازمی ہے۔

①..... الَّذِينَ اتَّخَلَوْا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَ غَرَّتْهُمْ الْحَيَوةُ
الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنسُهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَذَا لَا وَ مَا كَانُوا
بِآيَاتِنَا يَجْحَلُونَ. (الاعراف آیت: ۵۱)

”جنہوں نے ٹھہرایا اپنا دین تماشاً اور کھیل اور دھوکے میں ڈالا ان کو دنیا
کی زندگی نے سو آج ہم ان کو بھلا دیں گے جیسا انہوں نے بھلا دیا اس

دن کے ملنے کو اور جیسا کہ وہ ہماری آیتوں سے منکر تھے۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ سے یہ صراحتاً ثابت ہوا کہ جو لوگ یوم آخرت میں اللہ
تعالیٰ کی شرف ملاقات، دیدار الہی کے منکر ہیں وہ قرآنی آیات اور اس کے واضح
احکامات سے انکار کر رہے ہیں، دار آخرت میں ایسے لوگ دیدار الہی سے محروم
رہیں گے۔

یہاں بھی لقاء کا معنی ملاقات کرنا ہے اور وقوع ملاقات اس وقت ممکن ہے جس
میں آنکھوں کے ساتھ دیکھنا ”دیدار“ لازم ہو۔

②..... وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ

هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ. (الاعراف آیت: ۱۳۷)

”اور جنہوں نے جھوٹ جانا ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو
برباد ہوئیں ان کی محنتیں وہی بدلہ پائیں گے جو کچھ عمل کرتے تھے۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں بھی دیدار الہی سے انکار کرنے والوں کے اعمال
آخرت میں ”ضائع“ حبط ہو جائیں گے بظاہر وہ سمجھتے ہوں گے یعنی گمان کرتے
ہوں گے کہ ہم نے اپنی زندگی میں کافی سارے نیک اعمال سرانجام دیئے ہیں،
حالانکہ حبط اعمال کی سزا اس وجہ سے ہے کہ وہ لوگ یوم آخرت میں دیدار الہی اور
ملاقات کرنے سے انکاری ہیں۔

③..... يَمْعَشَرُ الْجَنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّونَ

عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا ط قَالُوا شَهِدْنَا عَلَى

أَنْفُسِنَا وَ غَرَّتْهُمْ الْحَيَوةُ الدُّنْيَا وَ شَهِدُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ

كَانُوا كَافِرِينَ. (الانعام آیت: ۱۳۰)

”اے جماعت جنوں کی اور انسانوں کی کیا نہیں پہنچے تھے تمہارے پاس رسول تمہی میں کے کہ سناتے تھے تم کو میرے حکم اور ڈراتے تھے تم کو اس دن کے پیش آنے سے، کہیں گے کہ ہم نے اقرار کر لیا اپنے گناہ کا اور ان کو دھوکہ دیا دنیا کی زندگی نے اور قائل ہو گئے اپنے اوپر اس بات کے کہ وہ کافر تھے۔“

یہ آیت کریمہ تحریف اخروی پر مبنی ہے اور اس سے قبل یقال لہم مقدر ہے جز قیامت کے دن ان سے یہ کہا جائے گا کہ تم دیدار الہی سے دنیا میں علی الاعلان انکار کرتے تھے اور تمہارے پاس اس ملاقات کی خبر دینے والے ”پیغام پہنچانے والے“ رسل کرام ہم نے بھیجے تھے مگر تم نے حجت قاطعہ کے بعد بھی انکار کیا، آن تمہاری گواہی اور تمہارا اقرار ”کہ ہم کافر تھے، کافر ہیں اور کافر رہیں گے“ کچھ کام نہیں آئے گا کیونکہ دیدار الہی سے انکار کرنا کفر ہے اور قیامت کے دن کفر کے مرکب لوگ ریا خسران و نقصان میں ہوں گے۔

①۔ ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَ تَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَ هُدًى وَ رَحْمَةً لِّعَلَّهُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ .

(الانعام آیت: ۱۵۳)

”پھر دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب واسطے پورا کرنے نعمت کے نیک کام والوں پر اور واسطے تفصیل ہر شے کے اور ہدایت اور رحمت کے لیے تاکہ وہ لوگ اپنے رب کے ملنے کا یقین کریں۔“

یوم آخرت میں دیدار الہی کا عقیدہ رکھنا تنہا امت محمدیہ کے لیے ضروری نہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام اور قوم موسیٰ کے لیے بھی ضروری و لازم تھا، موسیٰ علیہ السلام پر اتاری ہوئی

کتاب تورات میں دیدار الہی کا مسئلہ تفصیلاً موجود تھا۔

مگر آج ہمیں اس دنیا میں ایسے لوگوں سے واسطہ پڑا ہے کہ ہر جلسہ ہر اجتماع اور ہر چوک پر بیاگ دہل کافر کافر ”شر، شیطاں“ مرکز کفر کو کافر کافر کہتے ہیں اور کہتے رہیں گے۔ لیکن وہ پھر بھی اپنے کفر کو چھپاتے ہوئے کفر سے اپنا رشتہ کاٹتے ہوئے نظر نہیں آتے ہیں۔ ان کو چاہیے کہ ابھی سے لوگوں کے سامنے آخرت کی دائمی زندگی کی رسوائی سے بچنے کے لیے اپنا کفری رشتہ کاٹ دیں اور علی الاعلان کہہ دیں کہ ہم واقعی کافر ہیں اور کفر سے اب دنیا میں توبہ تا تب ہو رہے ہیں۔ لیکن یہ لوگ ہٹ دھرمی اور ضد سے کام لے رہے ہیں کہ یوم آخرت میں ہم اپنے کفر کا اعلان بیشک کر دیں گے مگر اس دنیا میں اقرار کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں۔

②۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ

السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا إِنَّا نَحْسِرُنَا عَلَىٰ مَا فَرَّطْنَا فِيهَا وَ هُمْ يَحْمِلُونَ

أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ إِلَّا سَاءَ مَا يَزِرُونَ . (الانعام آیت: ۳۱)

”تباہ ہوئے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ جانا، ملنا اللہ کا یہاں تک کہ جب آپہنچے گی ان پر قیامت اچانک تو کہیں گے اے افسوس کیسی کوتاہی ہم نے اس میں کی اور وہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر خبردار ہو جاؤ کہ برا بوجھ ہے جس کو وہ اٹھائیں گے۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ دیدار الہی پر روز روشن کی طرح واضح دلیل ہے کہ یوم آخرت میں دیدار الہی سے انکار کرنے والے لوگوں کے لیے سب سے بڑی تباہی بس بھی ہے کہ وہ اپنی پیٹھوں پر بھاری بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ جس طرح یوم آخرت میں لوگوں کے اعمال تو لے جائیں گے اور کلمہ توحید اصلی کلمہ اسلام،

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا وزن تولنے کے وقت بھاری ہوگا اسی طرح یوم آخرت میں وقوع دیدار الہی سے انکار کرنا، جب یہ انکاری کلمہ ”عدم دیدار الہی“ ان کے ترازو میں رکھ دیا جائے گا تو یہ انکاری کلمہ ان کے ترازو میں صرف وزنی ثابت نہیں ہوگا بلکہ ان کی پیٹھوں پر وزنی بوجھ لاد کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کی تباہی کا سبب بن جائے گا اور بالآخر جہنم ایسے لوگوں کا مقدر بن جائے گی۔

⑩..... يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحَفًا فَلَا تُولُوهُمْ الْأَذْبَارَ . (الانفال آیت: ۱۵)

”اے ایمان والو جب بھڑو تم کافروں سے میدان جنگ میں تو مت پھیرو ان سے پیٹھ۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں جہاد کے وقت پیٹھ پھیرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اور پیٹھ پھیرنے کی حقیقت تب سمجھ آ جاتی ہے کہ جب انسان کی آنکھیں دیکھنے سے قاصر ہوں، یعنی دیدار انسان سے آنا سامنا تب ہوگا جب دوسرے انسان کو آنکھوں کے ذریعے دیکھ سکے تو آئے سامنے سے آنکھیں چار ہونے کی صورت میں دیدار اور شرف ملاقات سے فیضیاب ہو جائیں گے۔ اسی طرح یہاں بھی لفظ لقیتم سے ملاقات بمعنی دیدار تصور کیا جائے گا۔

⑪..... يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّقَىٰ الْجَمْعَيْنِ ط . (الانفال آیت: ۴۱)

”فیصلہ کے دن جب بھڑ گئیں دونوں فوجیں۔“

یہاں بھی لفظ یوم التقی الجمعین کی حقیقت تب ابھر سکتی ہے جب فیصلہ کے دن دونوں فوجیں جھڑ جائیں، اور دونوں فوجوں کے جھڑنے کا نقشہ تب آنکھوں میں آ جاتا ہے جب دونوں فوجوں کی ملاقات ثابت ہو جائے اور ملاقات ثابت ہونے کے

وقت دیدار کا مسئلہ سمجھ میں آ جائے گا کہ لفظ التقی بھی بمعنی ملاقات اور دیدار ہے۔

⑫..... وَإِذَا تَلَّيَ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ لَقَالَ الَّذِينَ لَا يُرْجُونَ لِقَاءَ نَا آتٍ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدَّلَهُ ط قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَائِي نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ . (یونس آیت: ۱۵)

”اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں، واضح کہتے ہیں وہ لوگ جن کو امید نہیں ہم سے ملاقات کی، لے آ کوئی قرآن اس کے سوا یا اس کو بدل ڈالو، تو کہہ دے میرا کام نہیں کہ میں اس کو بدل ڈالوں اپنی طرف سے، میں تابعداری کرتا ہوں اسی کی جو حکم آئے میری طرف، میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی بڑے دن کے عذاب سے۔“

جب مکرین قرآن کریم کے، قرآنی عقائد صحیحہ کو برداشت نہیں کر سکتے تھے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نزول قرآنی کے متعلق مطالبہ کر ڈالا کہ ہم یوم آخرت میں دیدار الہی کا سامنا نہیں کر سکتے ہیں تو قرآن ہی کو بدل ڈالو، یعنی قرآنی احکام میں ترمیم کر لو، اگر ترمیم نہیں کر سکتے ہو تو پھر پورا کا پورا قرآن اور ہی لے آؤ، تب ہمارے معیار کے مطابق ہو جانے کے بعد ہم ماننے پر پورے اتریں گے۔

پروردگار عالم نے اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرمایا کہ آپ انہیں بتلا دیں کہ میں اس قسم کی جسارت نہیں کر سکتا۔ میں بھی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ تمام احکام قرآنی کا پابند اور مکلف ہوں، اور یوم آخرت کی لقادیدار الہی کا پختہ عقیدہ رکھتا ہوں۔

۱۴..... وَ يَوْمَ يَخْشَرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَ مَا كَانُوا مُهْتَدِينَ . (یونس آیت: ۴۵)

”اور جس دن ان کو جمع کرے گا گویا نہ رہے تھے مگر ایک گھڑی دن ایک دوسرے کو پہچانیں گے بیشک خسارے میں پڑے جنہوں نے جھٹلایا اللہ سے ملنے کو اور نہ آئے وہ راہ پر۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں تکذیب لقاء اللہ اور عدم ہدایت دونوں لفظوں کا وارد ہونا گویا لازم و ملزوم ہیں، جو لوگ دنیا میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے انکار کر رہے ہیں بالکل ظاہر بات ہے کہ وہ ہدایت پانے والے نہیں ہیں اور ایسے لوگوں کی زندگیوں اس طرح ہیں کہ تھوڑی دیر کے لیے کسی محفل میں بیٹھ گئے اور آپس میں تعارف کراتے ہوئے عالم عدم ”دار آخرت“ کی طرف چل دیئے گویا کہ یہ لوگ دنیا میں ایک گھڑی دن کے گزار کر حسرت کے ساتھ دنیا کو خیر باد کہہ کر چلے گئے، وہاں ”دار آخرت“ بھی برے عقائد کی وجہ سے انہیں راحت و سکون میسر نہ ہوا کیونکہ یہ لوگ یوم آخرت کے دیدار الہی سے منکر تھے۔

۱۵..... وَ يَقُولُ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا إِنِّي أَجْرِي إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَ مَا أَنَا بِطَارِدٍ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُمْ مُلْقُوا رَبِّهِمْ وَ لَكِنِّي أَرَأَيْتُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ . (ہود آیت: ۲۹)

”اور اے میری قوم نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ مال، میری مزدوری نہیں مگر اللہ پر اور میں نہیں ہانکنے والا ایمان والوں کو ان کو ملنا ہے اپنے رب سے لیکن میں دیکھتا ہوں تم جاہل ہو۔“

نوح علیہ السلام کی قوم بھی یوم آخرت کے دیدار الہی سے انکار کر رہی تھی تو نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اے میری قوم! اس تبلیغ دعوت پر میں تم سے تنخواہ یا معاوضہ طلب نہیں کر رہا تاکہ تم پر اس کا بوجھ ہو اس کا معاوضہ مجھے اللہ کی طرف سے ملے گا جس کی میں ڈیوٹی دے رہا ہوں۔ باقی رہی یہ بات کہ تمہاری خاطر میں ان غرباء کو اپنے پاس سے ہٹا دوں جو ایمان لائے ہیں تو یہ بھی نہیں ہو سکتا انہم ملاقوا ربہم کیونکہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں اگر میں ایسا کروں تو وہ خدا کے یہاں میری شکایت کریں گے۔

فیشکوننی إلیہ ان طردتہم . (تفسیر مدارک، ج: ۲، ص: ۱۴۲)

منکرین دیدار الہی، یہی سے عبرت حاصل کر لیں کہ شکایت وہاں کی جاتی ہے جو کہ حضوری میں ملاقات ہوتی ہے جہاں ملاقات نہیں وہاں شکایت کرنا عبث ہے۔

۱۶..... قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ فَمَن كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا . (الکہف آیت: ۱۱۰)

”تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم، حکم آتا ہے مجھ کو کہ معبود تمہارا ایک معبود ہے سو پھر جس کو امید ہو ملنے کی اپنے رب سے سو وہ کر لے کچھ نیک کام اور شریک نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کو۔“

جو شخص مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے اور اللہ کے لقاء کی توقع رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ وہ نیک اعمال بجالائے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

بصورت دیگر اگر یوم آخرت میں پروردگار عالم کے ملنے کا عقیدہ نہیں رکھتے

ہیں تو ایسے لوگ کفر و شرک کے دلدادہ ہیں جو کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

﴿.....أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ
أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَزْنًا﴾ (الكهف آیت: ۱۰۵)

”وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے رب کی نشانیوں سے اور اس کے ملنے سے سو برباد کیا گیا ان کا کیا ہوا پھر نہ کھڑی کریں گے ہم ان کے واسطے قیامت کے دن تول۔“

مذکورہ بالا آیت میں اللہ رب العزت نے واضح طور پر بتلایا کہ جو لوگ یوم آخرت کے لقاء یعنی اللہ سے ملاقات کرنے کا انکار کریں گے تو ایسے لوگوں کے لیے قیامت کے روز اللہ رب العزت میزان ”ترازو“ ہی نہیں رکھے گا جس میں ان کے اعمال تول لیے جائیں۔

یہ آیت کریمہ تحریف اخروی پر بھی مشتمل ہے اور عدم استحقاق اقامت میزان۔ گو اللہ تعالیٰ کی نظر میں منکرین دیدار الہی، اتنے حقیر ترین ہیں کہ جن کے لیے ایک لمحہ بھی ترازو نہیں رکھے گا کیونکہ میزان تو ایسے لوگوں کے لیے رکھ دیا جائے گا جو دیدار الہی کے خواہشمند ہوں۔ جو لوگ دیدار الہی کے منکر ہوتے ہیں وہ ترازو رکھنے کی خواہش سے عاری ہیں۔

﴿.....وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ
الْآخِرَةِ وَاتَّوَفَّاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ﴾

(المومنون آیت: ۳۳)

”اور بولے سردار اس کی قوم کے جو کافر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت

کی ملاقات کو اور آرام دیا تھا ہم نے ان کو دنیا کی زندگی میں اور کچھ یہ ایک آدمی ہے جیسے تم کھاتا ہے جس قسم سے تم کھاتے ہو اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو۔“

نوح علیہ السلام کی قوم کے سردار اور بڑے بڑے چوہدری بھی دیدار الہی کے منکر تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے تھے اللہ تعالیٰ نے منکرین دیدار الہی کو کافر کہا آج کل عموماً دیدار الہی کے منکر لوگ ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ تم اپنے گھر پر اپنے کاروباری مقام پر غازی عباس کا علم ”پنچہ والا علم“ لگاؤ۔

تاکہ گھر اور کاروبار میں برکت اور وسعت ہو، کیونکہ منکرین دیدار الہی کے نزدیک نجات اور آخرت کی کامیابی کا معیار صرف کثرت مال و دولت ہے اور ہر وہ چیز ہے جو آسائش زندگی سے تعلق رکھتی ہو، لیکن ان چیزوں کے برخلاف اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ چیزیں معیار نجات ہرگز نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے واتر فناءہم فی الحیوۃ الدنیا ”اور آرام دیا تھا ہم نے ان کو دنیا کی زندگی میں“ دنیا کی تمام سہولتیں اور مال و دولت کی وسعتیں عطا فرما کر یہ مسئلہ سمجھا دیا کہ کثرت ساز و سامان معیار ایمان اور معیار نجات ہرگز نہیں جو بھی دیدار الہی کا منکر ہے وہی عذاب الہی کا مستحق ہے۔

﴿.....مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ وَهُوَ
السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (عنکبوت آیت: ۵)

”جو کوئی توقع رکھتا ہے اللہ کی ملاقات کی سو اللہ کا وعدہ آ رہا ہے اور وہ ہے سننے والا، جاننے والا۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں پہلے لفظ رجاہ اور بعد میں لفظ لقاء اور تیسرا لفظ اجل

اللہ لات ”اللہ کا وعدہ پورا ہونا دار آخرت میں“ کسی کو امید ہو ملاقات پر درگاہ عالم کی تو اس کے لیے دار آخرت میں خوشخبری ہو کہ اسے اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔ اور جو لوگ اسی دنیا میں دیدار الہی سے منکر ہیں تو یوم آخرت میں بھی وہ لوگ دیدار الہی سے محروم رہیں گے اور دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے۔

۵۰..... وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَكُونُ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ . (عنکبوت آیت: ۲۳)
”اور جو لوگ منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے اور اس کے ملنے سے وہ ناامید ہوئے میری رحمت سے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا اس صورت میں مقصود ہے کہ وہ لوگ دیدار الہی سے انکار کر کے یوم آخرت میں ہولناک عذاب کے مستحق ہوں گے۔

۵۱..... أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِمْ لِمَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُونَ . (الروم آیت: ۸)
”کیا دھیان نہیں کرتے اپنے جی میں کہ اللہ نے جو بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ اس کے بیچ میں ہے سو ٹھیک سادہ کر اور وعدہ مقرر پر اور بہت لوگ اپنے رب کا ملنا نہیں مانتے۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں زجر و تنبیہ ہے، کیا وہ اس میں غور و فکر نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سارا نظام عالم اظہار حق کے لیے پیدا کیا ہے تاکہ وہ اس سے اللہ کی قدرت و صنعت، وسعت علم اور اس کی وحدانیت پر استدلال کریں۔ اور پھر اس عالم

آب و گل کی ایک انتہا ہے جس کے بعد قیامت آئے گی اور سب اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے۔ لیکن اکثر لوگ غور و فکر نہیں کرتے وہ اللہ کے ساتھ شرک بھی کرتے ہیں اور آخرت کا بھی انکار کرتے ہیں اور دیدار الہی سے بھی انکار کر کے پروردگار عالم سے کنارہ کش ہیں۔

۵۲..... وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَآئِ الْآخِرَةِ فَأُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُخَضَّرُونَ . (الروم آیت: ۱۶)
”اور جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری باتیں اور ملنا پچھلے گھر کا سو وہ عذاب میں پکڑے آئیں گے۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں لقاء الاخرہ آخرت کی ملاقات سے انکار اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ یوم آخرت میں دیدار الہی سے انکار کرنا کھلم کھلا کفر ہے اور اس کفر کا انجام اللہ تعالیٰ کے عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا ہے، انکار چاہے اللہ کی باتوں سے ہو یا دیدار الہی سے ہو دونوں صورتوں میں انسان مستحق عذاب الہی ہے۔

۵۳..... وَقَالُوا آءِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَنَا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُونَ . (السجدة آیت: ۱۰)
”اور کہتے ہیں کہ جب ہم رل گئے زمین میں کیا ہم کو نیا بننا ہے کچھ نہیں وہ اپنے رب کی ملاقات سے منکر ہیں۔“

وقالوا یہ شکوئی ہے مشرکین و منکرین دیدار الہی سے ایسے ناشکر گزار اور کج فہم ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی قدرت کاملہ اور ایسی نعمت شاملہ کے باوجود حشر و نشر کا انکار کرتے اور کہتے ہیں کہ جب ہم مرکز مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے جسموں کا ذرہ ذرہ

مٹی میں مل کر گم ہو جائے گا تو پھر دوبارہ کس طرح زندہ ہوں گے؟

ای لیس لہم جحد قدرۃ اللہ عن الاعادة لانہم یعترفون بقدرتہ ولكنہم اعتقدوا أن لا حساب علیہم وانہم لا یلقون اللہ تعالیٰ - (تفسیر قرطبی، ج: ۱۴، ص: ۹۲)

”وہ نہ صرف بعث و نشور کے منکر ہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے روبرو حساب و کتاب کے بھی منکر ہیں۔ حقیقت میں دوبارہ اٹھنے کے بھی منکر نہیں ہیں بلکہ یہ لوگ دیدار الہی کے پکے منکر ہیں۔“

②..... فذوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا إِنَّا نَسِينُكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ . (السجدة آیت: ۱۳)

”سوا ب چکھ مزاجیسے تم نے بھلا دیا تھا اس اپنے دن کے ملنے کو ہم نے بھی بھلا دیا تم کو اور چکھو عذاب سدا عوض اپنے کیے کا۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں لفظ لقاء یومکم ہذا، کہ یوم آخرت میں دیدار الہی کا انکار کیا گیا، دوسری چیز کا ذکر ہے ہی نہیں گو صرف اور صرف ملاقات یعنی دیدار الہی سے انکار کرنا عذاب الہی کا چکھنا ہے پھر اسی آیت میں لفظ عذاب الخلد کی قید بھی ہے جس کی سزا ہمیشہ والا عذاب ہے۔

③..... وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَائِهِ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِبَنِي إِسْرَآئِيلَ . (السجدة آیت: ۲۳)

”اور ہم نے دی موسیٰ علیہ السلام کو کتاب سو تم رہے دھوکے میں اس کے ملنے سے اور کیا ہم نے اس کو ہدایت بنی اسرائیل کے واسطے۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں بھی دار آخرت میں دیدار الہی سے بنی اسرائیل کو

شک کرنے سے باز رکھا گیا ہے کہ دیدار الہی سے شک کرنا عذاب الہی کے مترادف ہے۔

④..... تَجِئُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا

کَرِيمًا . (الاحزاب آیت: ۴۴)

”دعا ان کی جس دن اس سے ملیں گے سلام ہے اور تیار رکھا ہے ان کے واسطے ثواب عزت کا۔“

مذکورہ بالا آیت میں دیدار الہی کو ماننے والوں کے لیے دار آخرت میں ایک عظیم تحفہ اللہ تعالیٰ نے سجا کے رکھا ہے اور وہ امن و امان اور سلامتی کا تحفہ ہے۔

⑤..... وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ فَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ .

(الزمر آیت: ۷۱)

”اور ہانکے جائیں گے جو منکر ہیں دوزخ کی طرف گروہ گروہ یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں اس پر کھولے جائیں گے دروازے اور کہنے لگیں ان کو اس کے داروغہ کیا نہ پہنچے تھے تمہارے پاس رسول تم میں کے پڑھتے تھے تم پر باتیں تمہارے رب کی اور ڈراتے تھے تم کو اس تمہارے دن کی ملاقات سے بولیں کیوں نہیں پر ثابت ہوا حکم عذاب کا منکروں پر۔“

قیامت کے فصل و قضا کے بعد کفار و مشرکین ”پروردگار عالم کی ملاقات سے انکار کرنے والوں“ کو ٹولیوں کی صورت میں جہنم کی طرف ہانک کر لے جایا جائے

گا۔ جب وہ جہنم کے دروازوں پر پہنچیں گے تو ان کے لیے جہنم کے دروازے کھول دیے جائیں گے اس وقت جہنم پر مقرر فرشتے ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس فریضے میں سے اللہ کا پیغام پہنچانے والے نہیں آئے تھے۔ جو تمہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے اور تمہیں آج کے دن میں اللہ کی بارگاہ میں پیشی سے ڈراتے؟ وہ جواب دیں گے کیوں نہیں؟ آئے تو تھے۔ لیکن بد قسمتی سے ہم کافروں "مکسرین ملاقات رب" اللہ کے عذاب کا فیصلہ نافذ ہو گیا کیونکہ ہم نے محض ضد و عناد سے حق اور ملاقات پروردگار کا انکار کیا۔

④..... رفیع الدرجات ذو العرش یلقى الروح من امره علی

من یشاء من عبادہ لینذر یوم التلاق . (الغافر آیت: ۱۵)

"وہی ہے اونچے درجوں مالک عرش کا اتارتا ہے بھید کی بات اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں پر تاکہ ڈرائے ملاقات کے دن سے۔"

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے یہ مسئلہ سمجھایا اور یہ بھید کی بات بھی بتلائی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنا دیدار کرائے گا۔

کیونکہ بھید والی بات دیدار الہی کی بات ہے جو دار آخرت میں مومنین و مسلمین کے سامنے واقع ہوگا۔

⑤..... آلا انھم فی مسرۃ من لقاء ربھم ؕ آلا انہ یحکم شئ

مخیط . (حم السجدہ آیت: ۵۴)

"سنا ہے وہ دھوکے میں ہیں اپنے رب کی ملاقات سے سنا ہے وہ گھبر رہا ہے ہرجیز کو۔"

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں بھی لقاء رب یعنی پروردگار عالم کی ملاقات کے بارے میں شک کرنے والوں سے فرمایا گیا تم شک کرتے ہو۔ دیدار الہی سے شک

کرنا کفر ہے اور اس کفر کا انجام عذاب الہی ہے۔

⑥..... فَلَرُھم یخوضوا و یلعبوا حتی یلقوا یومھم الذی

یوعثون . (الزخرف آیت: ۸۳)

"اب چھوڑ دے ان کو بک بک کریں اور کھیلیں یہاں تک کہ ملیں اپنے اس دن سے جس کا ان کو وعدہ دیا ہے۔"

مذکورہ بالا آیت کریمہ بھی اپنا وعدہ مکسرین دیدار الہی کو یاد دلایا ہے کہ دار آخرت میں دیدار الہی ضرور بالضرور واقع ہونے والا ہے جو نہیں مانتے ہیں ان کا انجام کار بہت برا ہے۔

⑦..... وَقیل الیوم ننسککم کما نسیتکم لقاء یومکم هذا و

ماؤکم النار و ما لکم من نصیرین . (الباقیہ آیت: ۳۴)

"اور حکم ہوگا کہ آج ہم تم کو بھلا دیں گے جیسے تم نے بھلا دیا تھا اپنے اس دن کی ملاقات کو اور گھر تمہارا دوزخ ہے اور کوئی نہیں تمہارا مددگار۔"

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مکسرین دیدار سے فرمایا: کہ تم نے دار آخرت میں میری ملاقات "دیدار الہی" جو حقیقتاً واقع ہونے والی ہے بھلا دیا ہے تو ہم بھی تمہیں دار آخرت میں بھلا دیں گے۔ مگر ملاقات پروردگار عالم سے انکار کرنے کی پاداش میں تمہیں ہمیشہ عذاب الہی "آگ کا ٹھکانہ" میں مبتلا کر دیں گے اور عذاب الہی میں گرفتار ہونے کے بعد تمہارا کوئی مددگار سفارشی نہیں ہوگا جو تمہیں عذاب الہی سے چھٹکارا دلادے۔

⑧..... فَاِذَا لَقِیْتُمُ الدِّیْنَ کَفَرُوا فَضْرَبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰی اِذَا

اَتَّخَذْتُمُوْهُمْ فَلَئْسُوا الْوُلَاقِ لَا لِمَا مَنَّاۤ اُبْعَدُوْا اِمَّا فِدَآءٌ حَتّٰی تَضَعُ

الْحَرْبُ أَوْ زَارَهَا بِذَلِكَ ۖ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَا تَنْصَرُ مِنْهُمْ وَلَكِنْ لِيَسْلُوا بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۖ وَالَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ . (المحمد آیت: ۴)

”سو جب سامنے ہو منکروں کے تو مارو گردنیں یہاں تک کہ جب خوب قتل کر چکوان کو تو مضبوط باندھ لو قید پھر یا احسان کیجیو یا معاوضہ لے لیں۔ جب تک کہ رکھ دے لڑائی اپنے ہتھیار یہ سن چکے اور اگر چاہے تو بدلہ لے ان سے پر جانچنا چاہتا ہے تمہارے ایک سے دوسرے کو اور جو مارے گئے اللہ کی راہ میں تو نہ ضائع کرے گا وہ ان کے کیے کام۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں إذا لقیتم الذین کفروا فضرِب الرقاب کے الفاظ ان معانی و مفاہیم پر دلالت کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کی گردنیں مارنے کا حکم دے دیا، یہ گردیں مارنا اس صورت میں ممکن ہے کہ جب مسلمان اور کافر آمنے سامنے ہوں یعنی ایک دوسرے کی ملاقات ہو جائے، اگر ایک دوسرے سے ملاقات نہیں تو گردنیں مارنے کا تصور بھی نہیں گویہ بات ثابت ہوئی کہ ملاقات کا معنی ہے دیکھنا، دیدار کرنا۔ کیونکہ لقاء کا معنی ہے دیکھنا اور دیدار کرنا۔

۱۱..... فَلَرَّهْمُ حَتَّى يُلْقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ .

(الطور آیت: ۴۵)

”سو تو چھوڑ دے ان کو یہاں تک کہ دیکھ لیں اپنے اس دن کو جس میں ان پر پڑے گی بجلی کی کڑک۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں لفظ لقاء کا معنی ہے دیکھنا، ملاقات اور دیدار کرنا ہے۔

۱۲..... إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّينَ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ .

(ق آیت: ۱۷)

”جب لیتے جاتے ہیں دو لینے والے داہنے بیٹھا اور بائیں بیٹھا۔“
۱۳..... يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ .

(المتحنة آیت: ۱)

”اے ایمان والو نہ پکڑو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست تم ان کو پیغام بھیجتے ہو دوستی سے اور وہ منکر ہوئے ہیں اس سے جو تمہارے پاس آیا سچا دین۔“

۱۴..... قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ .

(الجمعة آیت: ۸)

”تو کہہ موت جس سے تم بھاگتے ہو سو وہ تم سے ضرور ملنے والی ہے پھر تم پھرے جاؤ گے اس چھپے اور کھلے جانے والے کے پاس پھر جتنا دے گا تم کو جو تم کرتے تھے۔“

مذکورہ بالا تینوں آیات میں لفظ لقاء موجود ہے جس کا معنی ایک ہی مراد ہے دیکھنا، دیدار کرنا۔

دیدار الہی احادیث مصطفیٰ کی روشنی میں

”رؤیۃ اللہ یا دیدار الہی“ کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کو کھلی آنکھوں سے دیکھنا اور اللہ تعالیٰ کو یہ دیکھنے کی سعادت مومنین کو آخرت میں نصیب ہوگی۔ حق تعالیٰ کی رویت عقلاً ناممکن نہیں۔ اہلسنت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ایک ایسی حقیقت ہے جس کا وجود عقلاً بھی درست ہے۔ اور اس دیدار کے لیے اللہ تعالیٰ کا کسی خاص جگہ (مقام پر اور کسی خاص سمت و جہت میں موجود اور قائم ہونا نیز اس کی ذات کا اور دیکھنے والوں کا آمنے سامنے ہونا قطعی اور ضروری اور شرط کے درجہ کی چیز نہیں ہے بلکہ وہ اپنی ذات اور اپنے وجود کے اعتبار سے جو کچھ بھی ہے اسی حیثیت کے ساتھ اس کا دیکھا جانا ممکن ہے اگرچہ وہ جسم و جسمانیات سے ماوراء اور مکان و جہت کی قید سے آزاد ہے۔ رہی یہ بات کہ شیء مرئی (یعنی کھلی آنکھوں سے نظر آنے والی چیز) کو دیکھنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ جسم ہو، کسی خاص جگہ و مقام پر موجود و قائم ہو اور نگاہ کی سمت و جہت میں ہو تو دیکھنے میں ان چیزوں کا عمل دخل ہونا دراصل اس لیے ضروری ہے کہ قدرت نے اسی طرح کا نظام جاری فرمایا ہے اور انسانی نگاہ و بصر کو اپنا فعل انجام دینے کے لیے ان اسباب کا پابند بنادیا ہے۔ اگر قادر مطلق اس جاری نظام و عادت کے برخلاف ان عوامل کے بغیر بھی کسی کو کوئی چیز دکھانا چاہے تو بیشک اس پر قادر ہے اور ایسا ممکن ہو سکتا ہے۔ پس اس میں کوئی خلاف عقل بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کل قیامت کے دن انسانی نگاہ میں بصیرت یعنی چشم قلب کی قوت رکھ دے کہ جس طرح آج دنیا میں اہل ایمان کو بصیرت سے پاتے اور دیکھتے ہیں، کل کو آخرت میں بصر یعنی سر کی آنکھوں سے اس کو دیکھیں گے۔

رؤیت کا تعلق آخرت سے ہے

تمام علمائے امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حق تعالیٰ کا دیدار تمام اہل ایمان کو آخرت میں نصیب ہوگا، اس کا ثبوت و قرآنی آیات، احادیث صحیحہ، اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین اور اقوال ائمہ کرام ہیں جو اس ضمن میں مذکور و منقول ہیں۔

عورتیں بھی رؤیت باری تعالیٰ سے محروم نہ رہیں گی

عورتوں کے بارے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ ان کو دیدار ہوگا اور بعض انکار کرتے ہیں لیکن درست یہ ہے کہ عورتیں اس سعادت سے محروم نہ رہیں گی، مردوں کی طرح ان کو بھی حق تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا، لیکن بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان (عورتوں) کو بعض خاص ایام میں جیسے جمعہ کے ایام میں یا عیدین کے دن ہی دیدار کی سعادت ملے گی جو عام ہار یا بی کے اوقات ہوں گے۔ جو حضرات مطلقاً عورتوں کے دیدار کے منکر ہیں ان کا یہ کہنا ہے کہ عورتیں چونکہ خیموں میں پردہ نشین ہوں گی جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔ حور مقصورات فی الخیام لہذا ان کو دیدار کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ ایک ناقابل التفات بات ہے کیونکہ اول تو دیدار الہی کے بارے میں جو آیات و احادیث منقول ہیں ان میں کوئی خصوص مذکور نہیں ہے بلکہ وہ سب عموم پر محمول ہیں اور مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہیں۔ دوسرے یہ کہ عالم آخرت کو دنیا پر قیاس کرنا اور وہاں عورتوں کے خیمے میں رہنے کو دنیا کے پردہ پر منطبق کرنا بجائے خود غلط ہے کیونکہ جنت کے خیمے (کہ جن میں وہاں کی عورتیں رہیں گی) پردہ و حجاب کو مستلزم نہیں ہوں گے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی سوچنے

کی ہے کہ خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا، سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور دوسری امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن نیز ان جیسی دیگر عظیم خواتین جو لاکھوں کروڑوں مردوں سے زیادہ عظمت و فضیلت رکھتی ہیں آخر کس طرح دیدار الہی کی سب سے بڑی سعادت سے محروم رہ سکتی ہیں۔

جنات اور فرشتوں کو بھی خدا کی رویت حاصل ہوگی

جنات اور ملائکہ کے بارے میں بھی اختلافی اقوال ہے کہ آیا ان کو دیدار الہی نصیب ہوگا یا نہیں؟ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے علاوہ دیگر فرشتوں کو خدا کے دیدار کی سعادت حاصل نہیں ہوگی اور حضرت جبریل بھی اس سعادت سے ایک ہی بار مشرف ہوں گے اور اسی طرح جنات بھی دیدار الہی سے محروم رہیں گے۔ لیکن اس سلسلہ میں صحیح اور درست قول یہی ہے کہ دیدار الہی کی سعادت تمام اہل ایمان کے لیے ہے کیا انسان، کیا فرشتے، کیا جنات۔

دنیا میں خدا کی رویت

یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے کہ کیا اس دنیا میں بحالت بیداری کھلی آنکھوں سے خدا کا دیدار ہو سکتا ہے؟ اس سلسلہ میں ارباب تحقیق نے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ حق تعالیٰ کا دیدار دنیا میں بھی ممکن ہے لیکن بالاتفاق غیر واقع ہے۔ رہی یہ بات کہ آنحضرت ﷺ کو شب معراج میں خدا کا دیدار ہونا امر واقع ہے تو یہ استثنائی صورت ہے اگرچہ بعض حضرات نے اس سے اختلاف کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو شب معراج میں چشم سر خدا کا دیدار ہوا تھا یہ ایک الگ بحث ہے جو آگے متعلقہ احادیث کی تشریح میں بیان ہوگی، بہر حال محدثین فقہاء متکلمین اور مشائخ طریقت

سب اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ نہ آج تک اس دنیا میں کسی کو بھی، خواہ وہ کوئی بڑے سے بڑا ولی ہی کیوں نہ ہو، خدا کا دیدار حاصل ہوا ہے نہ اولیاء و مشائخ میں سے کسی نے اس کا دعویٰ کیا ہے اور نہ آئندہ کسی کو حاصل ہو سکتا ہے، بلکہ مشائخ نے متفقہ طور پر یہاں تک کہا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس نے خدا کو بیداری کی حالت میں دیکھا ہے (جیسے بعض جاہل اور نام نہاد صوفیاء کہہ دیا کرتے ہیں) تو اس کی تکذیب کرنا اور اس کو گمراہ قرار دینا لازم ہے۔ فقہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کی مستند کتاب ”انوار“ میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ میں اس دنیا میں چشم سر عیاناً خدا کو دیکھتا ہوں اور خدا مجھ سے بالمشافہ گفتگو کرتا ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جب اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رویت ممکن ہے اور انسانی حاسہ بصر میں ایسا کوئی نقص بھی نہیں کہ کسی چیز کو دیکھنے میں رکاوٹ پیش آئے تو حق تعالیٰ کے دیدار نہ ہونے کا سبب کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دیکھنا اور نظر آنا دراصل نظام قدرت اور تخلیق الہی کا سبب ہے نہ کہ اس کی اصل علت وہ حاسہ بصر ہے جو انسان اپنی آنکھوں میں لیے پھرتا ہے۔ حاسہ بصر تو صرف ایسا ظاہری سبب ہے جس کو حق تعالیٰ نے ایک خاص نظام اور معمول کے تحت دیکھنے کا ذریعہ بنا دیا ہے اگر وہ کسی کو دکھانا چاہے تو آنکھوں اور بینائی کے بغیر بھی دکھا سکتا ہے۔ اور اگر کسی کو نہ دکھانا چاہے تو وہ کھلی آنکھ اور مضبوط بینائی رکھنے کے باوجود نہیں دیکھ سکتا۔ مثلاً ایک بڑا پہاڑ سامنے ہو اور اللہ کسی کی آنکھوں میں دیکھنے کی صفت پیدا نہ کرے تو وہ اس پہاڑ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی اندھا شخص دنیا کے مشرقی کنارے پر ہو اور دنیا کے مغربی کنارے پر ایک مچھر پڑا ہو اور اللہ تعالیٰ اس اندھے کو وہ مچھر دکھانا چاہے تو یہ یقیناً دیکھ سکتا ہے۔ پس واضح ہوا کہ دیکھنا یا دکھانا نظام قدرت کے تحت

آنکھ کا عمل یا غیر عمل بے شک ہے، لیکن آنکھ وہ عمل یا اس عمل کی وہ طاقت جس سے انسان دیکھنے پر قادر ہوتا ہے غیر محدود اور خود مختار نہیں ہے بلکہ اس کی کارکردگی اس تک ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ نے اس کو کارگر کیا ہے حق تعالیٰ کی مصلحت چونکہ یہ ہے کہ وہ انسان کو دنیا میں اپنا دیدار نہ کرائے اس لیے اس نے حاسہ بصر میں توانائی ہی نہیں رکھی جس سے خدا کو دیکھا جاسکے۔ اس بات کو دنیا کی عام چیزوں کا قیاس کرنا ذہن و قیاس کی مہمل تابعداری ہے۔

کھلی آنکھوں سے خدا کا دیدار

عَنْ حَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْكُمْ سَتَرُونَ رَبَّكُمْ عَيْنًا وَفِي رَوَايَةٍ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرْنَا إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ إِنَّكُمْ سَتَرُونَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرُونَ هَذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُونَ فِي رُؤْيَيْهِ فَإِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلَبُوا عَلَى صَلَوةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوا ثُمَّ قَرَأَ وَسَبَّحَ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا - (متفق عليه)

”اور حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”وہ وقت آنے والا ہے جب (قیامت میں) تم اپنے پروردگار کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھو گے۔“ ایک روایت میں حضرت جریر نے یہ بیان کیا کہ (ایک دن) ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ نے چودھویں شب کے چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا: ”تم اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اس

پروردگار کو دیکھنے میں تم کوئی رکاوٹ اور پریشانی محسوس نہیں کرو گے پس اگر تم سے ہو سکے تو تم اس نماز کو جو سورج نکلنے سے پہلے کی ہے (یعنی نماز فجر) اور اس نماز کو جو سورج ڈوبنے سے پہلے کی ہے (یعنی نماز عصر) نہ چھوڑو تو یقیناً ایسا کرو پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی و مَسْجِدَ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا اور اپنے پروردگار کی حمد و پاکی بیان کرو یعنی نماز پر جو سورج نکلنے سے پہلے اور سورج ڈوبنے سے پہلے۔“ (بخاری و مسلم)

تشریح و توضیح: ”جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔“ یہ تشبیہ ”دیکھنے“ کی ”دیکھنے“ کے ساتھ ہے نہ کہ ”دیکھی جانے والی چیز“ کی ”دیکھی جانے والی چیز“ کے ساتھ اس اجمال و ابہام کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح چاند کو دیکھ رہے ہو تو اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ تم جس طرح اس وقت چودھویں شب کے چاند کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو اور اس چاند کے نظر آنے میں تمہیں کوئی شک و شبہ نہیں یہ مراد ہرگز نہیں تھی کہ جس طرح یہ چاند تمہارے سامنے ہے اور ایک خاص جگہ پر اور ایک خاص سمت میں محدود و قائم نظر آ رہا ہے اسی طرح تمہارے پروردگار کی ذات بھی تمہارے سامنے کسی خاص جگہ اور کسی خاص سمت میں محدود و قائم نظر آئے گی۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولا يلزم من رؤية الله تعالى اثبات جهة له تعالى عن ذلك -

(مرقات شرح مشکوٰۃ، ج: ۱۰، ص: ۳۴۵)

”حق تعالیٰ کو دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے لیے کوئی جہت یا

طرف ہے (بلکہ) اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے۔“

”لَا تُضَامُونَ فِي رُؤْيَا“ اس کو دیکھنے میں تم کوئی رکاوٹ اور پریشانی محسوس نہیں کرو گے۔“ میں لفظ تَضَامُونَ اس طرح بھی منقول ہے اور تَضَامُونَ بھی نقل ہو گیا ہے لیکن زیادہ تَضَامُونَ ہی نقل ہوا ہے اور اس صورت میں یہ لفظ ضم سے ہوگا جس کے معنی ”ضرر اور ظلم“ کے ہیں۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ومعناه ترون ربكم رؤية ينزاح معها الشك كرويتكم القمر ليلة البدر لا ترتابون فيه ولا تمترون قال ولا تضامون روى بتحفيف الميم من الضيم الظلم المعنى انكم ترونه جميعكم لا يظلم بعضكم بعضاً في رؤيته فيراه البعض دون البعض وتشديد الميم من الانضمام بمعنى الازدحام أى لا يزدحم بعضكم بعضاً في رؤيته ولا يضم بعضكم إلى بعض من ضيق كما يجرى عند رؤية الهلال مثلاً دون رؤية القمر فانه يراه كل منكم موسعاً عليه منفرداً به۔

(مرقات شرح مشکوٰۃ، ج: ۱۰، ص: ۳۴۵)

”پروردگار کے دیدار میں تم پر ظلم نہیں ہوگا کہ کوئی دیکھے اور کوئی محروم رہے یا اس کے دیدار میں تم آپس میں ایک دوسرے پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں کرو گے کہ ایک دوسرے کے دیکھنے کا انکار کرو اور کسی کو جھٹلاؤ۔“ دوسری صورت میں یہ لفظ تضام سے ہوگا جس کے معنی ہیں آپس میں ایک دوسرے سے ملنا، اثر دھام کرنے اور دھکا پھیل چمانے اور ایک دوسرے پر گرنے پڑنے کی نوبت نہیں آئے گی بلکہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ رہ کر نہایت اطمینان و فراغت

کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا جیسا کہ چودھویں شب میں چمکتے چاند کو دیکھنے کے لیے اس طرح کی زحمت و پریشانی اٹھانا نہیں پڑتی، بخلاف پہلی تاریخ کے چاند کے، کہ وہ دھندلا اور باریک ہونے کی وجہ سے صاف نظر نہیں آتا اور اس کے دیکھنے کے لیے خاصا اہتمام اور جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اگر تم سے ہو سکے کہ تم اس نماز کو اس طرح کا مطلب یہ ہے کہ فجر اور عصر کا وقت بہت بابرکت اور اس وقت کی نمازیں بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہیں اس لیے تم ان نمازوں کی پابندی کا زیادہ خیال رکھو اور مقدور بھر کوشش کرو کہ یہ نمازیں فوت نہ ہونے پائیں، ملا علی قاری رحمہ اللہ نے نماز فجر اور نماز عصر کے بارے میں فرمایا:

وقوله لا تغلبوا معناه لا تصيروا مغلوبين بالاشتغال عن صلاتي الصبح والعصر وإنما خصهما بالحث لما في الصبح من ميل النفس إلى الاستراحة والنوم وفي العصر من قيام الأسواق واشتغال الناس بالمعاملات۔

(مرقات شرح مشکوٰۃ، ج: ۱۰، ص: ۳۴۵)

ان دونوں وقتوں کی نمازیں باقی اوقات کی نمازوں پر فضیلت و برتری رکھتی ہیں اور اس فضیلت و برتری کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ صبح کے وقت تو لوگ نیند و استراحت کے جال میں پھنسے رہتے ہیں اور عصر کا وقت دنیا کے کاروبار مثلاً بازار جانے وغیرہ کے چکر میں پھنسے گا ہے۔ حدیث شریف میں دونوں اوقات کی نمازوں کو خاص طور پر ذکر کرنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ دونوں وقت دوسرے اوقات کی بہ نسبت زیادہ فضیلت و شرف رکھتے ہیں اور یہ کہ آخرت میں پروردگار کا دیدار ان ہی اوقات میں ہوا کرے گا۔

دیدارِ الہی سب سے بڑی نعمت

وَعَنْ صُهَيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْحَنَةِ الْحَنَةَ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى تُرِيدُونَ شَيْئًا أَزِيدُكُمْ فَيَقُولُونَ أَلَمْ نُبَيِّضْ وَجُوهَنَا أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْحَنَةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ قَالَ فَيَرْفَعُ الْحِجَابَ فَيَنْظُرُونَ إِلَى وَجْهِ اللَّهِ تَعَالَى فَمَا أُعْطُوا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَى رَبِّهِمْ ثُمَّ تَلَا لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ - (رواه مسلم)

”اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جب تمام جنتی جنت میں (اپنی اپنی جگہ) پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ (جو کچھ تمہیں عطا کیا جا چکا ہے) اس سے زیادہ کچھ اور تم مجھ سے چاہتے ہو؟ جنتی (یہ سن کر) عرض کریں گے کہ (پروردگار) کیا آپ نے ہمارے چہروں کو روشن و منور نہیں کیا، کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا، کیا آپ نے ہمیں دوزخ کی آگ سے نجات نہیں دی (اتنی بڑی بڑی نعمتوں سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے جو ہم آپ سے مزید چاہیں؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”تب حجاب اٹھایا جائے گا اور جنتی ذاتِ اقدس تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے (جو صورت و جسم اور جہت و مقام کی قیود و شرائط سے پاک و منزہ ہے) اور اس وقت معلوم ہوتا کہ اہل جنت کو ایسی کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی جو پروردگار کی طرف ان کے دیکھنے سے زیادہ بہتر پسندیدہ ہو۔“ پھر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى

وزیادہ۔

”تب حجاب اٹھا دیا جائے گا“ کے سلسلہ میں واضح رہے کہ حجاب کا اٹھنا اہل جنت کو حیرانی و تعجب سے نکالنے کے لیے ہوگا یعنی اس وقت جنتی اس حیرانی و تعجب میں ہوں گے کہ آخر اب کون سی نعمت رہ گئی ہے جو حق تعالیٰ ہمیں عطا کرنا چاہتا ہے تب حق تعالیٰ اپنے دیدار کے ذریعہ گویا یہ فرمائے گا کہ دیکھو یہ ہے وہ نعمت عظمیٰ جو میں عطا کرنا چاہتا تھا اور یہ نعمت تمہارے اصل بدلہ و جزا سے زیادہ ہے۔

حجاب کے اٹھائے جانے کے متعلق علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
(فیرفع الحجاب) بصیغة المجهول ورفع الحجاب رفع
للتعجب كانه قيل لهم هذا هو المذيد واللہ سبحانہ و تعالیٰ
منزه عن الحجاب فانه محبوب غير محبوب اذ
المحسوب مغلوب فالمعنى فیرفع الحجاب عن أعين
الناظرين - (مرقات، ج: ۱۰، ص: ۳۴۶)

حق تعالیٰ کی ذات حجاب و پردہ سے پاک و منزہ ہے، ایسا نہیں کہ (نعوذ باللہ) وہ پردے میں چھپا ہوا ہے اور جنتیوں کے دیدار کے وقت گویا اس کی نقاب کشائی ہوگی ظاہر ہے وہ محبوب ہے نہ کہ محبوب وہ غالب مطلق ہے نہ کہ زیر حجاب مغلوب، پس (حجاب اٹھا دیا جائے گا) کا مطلب یہ ہے کہ دیکھنے والوں کی آنکھوں سے وہ حجاب ہٹ جائے گا تو وہ اپنے پروردگار کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔

اہل جنت کے مراتب

وَعَنْ بَنِي عُمرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ
أَهْلَ الْحَنَةِ مَنْزِلَةٌ لِمَنْ يَنْظُرُ إِلَى جَنَّتَيْهِ وَأَزْوَاجِهِ وَنَعِيمِهِ

وَحَلَمِهِ وَسُرُوهَ مَسِيرَةَ أَلْفِ سَنَةٍ وَأَكْرَمَهُمْ عَلَى اللَّهِ مَنْ يَنْظُرُ
إِلَى وَجْهِهِ غُدُوَّةً وَعَشِيَّةً ثُمَّ قَرَأَ وَجُوهَ يَوْمَئِذٍ نَاصِرَةً إِلَى رَبِّهَا
نَاطِرَةً - (رواه الترمذی وَاَحْمَد)

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جنتیوں
میں قدر و مرتبہ کے اعتبار سے ادنیٰ شخص وہ ہوگا جو اپنے باغات، اپنی
عورتوں، اپنی نعمتوں، اپنے خدمت گاروں اور اپنے (بیٹھنے و استراحت
کرنے کے) تخت و کرسی پر نظر رکھے گا جو ایک ہزار برس کی مسافت کے
بقدر رقبہ میں پھیلے ہوئے ہوں گے (یعنی جنت کی لامحدود وسعت میں وہ
ادنیٰ مرتبہ کا شخص بھی اس قدر نوازا جائے گا کہ اس کی ملکیت و تسلط کی
چیزیں ایک ہزار برس کی مسافت کے بقدر وسیع رقبہ میں پھیلی ہوئی ہوں
گی، اور وہ اپنی چیزوں کو دیکھ کر خوش ہوتا رہے گا، اور اللہ تعالیٰ کے
نزدیک بڑے مرتبہ و قدر کا شخص وہ ہوگا جو صبح و شام اپنے پروردگار کی
ذات اقدس کے دیدار کی سعادت و محبت حاصل کرے گا۔“ پھر آپ
نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَجُوهَ يَوْمَئِذٍ نَاصِرَةً إِلَى رَبِّهَا نَاطِرَةً -
بہت چہرے اس دن اپنے پروردگار کے دیدار سے تروتازہ اور خوش و خرم
ہوں گے۔“

شب معراج میں آنحضرت ﷺ کو دیدار الہی
عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ
رَأَيْتَ رَبَّكَ قَالَ نُورٌ أَتَى أَرَاهُ - (رواه مسلم)

”حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ

کیا آپ نے شب معراج میں اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ آنحضرت
ﷺ نے فرمایا: ”پروردگار تو ایک نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔“
علامہ ملا علی قاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قال نور، أي نور عظيم والمراد أنه نور الأنوار ومنه قوله
تعالى الله نور السموات والأرض أي منورهما ومظهر أنوار
وما فيهما من الشمس والقمر والكواكب وأمثال ذلك ومن
أسمائه النور وهو الذي ظاهر بنفسه ومظهر لغيره على ما
ذكره المحققون (أننى) بفتح الهمزة وتشديد النون أي
كيف (أراه) أي أبصره فان كمال النور يمنع الإدراك وفي
بعض النسخ نورانى بتشديد الياء للنسبة لزيادة الألف والنون
للمبالغة كالربانى وحينئذ قوله أراه بمعنى أظنه من الرؤية أن
يكون بمعنى رأى فلو قرئ بضمة الهمزة لكان أظهر فى
هذا المعنى ويمكن أن يكون بمعنى أبصره إيماء إلى أنه ما
راه فى الدنيا وسيراه فى الآخرة أو مراده أبصرته والعدول
إلى الاستقبال لحكاية الحال الماضية فكأنه يستحضره
ويتلذذ به قال ابن الملك اختلف فى رؤيته فى تلك الليلة
وفى الحديث دليل للفريقين على اختلاف الروايتين لأنه
روى بفتح الهمزة وتشديد النون المفتوحة فيكون استفهاماً
على سبيل الإنكار وروى بكسر النون فيكون دليلاً للمثبتين
ويكون حكاية عن الماضى بالحال -

(مرقات شرح مشکوٰۃ، ج: ۱۰، ص: ۳۴۸)

پروردگار تو ایک نور ہے..... الخ کا مطلب یہ ہے اس کی ذات جسم و مکان کی قیود سے ماوراء ایسا نور عظیم ہے جس کی نورانیت کا کمال اور جس کے ظہور کی شدت نہ انسان کی ادراک میں آ سکتی ہے اور نہ نگاہ و بصر کو اتنی تاب کہ خیرہ کر دینے والی تجلیات کے سامنے ٹھہر سکے۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو خود قرآن کریم میں ”نور“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ”اللہ نور السموات والارض“ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ یعنی کائنات میں ہر طرف اس کی تجلیات کا ظہور ہے۔ اور جو چیز نظر آتی ہے اس کی روشنی کی بدولت نظر آتی ہے نیز جو چیزیں زمین و آسمان کو روشنی بہم پہنچاتی ہیں جیسے سورج، چاند اور ستارے وغیرہ وہ سب اس کی روشن کی ہوئی ہیں یا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا نور ہدایت ہے اور زمین پر بننے والوں اور زمین پر رہنے والوں پر ہر ایک کو وہی ہدایت کرنے والا ہے اور اسی کا نور ہدایت بندوں کے دلوں و دماغ کو روشن کرنے والا ہے نیز پروردگار کے ناموں میں سے ایک نام ”نور“ بھی ہے یعنی وہ خود بھی ظاہر و روشن ہے اور دوسروں کو ظاہر اور روشن کرنے والا ہے۔

”نُورٌ أَنِّي أَرَاهُ“ میں لفظ اُنّی کتاب کے نسخوں میں الف کے زبر اور نون کی تحدید کے ساتھ ہی منقول ہے اور اسی کے اعتبار سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے کہ ”اللہ تو ایک نور ہے“ میں اے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔“ لیکن بعض نسخوں میں نُورٌ اور اُنّی الگ الگ لفظ کے بجائے ایک ہی لفظ یعنی نُورٌ اُنّی منقول ہے (جس میں مشدّد نسبت کے لیے ہے اور الف اور نون زائد مبالغہ کے لیے ہیں) اس صورت میں ارہاء کا لفظ اظنہ کا مفہوم ادا کرے گا اور رؤیہ معنی رائے سے مشتق سمجھا جائے گا اور قال نورانی ارہاء کا یہ ترجمہ ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”میں اس پروردگار کو نورانی گمان

کرتا ہوں۔“

پس لفظ ارہاء کو اگر الف کے پیش کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی کے اعتبار سے زیادہ مناسب و موزوں ہوگا۔

ابن ملک نے اس حدیث کے ضمن میں لکھا ہے کہ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا یا نہیں؟ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت کو شب معراج میں کھلی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہوا ہے اور جو حضرات اس کا انکار کرتے ہیں دونوں ہی فریق الفاظ روایت کے مذکورہ بالا اختلاف کے سبب اس حدیث کو اپنی اپنی دلیل قرار دیتے ہیں کیونکہ اگر ”نور اُنّی ارہاء“ کی روایت سامنے رکھا جائے تو اس جملہ کے، استفہام بطریق انکار کے اسلوب کے پیش نظر اس عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ پروردگار کی ذات چونکہ نور محض ہے اور کوئی انسانی آنکھ اس کی طرف نظر اٹھانے پر قادر ہی نہیں ہو سکتی اس لیے میں کہتا ہوں کہ میں نے معراج کی رات میں اپنے پروردگار کو نہیں دیکھا ہے لیکن اگر نورانی ارہاء کی روایت کو دیکھا جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور نے معراج کی رات میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے البتہ یہ کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بات کہنے کے لیے حکایت ماضی میں غحال کا اسلوب اختیار فرمایا۔

آنحضرت ﷺ کو دیدار الہی سے متعلق ایک آیت کی تفسیر

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى وَلَقَدْ رَأَاهُ نَزْلَةً أُخْرَى
قَالَ رَأَاهُ بِفُؤَادِهِ مَرَّتَيْنِ - (رواہ مسلم وفی رواۃ الترمذی) قَالَ رَأَى
مُحَمَّدٌ رَبَّهُ قَالَ عِشْرَمَةُ قُلْتُ أَلَيْسَ اللَّهُ يَقُولُ لَا تَدْرِكُهُ

الابصار وهو يدرك الابصار قال وَيَحْكُ ذَالِكَ إِذَا تَحَلَّى
بُنُورِهِ الَّذِي هُوَ نُورُهُ وَقَدْ رَأَى رَبَّهُ مَرَّتَيْنِ -

”اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد ما کذب الفواد
ما رآی ولقد راہ نزلة اخرى ” اور محمد ﷺ کے دل نے محمد ﷺ
نے غلط نہیں کہا اس چیز کی بابت جو انہوں نے آنکھوں سے دیکھی یعنی
ذات اقدس تعالیٰ کو! اور حقیقت یہ کہ انہوں نے پروردگار کو ایک مرتبہ اور
دیکھا کہ تفسیر میں کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے پروردگار کو ایک مرتبہ
اور دیکھا کہ تفسیر میں کہتے ہیں کہ آنحضرت نے پروردگار کو دل کی
آنکھوں سے ہر مرتبہ دیکھا۔ مسلم اور ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ
حضرت ابن عباس نے (مذکورہ روایت کی تفسیر میں) کہا: ”محمد ﷺ نے
اپنے پروردگار کو دیکھا۔“ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (میں نے یہ سن
کر اپنا اشکال ظاہر کیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ (قرآن کریم
میں اپنی ذات کے بارے میں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لا تدرك
الابصار وهو يدرك الابصار (پھر آپ ﷺ کیسے کہتے ہیں کہ
آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ حضرت ابن عباس نے
عکرمہ کے اس اشکال کے جواب میں کہا کہ! تم پر افسوس ہے (کہ تم
بات نہیں سمجھ سکتے) حقیقت یہ ہے کہ یہ (مفہوم جو تم نے اس آیت
کے ذریعہ پیش کیا ہے) اس وقت کے لیے ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اپنی
خاص جلی ظاہر فرمائے اور اپنے اس نور کے ساتھ ظاہر ہو جو اس کی
ذات خاص کا نور ہے۔

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے پروردگار کو دو مرتبہ
دیکھا۔“

اس روایت میں حضرت ابن عباس جن آیتوں کی تفسیر اور وضاحت منقول ہے
دوسرے نجم کی ابتدائی آیتوں میں سے ہیں اور مفسرین کے ہاں ان آیتوں کے
بارے میں خاص اختلاف ہے کہ ان کا مدلول و محمول کیا ہے۔ صحابہ و تابعین اور ائمہ
مفسرین میں سے ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ سورہ نجم کی ان آیتوں میں درحقیقت
اس بات کا ذکر ہے کہ آنحضرت نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں
دو مرتبہ دیکھا ہے ایک مرتبہ تو نبوت کے بالکل ابتدائی زمانہ میں مکہ میں اور دوسری
مرتبہ شب معراج میں سدرة المنتہی کے پاس۔ اس کے برخلاف صحابہ و تابعین و ائمہ
مفسرین کی دوسری جماعت کا، جن میں حضرت ابن عباس کا نام نامی سرفہرست ہے
یہ کہنا ہے کہ ان آیات میں واقعہ معراج کا بیان اور آنحضرت کے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا
ذکر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے پروردگار کو دل کی آنکھوں سے دو مرتبہ دیکھا۔

یعنی اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کے قلب میں یربائی کی بھی وہ طاقت
”بیت فرمائی جو قلب میں ہوتی ہے، پس یہ کہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے پروردگار کو
چشم قلب دیکھا یا یہ کہ چشم سر دیکھا، دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، یہ مطلب اس لیے
اقتدار کیا گیا، تاکہ جو حضرات جیسے حضرت ابن عباس وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ
آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں پروردگار کو چشم سر دیکھا ہے، اور حضرات کہتے
ہیں کہ چشم قلب دیکھا ہے ان دونوں اقوال کی رعایت ہو جائے جیسا کہ اوپر اجمالاً
ذکر کیا گیا پہلے اختلاف تو یہی ہے کہ سورہ نجم کی ابتدائی آیتوں میں آنحضرت ﷺ
کے کس کو دیکھنے کا ذکر ہے حق تعالیٰ کو یا حضرت جبریل علیہ السلام؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حق تعالیٰ کو دیکھنا مراد لیتے ہیں جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی تائید میں ہیں اور سلف میں جمہور مفسرین کرام بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ان کے نزدیک دنی فتنی قاب قوسین اودانی کے الفاظ (جوان آیات میں آئے ہیں) معراج کے موقع پر بارگاہ ربوبیت میں آنحضرت ﷺ کے قرب اور پروردگار کے مشاہدہ و زیارت کا بیان ہے۔ پھر اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ شب معراج میں آنحضرت ﷺ نے پروردگار کو دل کی آنکھ سے دیکھا تھا سر کی آنکھوں سے نہیں اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ نہیں آپ ﷺ نے سر ہی کی آنکھوں سے اپنے پروردگار کو دیکھا، امام نووی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق اکثر علماء کے نزدیک ترجیحی قول یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ جو حضرات آیات مذکورہ میں آنحضرت ﷺ کا حضرت جبریل کو ان کی اصل صورت میں دیکھنا مراد لیتے ہیں ان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ان آیات میں حضرت جبریل علیہ السلام کے اس قرب و مشاہدہ کا بیان و ذکر ہے جو آنحضرت ﷺ کو جبریل امین کی اصل صورت کے ساتھ شب معراج میں اور اس سے پہلے ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں حاصل ہوا تھا۔ یہ اس وقت کے لیے ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی خاص تجلی ظاہر فرمائے۔ الخ کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات حق تعالیٰ کی مشیت اور قدرت پر منحصر ہے اگر اس کی ذات خاص کی تجلی ظاہر ہو تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کسی کی بھی نگاہ بصر کی توانائی برداشت کر سکتی ہو تو یقیناً نگاہ اس کی طرف اٹھ سکتی ہے اور آنکھیں دیدار و زیارت کی تاب لاسکتی ہیں! رہی اس آیت کی بات جس کا حوالہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے دیا تو اس کے متعلق علماء لکھتے ہیں کہ اس آیت میں ”ادراک“ کا ذکر ہے جس کے لغوی معنی کسی شے کا اس کے تمام اطراف

دجوانب اور تمام سرحدوں کے ساتھ احاطہ کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کے لیے نہ کوئی حد و نہایت ہے اور نہ اس کے اطراف و جوانب ہیں، اس کی ذات ان چیزوں سے ماوراء اور لامحدود ہے، اس معنی میں کوئی بھی نگاہ و بصر اس کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ لہذا اس آیت میں ”احاطہ“ کی نفی مراد ہے مطلق دیدار کی نفی مراد نہیں ہے۔ جس سے یہ اشکال واقع ہو کہ آپ کے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی بات اس آیت کے خلاف پڑتی ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے پروردگار کو دو مرتبہ دیکھا۔

میں ”دو مرتبہ“ کی وضاحت بعض محدثین نے یہ کی ہے کہ ایک مرتبہ سدرۃ المنتہی کے قریب اور ایک مرتبہ عرش پر، اور علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس جملے کے تحت یہ لکھا ہے کہ ”دو مرتبہ دیکھا“ سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں مرتبہ دل کی آنکھوں سے دیکھا، اور ایک مرتبہ سر کی آنکھوں سے یہ اختلاف مطالب اس لیے ہے کہ کسی بھی روایت میں وضاحت کے ساتھ منقول نہیں ہے (جیسا کہ اس روایت میں بھی نہیں) کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دوبار دیکھا۔

کیا آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا

وَعَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ لَقِيَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَعْبًا بِعَرَفَةَ فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ فَكَبَّرَ حَتَّى جَاوَبَتْهُ الْجِبَالُ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّا بَنُو هَاشِمٍ فَقَالَ كَعْبٌ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَسَمَ رُؤْيَاهُ وَكَلَامُهُ بَيْنَ مُحَمَّدٍ وَمُوسَى فَكَلَّمَ مُوسَى مَرَّتَيْنِ وَرَأَاهُ مُحَمَّدٌ مَرَّتَيْنِ قَالَ مَسْرُوفِي فَدَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ فَقُلْتُ هَلْ رَأَى مُحَمَّدٌ رَبَّهُ فَقَالَتْ لَقَدْ تَكَلَّمْتُ بِشَيْءٍ قَفَّ لَهُ شَعْرِي قُلْتُ رَوَيْدًا ثُمَّ قَرَأْتُ لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَةِ

رَبِّهِ الْكُبْرَى فَقَالَتْ أَيْنَ تَلْعَبُ بِكَ إِنَّمَا هُوَ جِبْرِيلُ مَنْ أَخْبَرَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَأَى رَبَّهُ أَوْ كَتَمَ شَيْئًا مِمَّا أَمَرَ بِهِ أَوْ يَعْلَمُ الْخَمْسَ النَّحْيُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ فَقَدْ أَغْطَمَ الْفَرِيَّةَ وَلَكِنَّهُ رَأَى جِبْرِيلَ لَمْ يَرَهُ فِي صُورَتِهِ إِلَّا مَرَّتَيْنِ مَرَّةً عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى وَمَرَّةً فِي أَحْيَادِهِ سِتْمَانَةَ جَنَاحٍ قَدْ سَدَّ الْأَفُقَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَى الشَّيْخَانُ مَعَ زِيَادَةٍ وَاحْتِلَافٍ وَفِي رَوَايَتِهِمَا قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ فَأَيْنَ قَوْلُهُ ثُمَّ ذَلْنِي فَتَذَلْنِي فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى قَالَتْ ذَاكَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَأْتِيهِ فِي صُورَةِ الرَّجُلِ وَأَنَّهُ آتَاهُ فِي صُورَتِهِ النَّحْيُ هِيَ صُورَتُهُ فَسَدَّ الْأَفُقَ -

”اور حضرت شعبی کہتے ہیں کہ عرفہ کے دن میدان عرفات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ احبار سے ملاقات کی اور ان سے ایک سوال دریافت کیا کہ کیا دنیا میں حق تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے؟ حضرت کعب رضی اللہ عنہ (نے اس سوال کو اتنا عجیب و غریب سمجھا کہ فرط حیرت سے انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور ان کے اس زور دار نعرے کی بازگشت سے پہاڑ گونج اٹھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم ہاشم کی اولاد ہیں!!

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اچھا تمہارے سوال کا مقصد اب میری سمجھ میں آیا تو سنو! اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار اور اپنے کلام کو محمد ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کیا (یعنی ایک کو اپنے کلام سے مشرف فرمایا اور ایک

کو اپنے دیدار کی سعادت عطا فرمائی) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا۔ ایک مرتبہ تو وادی ایمن میں اور دوسری مرتبہ کوہ طور پر اور محمد ﷺ نے (شب معراج میں) دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔“

حضرت مسروق (جو حدیث کے راوی ہیں اور جن سے حضرت شعبی رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں) کہتے ہیں کہ (میدان عرفات میں حضرت کعب اور حضرت ابن عباس کے درمیان ہونے والی اس بات چیت کو سن کر میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ کیا محمد ﷺ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ (مسروق) تم نے ایسی بات پوچھی ہے جس سے میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں (یعنی میرا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک و منزہ ہے کہ وہ کسی کو نظر آئے اس لیے میرے نزدیک دنیا میں اس کے دیدار کا واقع ہونا محال ہے اب تم نے یہ سوال پوچھا ہے تو اس کی اس ذات پاک کی عظمت و خوف کے مارے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، میں نے عرض کیا کہ ذرا توقف سے کام لیجیے (یعنی میرے سوال سے اتنا پریشان نہ ہوئے اور نہ ہی اتنی جلدی دیدار الہی کا انکار کیجیے میں چاہتا ہوں کہ آپ رضی اللہ عنہا ذرا میری بات پوری طرح سن لیں، پھر میں نے دیدار الہی کے ثبوت میں یہ آیت پڑھی لَقَدْ رَأَاهُ مِنْ آيَةِ رَبِّهِ الْكُبْرَى گویا حضرت مسروق نے اس آیت کے ذریعہ یہ ظاہر کیا کہ میرے نزدیک آیت میں ”بڑی نشانی“ سے مراد آنحضرت ﷺ پنجم سر یا پنجم قلب وہ دیدار الہی حاصل ہونا ہے جو پروردگار کی عظمت یا آنحضرت ﷺ کی تکریم و تعظیم پر دلالت کرتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر فرمایا کہ (مسروق) یہ آیتیں تمہیں کہاں لے جا رہی ہیں؟

یعنی درست نہیں سمجھ رہے ہوں آیتوں کا مطلب آنحضرت ﷺ کو دیدار الہی حاصل ہونا نہیں ہے بلکہ ”بڑی نشانی“ سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جن کو آنحضرت نے ان کی اصل صورت میں دیکھا۔

جو شخص تم سے یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں اپنے پروردگار کو دیکھا ہے، یا یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان چیزوں میں سے کچھ چھپایا ہے جن کے اظہار کا ان کو حکم دیا گیا تھا، اور یا یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ ان پانچ غیبی باتوں کا علم رکھتے تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آیت ان اللہ عنده علم الساعة وينزل الغيث میں ارشاد فرمایا ہے۔ تو بلاشبہ اس نے محمد ﷺ پر بہتان باندھا (جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے جو تم نے پڑھی ہے تو) اس کی مراد اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبریل کو (ان کی اصل صورت میں آپ ﷺ نے ایک مرتبہ تو سدرۃ المنتہی کے نزدیک) جیسا کہ اس آیت لفظ راہ نزلة اخرى عند سدرۃ المنتہی میں فرمایا گیا ہے۔ اور ایک مرتبہ (کہ کے نواح) اجیاد میں اور (آنحضرت ﷺ نے جبریل کو ان کی اصل صورت میں اس طرح دیکھا کہ) ان کے چھ سو بازو تھے اور انہوں نے افق کو گھیر رکھا تھا۔ اس روایت کو ترمذی نے (انہی الفاظ میں) اور بخاری و مسلم نے کچھ مزید اور مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

نیز بخاری و مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ مسروق نے (حضرت عائشہ سے کہا کہ) ”اگر آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا، تو پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا محمول و مصداق کیا ہے۔“ ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی حضرت عائشہ نے جواب دیا:

ان سب کی ضمیروں کا مرجع حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جو عام طور پر آنحضرت ﷺ کے پاس کسی انسان کی شکل و صورت میں (اور وہ بھی اکثر و بیشتر ایک صحابی حضرت وحیہ کلبی کی صورت میں) آتے تھے اور اس مرتبہ (کہ کے نواح اجیاد میں) اپنی صورت میں آئے جو ان کی اصل صورت ہے اور انہوں نے پورے افق کو گھیر رکھا تھا۔

توضیح و تشریح: ”ہم ہاشم کی اولاد ہیں۔“

یعنی ہم صرف اس قبیلہ و خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو ویسے بھی علم و فضیلت، عقل و فراست، اور سمجھ بوجھ کے اعتبار سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے بلکہ اس خاندان کے باگاہہ نبوت سے قربت و نسبت رکھنے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں علوم و انوار سے اکتساب کرنے کے موقع ہمیں زیادہ بہتر طریقہ پر میسر ہوا ہے اور اس سب سے بڑی خاندانی نسبت و امتیاز کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم و معرفت سے سرفراز فرمایا ہے لہذا مجھ سے یہ توقع نہ رکھیے کہ میں کوئی ایسا سوال کروں گا جو علم و عقل سے بعید ہو، میں نے جو کچھ پوچھا ہے اس گہرائی میں پہنچنے کی کوشش کیجیے اور میرے سوال پر حیرت و غصہ کرنے کی بجائے غور و فکر کر کے جواب دیجیے کہ کیا دنیا میں حق تعالیٰ کا دیدار فی الجملہ ممکن ہے۔ دراصل جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مذکورہ سوال کیا تو حضرت کعب رضی اللہ عنہما یہ سمجھے کہ ابن عباس دنیا میں مطلق دیدار الہی کے بارے میں پوچھ رہے ہیں، اس پر انہیں حیرت ہوئی اور ان کے اس سوال کو انہوں نے بعید از عقل جانا لیکن جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے بارے میں ذرا زور دار الفاظ کا اظہار کیا تو حضرت کعب رضی اللہ عنہما احبار کو ان کے سوال میں غور و فکر کرنا پڑا اور تب وہ ان کی مراد سمجھے کہ ان سوال میں مطلق دیدار الہی مراد نہیں ہے بلکہ فی الجملہ

دیدار الہی مراد ہے، اس کے بعد انہوں نے جواب دیا کہ صرف آنحضرت ﷺ کے لیے دیدار الہی ممکن ہے جو آپ کو شب معراج میں حاصل ہوا۔

یابہ کہ آنحضرت ﷺ نے ان چیزوں میں سے کچھ چھپالیا ہے..... الخ۔ میں ”ان چیزوں“ سے مراد احکام و شرائع ہیں جن کا لوگوں تک پہنچانا آنحضرت ﷺ کے لیے ضروری قرار دیا گیا جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

بایہا الرسول بلغ ما أنزل إليك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔

”اے پیغمبر ﷺ! جو کچھ احکام و شرائع اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں تک پہنچا دیجیے اور اگر ایسا نہ کیا تو آپ خدا کا پیغام پہنچانے میں قاصر رہے۔“

اور ”چھپانے“ کا مفہوم عام ہے کہ خواہ تمام احکام و شرائع کو چھپانے کے بارے میں کہا جائے یا ان احکام و شرائع میں سے کچھ کو۔

اس سے شیعہ لوگوں کی اس گمراہ کن بات کی تردید ہو جاتی ہے کہ کچھ احکام و شرائع ایسے ہیں جن کو آنحضرت ﷺ نے اپنے اہل بیت کے لیے مخصوص رکھا ہے، ان کا دائرہ پوری امت تک وسیع نہیں کیا۔ ”تو پھر اللہ کے اس ارشاد کا محمول و مصداق کیا ہے“ کے ذریعہ حضرت مسروق نے سورہ نجم کی ان تمام آیات کی طرف اشارہ کیا جن کے بارے میں صحابہ و تابعین اور ائمہ مفسرین کرام کے اختلافی اقوال کا ذکر پیچھے بھی کیا جا چکا ہے وہ آیتیں یہ ہیں: ”ثم دنی فندلی ۵ فکان قاب قوسین او ادنی ۵ فلو حی الی عبدہ ما وحی ۵ ما کذب الفواد وما رای ۵“ ”وہ آپ کے نزدیک آیا پھر اور نزدیک آیا تو دونوں کمانوں کے برابر

فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم پھر خدا نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ انہوں نے دیکھا ان کے دل نے اس کو جھوٹ نہ جانا۔“

پس بظاہر ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ دنی کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف پھرتی ہے اسی طرح تدلی اور فکان قاب قوسین میں کان کی ضمیریں بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف راجع ہیں جس کا ایک ظاہری قرینہ فاوحی کی ضمیر ہے کہ اس کا مرجع یقینی طور پر اللہ تعالیٰ ہے۔

اس بنیاد پر حضرت مسروق نے اشکال ظاہر کیا کہ اگر شب معراج میں آنحضرت ﷺ کو دیدار الہی حاصل نہیں ہوا تھا تو ان آیتوں کے کیا معنی ہوں گے؟ اس اشکال کا جواب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیا کہ ان افعال کی ضمیروں کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے ہی نہیں بلکہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔

لہذا یہ سمجھنا کہ ان آیتوں سے آنحضرت ﷺ کا اللہ تعالیٰ کا دیکھنا ثابت ہوتا ہے غیر درست نتیجہ اخذ کرنا ہے پھر حضرت عائشہ نے کسان یاتیہ فی صورۃ الرجل کے ذریعہ ایک اور اشکال کا جواب دیا کہ اگر یہ سوال پیدا ہو کہ حضرت جبریل علیہ السلام کو تو آنحضرت ﷺ برابر دیکھا ہی کرتے تھے پھر شب معراج میں ان کو دیکھنے کو اس اہتمام کے ساتھ بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گویا اس اشکال کے دفعیہ کے لیے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام عام طور پر آنحضرت کے پاس انسانی شکل و صورت میں آیا کرتے تھے وہ آپ کے سامنے اپنی اصل صورت کے ساتھ صرف دو مرتبہ آئے ہیں، ایک دفعہ تو نبوت کے بالکل ابتدائی زمانہ میں مکہ مکرمہ میں جب آنحضرت ﷺ نے ان کو اس طرح دیکھا تھا کہ ان کے چہ سوا زو تھے۔ اور پورا اتفاق ان سے معمور تھا اور پھر اسی

اصل صورت و ہیئت کے ساتھ دوسری مرتبہ شب معراج میں سدرۃ المنتہی کے پاس آپ ﷺ کو نظر آئے تھے۔ حاصل یہ کہ حضرت ابن عباس نے حضرت کعب احبار کے قول سے استدلال کرتے ہوئے اس کو اختیار کیا کہ آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دو مرتبہ دیکھا ہے بایں احتمال کہ دونوں مرتبہ بصر (سر کی آنکھوں) سے دیکھا ہو یا بصیرت (دل کی آنکھوں) سے یا یہ کہ ایک مرتبہ تو چشم سر دیکھا ہو اور ایک مرتبہ چشم قلب، اگر اس بات پر اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو چشم سر دو مرتبہ نہیں دیکھا ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس سے انکار کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا، تو ان کے اس انکار کو مطلق انکار پر محمول کیا جاسکتا ہے اور مقید انکار پر بھی۔

مطلق انکار کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ سرے سے آنحضرت ﷺ کے دیدار الہی کی منکر ہیں، خواہ چشم قلب دیکھنا مراد لیا جائے یا چشم سر، اور مقید انکار کا مطلب یہ ہے کہ وہ چشم سر دیکھنے کی منکر ہیں، چشم قلب دیکھنے نہیں لیکن حضرت عائشہ کے اس ارشاد کو دیکھتے ہوئے زیادہ درست یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے انکار کو مطلق انکار پر محمول کیا جائے۔ اور حافظ ابن حجر یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثبات اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار کے درمیان جو تضاد ہے اس کو دور کرنے کے لیے یا تاویل کی جانی چاہیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا انکار چشم سر دیکھنے پر اور حضرت ابن عباس کا اثبات چشم قلب دیکھنے پر محمول ہے، لیکن چشم قلب دیکھنے کا مطلب ”بمجرد علم“ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا علم و عرفان تو حضور ﷺ کو ہر وقت ہی حاصل رہتا تھا۔

اس کو شب معراج کے ساتھ مخصوص کر کے بیان کرنے کے کوئی معنی نہیں ہوں گے، لہذا چشم قلب دیکھنے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اس خاص موقع پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے قلب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل کیا جو کوئی شخص آنکھوں کے ذریعہ دوسری چیزوں کا حاصل کرتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر و تحقیق

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ فِي قَوْلِهِ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ وَفِي قَوْلِهِ مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ وَفِي قَوْلِهِ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ قَالَ فِيهَا كَلَّهَا رَأَىٰ جِبْرِيلَ لَهُ سِتْمَائَةٌ حَنَاحٌ -

متفق علیہ

وَفِي رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ قَالَ رَأَىٰ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِبْرِيلَ فِي حُلَّةٍ رَفِيفٍ قَدْ مَلَأَ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ لِلْبَحَارِ فِي قَوْلِهِ وَلَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ قَالَ رَأَىٰ رَفْرَفًا أَخْضَرَ سَدَّ أَفْقَ السَّمَاءِ وَسُيِّلَ مَالِكُ ابْنِ أَنَسٍ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَىٰ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاطِرَةٌ فَقِيلَ قَوْمٌ يَقُولُونَ إِلَىٰ ثَوَابِهِ فَقَالَ مَالِكُ كَذَبُوا فَأَيْنَ هُمْ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَىٰ كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمِئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ قَالَ مَالِكُ النَّاسُ يَنْظُرُونَ إِلَى اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَعْيُنِهِمْ وَقَالَ لَوْ لَمْ يَرَ الْمُؤْمِنُونَ رَبَّهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَمْ يُعَيِّرِ اللَّهُ الْكَافِرَ بِالْحِجَابِ فَقَالَ كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمِئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ - رواه في شرح السنة

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد طےکان قاب قوسین
او ادنیٰ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ما کذب الفواد ما رای اور اللہ
تعالیٰ کے اس ارشاد لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ ان سب آیتوں کی تفسیر
میں کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو (ان کی اصل صورت
میں) دیکھا۔ اور در آنحالیکہ ان کے چہ سو بازو تھے۔

اور ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اللہ
تعالیٰ کے اس ارشاد ما کذب الفواد ما رای کی تفسیر میں کہا:
”آنحضرت ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا جو سبز پتروں کا جوڑا
پہنے ہوئے تھے اور زمین کی فضا ان سے معمور تھی۔“

نیز ترمذی اور بخاری کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت ابن
مسعود نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ولقد رای من آیات ربہ الکبریٰ کی
تفسیر میں کہا کہ آنحضرت ﷺ نے جامہ سبز پوش (یعنی جبریل علیہ السلام) کو
دیکھا جنہوں نے پورے آسمانی افق کو گھیر رکھا تھا۔

اور حضرت امام مالک بن انس سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد الی ربہا ناظرۃ کے
بارے میں پوچھا گیا اور ان سے بتایا گیا کہ کچھ لوگ یعنی معتزلہ و شیعہ اور ان کے
دیگر اہل بدعت کہتے ہیں کہ اس آیت میں ”اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنے“ سے مراد اللہ
تعالیٰ کی ذات کو دیکھنا نہیں ہے بلکہ اس کے ثواب کو دیکھنا مراد ہے؟

تو حضرت امام مالک نے فرمایا کہ وہ لوگ جھوٹے ہیں، آثران کی سمجھ کہاں
جلی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کلا انہم عن ربہم یومئذ
لمسحوبون کو نہیں دیکھتے، پھر حضرت امام مالک علیہ السلام نے فرمایا: (اس میں کوئی

شبہ نہیں کہ) مسلمان لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے
اور فرمایا: اگر (یہی بات) ہوتی کہ اہل ایمان قیامت کے دن اپنے پروردگار کو نہیں
دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ کفار کو پدارالہی سے محرومی کا عار نہ دلاتا اور یہ نہ فرماتا کہ کلا
انہم عن ربہم یومئذ لمسحوبون اس روایت کو امام بغوی رحمہ اللہ نے شرح
المنہ میں نقل کیا ہے۔

توضیح و تشریح: ”آنحضرت ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا“ کے ذریعہ حضرت
ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ واضح کیا کہ سورہ نجم کی ان آیتوں کی تفسیریں حضرت جبریل علیہ السلام
کی طرف راجع ہیں اور ان کا محمول و مصداق آنحضرت ﷺ کو حضرت جبریل کی
رأیت قرب ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت و قرب مراد ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن
عباس کہتے ہیں پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ تاویل و تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
کی اس تاویل و تفسیر کے مطابق ہے جو ان آیتوں سے متعلق پہلی حدیث میں ذکر
کی گئی۔

واضح رہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی جلالت شان اور ان کا کمال علم
سلک ہے اور علمائے کبار کہ غلطاء اربعہ کے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی تمام صحابہ
میں سب سے بڑے عالم تھے۔

بہر حال ان روایات و اقوال سے معلوم ہوا کہ شب معراج میں آنحضرت ﷺ
کے اللہ تعالیٰ کو چشم سر دیکھنے کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں اختلاف ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بات سے انکار ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کے
کامل ہیں، ان میں سے ہر ایک کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تائید حاصل ہے کہ کچھ صحابہ
رضی اللہ عنہم تو حضرت عائشہ کے ساتھ ہیں اور کچھ صحابہ حضرت ابن عباس کے ساتھ، پھر

صحابہ کرام کے بعد تابعین عظام و علمائے سلف بھی اسی نقش قدم پر گئے ہیں۔

کچھ تو یہ کہتے ہیں کہ شب معراج میں آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کچھ حضرات اس کا انکار کرتے ہیں، لیکن ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے سکوت و توقف اختیار کیا اور کسی بھی فریق کے ساتھ نہیں ملے ہیں، ان حضرات کا کہنا ہے کہ دونوں میں سے کسی جانب بھی واضح دلیل نہیں ہے اس لیے ہم یہی بہتر سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں خاموش رہا جائے اور حقیقت حال اللہ کے سپرد کر دی جائے کہ اصل بات اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تاہم جمہور علماء کرام اسی کے قائل ہیں کہ شب معراج میں آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا عینی دیدار حاصل ہوا ہے، حضرت شیخ محی الدین نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر علمائے کبار کے نزدیک رائج اور مختار یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے معراج کی رات میں اپنے پروردگار کو سر کی آنکھوں سے دیکھا۔

نیز انہوں نے کہا کہ اس کا اثبات آنحضرت ﷺ سے سماعت کے بعد ہی ہوا ہے (کہ حضرت ابن عباس نے جو یہ کہا ہے کہ آنحضرت کو شب معراج میں اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہوا تو انہوں نے یہ بات آنحضرت ﷺ سے سننے کے بعد ہی کہی تھی، جبکہ حضرت عائشہ نے اس کے انکار میں حدیث سے استدلال نہیں کیا ہے اور اس بارے میں آنحضرت ﷺ نے کچھ سن کر روایت نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ قرآن کی اس آیت ما کان لبشر ان ینکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب اور اس آیت لا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار سے ان کے اپنے استنباط و اجتہاد کا نتیجہ ہے جب کہ ان آیتوں کے بارے میں بھی ائمہ مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ پہلی آیت ما کان لبشر ان ینکلمہ اللہ میں جو

نفی بیان کی گئی ہے۔

وہ حالت روایت میں کلام کی نفی ہے جس سے روایت بے کلام کی نفی قطعاً لازم نہیں آتی اور دوسری آیت لا تدركه الابصار الخ۔ میں ”ادراک“ کا ذکر ہے جس کے معنی ”احاطہ“ کے ہیں اور احاطہ کی نفی سے مطلق روایت کی نفی مفہوم نہیں ہوتی۔

بعض دوسرے علماء نے بھی لکھا ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں حضرت ابن عباس ہی کے قول پر زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے اور یہ طے ہے کہ انہوں نے یہ بات آنحضرت ﷺ سے سنے بغیر نہیں کہی تھی اور یہ ممکن بھی نہیں کہ وہ اتنی بڑی بات اپنے ظن و اجتہاد سے کہیں، منقول ہے کہ حضرت ابن عمر حضرت ابن عباس سے کافی بحث و تکرار کی اور پوچھا کہ کیا واقعہ محمد نے اپنے پروردگار کو دیکھا تھا، حضرت ابن عباس نے پورے وثوق کے ساتھ جواب دیا کہ ہاں دیکھا تھا، چنانچہ حضرت ابن عمر نے ان کی بات کو قطعی طور پر تسلیم کیا اور کسی تردد و انکار کا اظہار نہیں کیا۔ حضرت عمر ابن راشد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ہمارے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے زیادہ علم کی حامل نہیں ہیں اس لیے ان کے مقابلہ پر حضرت ابن عباس ہی کے قول کو رائج اور قابل اعتماد قرار دیا جائے گا۔ امام مالک کی روایت کی طرف آئیے جب ان سے بتایا گیا کہ کچھ لوگ جیسے معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ آخرت میں اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھیں گے اور قرآن کی اس آیت اِلیٰ ربہا ناظرة کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھنے کے بجائے اس کے ثواب یعنی جنت کی نعمتوں اور وہاں کے مراتب و درجات کو دیکھنا مراد ہے تو امام مالک نے ان لوگوں کی زبردست تردید کی اور فرمایا کہ وہ لوگ عقل و سمجھ سے کوسوں دور ہیں کہ

بالکل ظاہر معنی رکھنے والی اس آیت کی غلط تاویل تو کرتے ہیں لیکن اس آیت کلام انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون کو نہیں دیکھتے جس میں اہل کفر کو اسی بات کا عار دلایا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن پروردگار کے دیدار سے روک دیئے جائیں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی سعادت سے محروم رہیں گے۔

جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور اس کے دیدار کی سعادت سے مشرف ہوں گے!

اگر یہی بات ہو تو اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے دیدار کی سعادت حاصل نہیں کریں گے۔ تو پھر اہل کفار کو اس سعادت سے محرومی کی اس بھرپور انداز میں خبر دینے اور انہیں عار دلانے کی کیا ضرورت تھی معلوم ہوا کہ آخرت میں اہل کفار کے حق میں سب سے بڑا عذاب یہ ہوگا کہ وہ دیدار الہی سے محروم و مخدول قرار دیئے جائیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ اس محرومی کی حسرت میں مبتلا رہیں گے جس طرح کہ اہل ایمان کے حق میں سب سے بڑا اجر و ثواب دیدار الہی ہوگا اور وہ نعمت دیدار سے محفوظ اور مشرف ہوں گے۔

دیدار الہی میں کسی طرح کی مزاحمت نہیں ہوگی

وَعَنْ أَبِي رَزِينٍ الْعُقَلِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَكُلْنَا يَرَى رَبَّهُ مُخْلِياً بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ بَلَى قَالَ قُلْتُ وَمَا آيَةُ ذَلِكَ فِي خَلْقِهِ قَالَ يَا أَبَا رَزِينٍ الْبَسَ كُلُّكُمْ يَرَى الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ مُخْلِياً بِهِ قَالَ بَلَى قَالَ فَإِنَّمَا هُوَ خَلْقٌ مِنْ خَلْقِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَجَلٌ وَأَعْظَمُ -

(رواہ ابوداؤد)

”اور حضرت ابورزین عقیلیؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول

اللہ! کیا (قیامت کے دن) ہم میں سے ہر شخص بلا مزاحمت غیر تنہا اپنے پروردگار کو دیکھے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں“ ابورزینؓ کہتے ہیں کہ پھر میں نے پوچھا کہ کیا پروردگار کی دنیاوی مخلوق میں اس کی کوئی مثال ہے؟ فرمایا: ابورزینؓ!

کیا تم میں سے ہر شخص چودھویں شب میں چاند کو بلا مزاحمت غیر تنہا نہیں دیکھتا؟ میں نے عرض کیا کہ بے شک دیکھتا ہے، فرمایا: چاند تو اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ پروردگار کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے۔ اور پروردگار بہت بزرگ و برتر ہے یعنی جب چاند کو جو پروردگار کی ایک مخلوق ہے، ہر شخص بلا مزاحمت و رکاوٹ دیکھ سکتا ہے تو جب بزرگ و برتر اپنا دیدار کرانا چاہے گا، اس کو ہر شخص بلا مزاحمت و رکاوٹ کیوں نہ دیکھ سکے گا۔“

دیدار الہی کی کیفیت

وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا أَهْلُ الْجَنَّةِ فِي نَعِيمِهِمْ إِذْ سَطَحَ لَهُمْ نُورٌ فَرَفَعُوا رُؤُسَهُمْ فَإِذَا الرَّبُّ قَدْ أَشْرَفَ عَلَيْهِمْ مِنْ فَوْقِهِمْ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ قَالَ وَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبِّ الرَّحِيمِ قَالَ فَنَظَرَ إِلَيْهِمْ وَبَنُظُرُونَ إِلَيْهِ حَتَّى يَحْتَجِبَ عَنْهُمْ وَيَتَّقَى نُورَهُ -

(رواہ ابن ماجہ)

”حضرت جابرؓ جناب نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) جب جنتی اپنی حاصل شدہ نعمتوں سے لذت و کیف

اٹھانے میں مشغول ہوں گے کہ اچانک ان کے سامنے ایک عظیم نور پھیل جائے گا وہ (اس نور کو دیکھنے کے لیے) اپنا سراٹھائیں گے تو کیا دیکھیں گے کہ ان کے اوپر پروردگار جلوہ گر ہے۔ اور پروردگار ان سے فرمائے گا کہ اہل جنت! السلام علیکم اور یہ (یعنی اس وقت پروردگار جنتیوں کو سلام کرنا) قرآن کریم کے اس ارشاد سلام قولا من رب الرحیم سے ثابت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ جنتیوں کی طرف دیکھے گا اور جنتی اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے اور وہ دیدار الہی میں اس قدر محو ہوں گے کہ اس وقت جنتیوں کی نعمتوں میں سے کسی چیز کی طرف توجہ والفات نہیں کریں گے تاکہ آنکھ پروردگار ان کی نظروں سے مخفی ہو جائے گا اور اس کا نور باقی رہ جائے گا۔“

توضیح و تشریح: ”تا آنکہ پروردگار ان کی نظروں سے مخفی ہو جائے گا۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جب تک چاہے گا ان کی نظروں کے سامنے خود کو جلوہ گر رکھے گا اور ان کی آنکھوں کے سامنے حجاب حائل کر دے گا لیکن اس کے جلوے کی نورانیت اور اس کے دیدار سے حاصل ہونے والے کیف و سرور کا خمار باقی رہے گا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ حجاب اور جنتیوں کی نظر سے پروردگار کا مخفی ہو جانا بھی اس کی طرف سے اپنے بندوں پر ایک طرح کا لطف و کرم ہی ہوگا کیونکہ پروردگار کا اہل جنت کو برابر اپنی درگاہ اور حضور و شہود میں رکھنا اور ہر وقت ان کی نظر کے سامنے جلوہ گر رہنا ایک ایسی صورت حال ہوگی جو جنتیوں کی تاب و طاقت سے باہر ہوگی، ظاہر ہے کہ ایک دفعہ دیدار کرنے کے بعد پھر ان کو اتنے عرصہ کی ضرورت ہوگی جس میں وہ خود کو سنبھال سکیں اور اپنی اصلی حالت پر واپس آجائیں تاکہ جنت کی دوسری

نعتوں سے لطف اندوز ہو کر ذات باری تعالیٰ کی تجلی کا استحقاق نئے سرے سے حاصل کر سکیں اور ہر بار دیدار الہی کا نیا ذوق اور نیا کیف و سرور حاصل کریں۔

زلزلہ آؤٹ

قرآن و سنت کے ڈھیر سارے دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کے باوجود شیعہ حضرات دیدار الہی سے انکار کیوں کرتے ہیں؟ ان کے انکار کرنے کے لیے اہم دو سبب نظر آرہے ہیں۔ قارئین کرام نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ شیعہ حضرات کے تمام عقائد و اعمال قرآن و سنت کی پاکیزہ تعلیمات سے ٹکرا رہے ہیں اور تمام عقائد و اعمال میں سے کوئی عقیدہ و عمل قرآن و سنت کے مطابق و موافق نہیں ہے۔ شیعہ حضرات کے اختیار کردہ عقائد و اعمال کے برخلاف مسلمانوں کا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں یوم القیامت کا واقعہ ہونا لازم اور ضروری ہے۔

اور یہ بات بھی قطعی اور یقینی ہے کہ اس تمام کائنات کی تخلیق کرنے والا خلاق عالم اللہ رب العزت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کر کے بیکار و عبث نہیں چھوڑا کہ شربے مہار کی طرح ہم جو چاہیں کریں۔ اللہ رب العزت نے ہماری رہبری و رہنمائی کے لیے آخری نبی ﷺ مبعوث فرمایا، اور انہیں کی ذات گرامی پر اپنی کتاب بین نازل فرما کر دنیا میں زندگی گزارنے کے اصول مہیا فرمادیئے۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہی نے اچھائی اور برائی کی نشاندہی فرمائی اور جنت و دوزخ کی راہوں کی وضاحت فرمائی کہ یہ انسان ایمانی ساز و سامان سے پس ہو کر میرے بتلائے ہوئے راستہ پر چلے تو دنیا و آخرت کی کامیابیاں اس مومن کے قدم چومیں گی، اور جو انسان ایمانی قوت و طاقت سے خالی ہو اور

میرے بتائے ہوئے راستے سے ہٹ کر غیروں کے راستے پر چلے وہ نتیجہ کے لحاظ سے دنیا و آخرت میں ناکام و نامراد رہے گا۔

بنا بریں شیعہ حضرات کے اختیار کردہ عقائد و اعمال، قرآن و سنت کی بنیادی تعلیمات سے منحرف اور کوسوں دور ہیں اور انہیں اپنے اختیار کردہ عقائد و اعمال، تاریک ترین آئینہ ان کی آنکھوں کے سامنے بڑا صاف و شفاف نظر آ رہا ہے۔ اس قسم کے تاریک ترین اور بد اعمال اختیار کرنے والے لوگ کب چاہتے ہیں کہ ہم اللہ رب العزت کی بارگاہ مقدس میں حاضری دیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی برحق عدالت عالیہ میں اپنے کیے کا حساب و کتاب دے دیں۔

انہوں نے ایک سوچے سمجھے منصوبہ بندی کے تحت اپنے ہمنواؤں کو خوش کرنے کے لیے یہ عقیدہ گھڑ لیا کہ..... بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست بابر بادشاہ کے درباری ملا ”شیعہ ملا ہی تو تھے“ بباگ دہل کہتے تھے کہ یہ دنیا آزمائش گاہ نہیں بلکہ عشرت کدہ ہے، یوم آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا ہی نہیں۔ اگر دیدار الہی کا اقرار کر لیا تو پھر حسی اولاد کون پیدا کرے گا؟

اس وجہ سے دیدار الہی کے اقرار کرنے کے بجائے انکار کرنا ہی بہتر ہے۔ حالانکہ قرآن و سنت کے واضح احکامات کے باوجود یہ بات عقل بھی تسلیم کرتی ہے کہ ایک دن ضرور بالضرور ایسا آنے والا ہے جس میں ہمارے ساتھ انصاف کیا جائے گا اور ہمیں اپنے کیے کا حساب اللہ تعالیٰ کی عدالت عالیہ میں دینا ہوگا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ دار آخرت میں دیدار الہی کے امیدوار بھی ہیں کہ ہمیں دیدار الہی نصیب ہو کیونکہ جنت کی تمام نعمتوں سے بہتر اور آخری نعمت دیدار الہی ہے۔ ورویۃ اللہ حق اور دار آخرت میں دیدار الہی کا واقع ہونا برحق اور سچ ہے۔ دوسرا سبب دیدار الہی سے انکار کرنے کا یہ ہے کہ شیعہ حضرات نے اپنی طمع ساز فیکٹری میں ایسی

احادیث گھڑی ہیں کہ دنیا میں آنے والے کذاب اور دجال بھی ان من گھڑت خود ساختہ احادیث کو دیکھ کر شرمائیں گے۔ جب شیعہ حضرات کے نزدیک یوم القیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوگا تو آخر کسی کا دیدار تو ہونا چاہیے؟ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے، یا علی انت قسیم النار والجنة اے علی رضی اللہ عنہ! آپ ہی جنت و دوزخ کو تقسیم کرنے والے ہیں۔ اللہ کے پڑے میں زبانی توحید کے سوا کیا ہے؟ کہتے ہیں اللہ سے مدد کیوں مانگتے ہو؟ علی سے مدد مانگو، علی مشکل کشا و حاجت روا ہے، یہاں بھی علی رضی اللہ عنہ کے نعرے لگائیں اور آخرت میں بھی یا علی مدد کے نعروں کا بازار گرم ہونا چاہیے بس جنت ہماری میراث ہے۔

بلکہ آج کل شیعہ حضرات کے آیت اللہ اور علماء و ذاکرین کہتے ہیں کہ جس نے ایک دفعہ نعرہ حیدری ”یا علی مدد“ مارا اُسے چالیس قرآن مجید کے ختم کا ثواب ملے گا۔ تب ہی تو شیعہ حضرات میں ایک حافظ قرآن بھی نہیں ملتا۔ کیونکہ ان کے علماء و ذاکرین کہتے ہیں کہ قرآن مجید حفظ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، امام باڑہ میں بیٹھ کر بھنگ چرس پی لیا کریں امام جنت کا ضامن ہے۔ علی رضی اللہ عنہ کا ملنگ بنو اور علی رضی اللہ عنہ ہی سے مدد مانگو، علی ہی جنت دے گا۔ کیونکہ علی اور بارہ امام تمام کے تمام وارثان جنت ہیں۔ دیدار الہی سے انکار کرنے پر اتریں تو یہ دلیل پیش کرتے ہیں۔

لا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار

جی ادراک کسی کا نہیں۔ لیکن امام مزعوم و موهوم امام غائب کے بارے میں ادراک کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور رات دن یوں پکارتے ہیں۔

يَا صَاحِبَ الزَّمَانِ اَذْرِ كُنْجِي ”اے امام زمانہ! ہمیں ادراک کر لیں۔“ تمام ادراک کی قوتیں امام کو حاصل ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ادراک کی قوت غائب ہے۔ یا اللہ العالمین! ہمیں آخرت میں اپنے دیدار سے مشرف فرمائیں، آمین۔

③..... مناظرہ تونسہ شریف عدالت کے کٹہرے میں

مباحث

- (۱) جنازۃ الرسول
- (۲) حدیث قرطاس
- (۳) خلافت و امامت
- (۴) تبرئ بازی
- (۵) توہین اہل بیتؑ
- (۶) عدالت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

مناظرہ تونسہ شریف عدالت کے کٹہرے میں

بستی ڈگروالی نزد قصبہ وھوا تحصیل تونسہ ضلع ڈیرہ غازی خان 20/10/2001 کو تبلیغی جماعت کے ساتھی دعوت و تبلیغ دین کی خاطر بستی ڈگروالی میں تشریف لے گئے۔ بعد نماز عصر جامع مسجد صدیقیہ میں بیان ہوا۔ بیان کے بعد حسب معمول گشت کرنے کے لیے چند افراد کی تشکیل دے کر اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر کے ساتھ باہر بستی کی طرف چل پڑے۔ دوران گشت چند آدمیوں کو اکٹھا کر کے دعوت اصلاح اور کلمہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو دھرایا۔ ان افراد میں ایک آدمی جس کا نام الطاف احمد تھا کہنے لگا کہ جو کلمہ تم نے سنایا وہ اصلی اور حقیقی ہرگز نہیں، اصلی کلمہ اسلام و ایمان، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفہ بلا فصل ہے۔

قارئین کرام! آپ لوگ تمام تبلیغی حضرات سے بخوبی واقف ہیں کہ یہ لوگ اختلافی مسائل کو ہرگز نہیں چھیڑتے، چنانچہ حسب معمول واپسی پر اللہ تعالیٰ کا ذکر و فکر اور استغفار پڑھتے ہوئے مسجد کی طرف پلٹ گئے۔

نماز مغرب ادا کرنے کے بعد الطاف احمد نے آٹھ صفحات پر مشتمل ایک ایسا تحریر نامہ لکھ ڈالا۔ جس میں خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، خلیفہ دوم سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، سوم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، بن عفان کے خلاف ہرزہ سرائی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نعوذ باللہ کذاب، منافق اور بے دین جیسے برے الفاظ و القاب کے ساتھ یاد کیا گیا۔ الطاف احمد نے مذکورہ بالا صفحات کا نوشتہ تبلیغی

بھائیوں کے حوالہ کر دیا کہ پہلے اس نوشتہ کا جواب دیں، بعد میں اپنا تبلیغی مشن جاری رکھیں۔ چنانچہ تبلیغی بھائیوں نے مذکورہ نوشتہ پڑھا تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اور بغیر کسی تاخیر کے مذکورہ بالا نوشتہ مقامی لوگوں کے حوالہ کر دیا۔ دیہاتی لوگ اکثر کھیتی باڑی میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس لیے حسب مشورہ نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد مذکورہ نوشتہ کا مسئلہ آگے بڑھانے کا مشورہ طے ہوا۔

چنانچہ ڈگر بستی والی کے تمام لوگ بروز جمعہ اکٹھے ہوئے، گفت و شنید کے بعد اس نتیجہ پر پہنچیں کہ اگر الطاف احمد اپنے نوشتہ کے بارے پیشگی معافی مانگ لیں تو یہ سب سے بہتر ہے۔ کیونکہ یہ ہماری بستی کا معاملہ ہے اور بالکل ایک الگ تلگ ذاتی قسم کا معاملہ ہے۔ کہیں حالات خراب نہ ہو جائیں، امن و امان قائم ہو، مل جل کر امن و سکون سے رہنا چاہیے۔

الطاف احمد کو معافی مانگنے کے لیے کس کو مقرر کر دیا جائے کہ اسے اچھے طریقے سے سمجھا جائے۔ اس کام کے لیے منظور احمد حیدری کو مقرر کیا گیا جو الطاف احمد کا چچا زاد بھائی بھی ہے۔ چنانچہ منظور احمد حیدری نے پنچایتی صلاح و مشورہ کا امن پسند پیغام پہنچایا کہ آپ اپنے نوشتہ سے معذرت کر لیں یا پیشگی معافی مانگ لیں۔

تاکہ ہماری بستی کے حالات اور امن و امان ابتر نہ ہو جائے۔ الطاف احمد تیز دھند لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہنے لگا مجھے بہتر حالات اور آپ لوگوں کے امن و سکون سے کوئی سروکار نہیں، حالات کا رخ جیسا بھی ہو، جو نوشتہ میں نے لکھا ہے وہ میں نے باہوش و حواس لکھا ہے اور صدق و حقیقت پر مبنی ہے۔

اگر تمہارے سنی علماء میں کچھ ایمانی غیرت اور حمیت موجود ہے تو مذکورہ نوشتہ کا نقد جواب دے دیں۔

اور میرا چیلنج ہے کہ قیامت تک کوئی مائی کالال اس نوشتہ کا جواب دے ہی نہیں سکتا۔ منظور احمد حیدری نے ایک بار پھر اسے نازک موڑ پر پہنچنے کی ناگفتہ بہ حالت پر تبصرہ کیا اور حکمت و مصلحت اندیشی پر مبنی نصائح سے سمجھایا لیکن الطاف احمد نے مزید شدید سے شدید تر لہجہ میں جواب دیا کہ ہماری بات ایک ہوتی ہے، ہم حسینی ہیں، ہم مقرر کردہ ہدف سے پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ہم نے کبھی مصلحت و حکمت کے راستے اپنائے ہیں، ہم وعدہ کے پکے اور گفتار کے سچے ہوتے ہیں۔ ہماری رگوں میں حسینی خون کے سپرٹ تاہنوز باقی ہے۔ کوفیوں کی بے وفائی گلی سے ہمارا گزر کبھی ہوا ہی نہیں۔ ہم حسینی کارواں کے رواں دواں مسافر ہیں۔

منظور احمد حیدری نے منصب سفارت کا حق ادا کرتے ہوئے پنچایتی لوگوں کے پاس انہی الفاظ میں الطاف احمد کا جوں کا توں پیغام پہنچایا، یا جن شدید لفظوں میں الطاف احمد نے غیر ایمانی جوش و جذبہ سے گفتگو کی تھی۔ جوں ہی منظور احمد حیدری نے اس کے تیز و ترش گفتگو کی جھلک دکھائی، لوگوں کے چہرے غیظ و غضب سے سرخ اور آگ بگولہ ہو گئے۔ لب کشائی کے پر میدان جرأت میں ابھرنے اور اچھلنے لگے، کسی نے کہا کہ میں یوں کر دوں گا، کسی نے کہا کہ میں اسے ٹھکانے لگا دوں گا۔ اسے بالکل نہیں چھوڑوں گا۔ مذکورہ بالا حالات کی روشنی میں ہر کس و ناکس کو یہ آگاہی حاصل ہوئی کہ الطاف احمد کو امن و امان سے کوئی سروکار ہرگز نہیں، کیونکہ اس کے ذہنی زاویے میں صلح و آشتی و امن و امان اور عدم امن و سکون کے دونوں قسم کے حالات برابر ہیں۔ امن و سکون کے عبرت آموز حالات صرف کتابوں کی زیب و زینت بن چکے ہیں۔

ادھر بستی ڈگر والی میں آتش فشاں شعلے بھڑک رہے ہیں۔ ان بھڑکائے ہوئے

شعلوں کی لپیٹ میں گرد و نواح کی بستیاں بھی آگئیں۔ گرد و نواح کے دینی جذبات سے سرشار نو جوان نوشتہ اور الطاف احمد کی غیر مہذب اور بے باکانہ گفتگو کو جب ہی سنتے ان کے بھی کان کھڑے ہو جاتے اور بلاتا خیر کہہ دیتے کہ ہم زمینی تنازعات کی خاطر شب و روز جھگڑتے رہتے ہیں اور یوں ہی سا لہا سال تک آپس کی عداوتیں رکھتے چلے آئے ہیں۔ یہ سب محض دنیاوی مقاصد حاصل کرنے کی خاطر ایک دوسرے کے گریبانوں کو پکڑتے رہتے ہیں اور بغض و حسد اور کینہ و کدورت کے جراثیم اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔

آج اگر ہم حصول رضائے الہی اور دین اسلام کے کام آجائیں تو اس کے علاوہ ہمیں اور کیا چاہیے؟

ایک اور دینی جذبات سے سرشار نو جوان میدان عمل میں کود کر کہنے لگا کہ تمہارے لب و لہجہ کو سانپ سوگھ گیا ہے اور تمہارے اعضاء و جوارح جمودی رنگ سے رنگین اور منجمد ہیں۔ مجھے وہ منحوس چہرہ دکھائیں، میں اس کا کام ابھی ابھی تمام کر دیتا ہوں۔

بستی ڈگر والی اور اس کے گرد و نواح کے بزرگ اور معمر حضرات نے آگے بڑھتے ہوئے جلتی آگ پر پانی چھڑکا اور دیگر گوں حالات کو معمول پر لانے کے لیے دینی جذبات سے سرشار نو جوانوں کو سمجھاتے ہوئے انہیں استقامت اور بلند حوصلگی کا ایک خوشگوار اور عبرت آموز درس دے دیا۔ جو درمیانی عمر کے قد و کاٹھ رکھتے تھے انہیں مخاطب کر کے کہا خبردار! قانون کو ہاتھوں میں لینے کی کوشش نہ کرو۔ ہم نے یہاں ہی زندگی گزارنی ہے۔

ہم قانونی چارہ جوئی کا انتظام و اہتمام بہت جلد از جلد کرتے ہیں۔ ہم انشاء

اللہ اس بے دین اور مفسد کو وہ سبق سکھائیں گے اور وہ تازیانہ عبرت چھکائیں گے۔ جو اس کی آنے والی نسلیں بھی یاد رکھیں۔ دوسری طرف نو جوانوں کے ذہن منفی انداز میں سوچتے تھے اور کہتے تھے کہ کچھ نہیں ہوگا! اسی طرح نرم و گرم گفتگو کی کشمکش رواں دواں تھی کہ اس علاقہ کے امن خواہ، محب وطن اور اصلاح پسند نو جوان ڈاکٹر طارق وسیم صاحب میدان عمل میں کود کر آگے بڑھے اور اپنی انتظامی و اصلاحی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے چند نو جوانوں کے ہمراہ قیادت و سیادت کی بھاگ دوڑ اپنے ہاتھوں میں سنبھال لی اور تھانہ و ہوا کا راستہ اختیار کر لیا گیا۔ تاکہ خون خرابہ بھی نہ ہو اور مجرم الطاف احمد کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔

ڈاکٹر طارق وسیم صاحب کی جس قیمتی اور غیر معمولی بات نے نو جوانوں کے آتش نشاں جذبات کو ٹھنڈا کر دیا وہ وعظ و نصیحت کی آزمائش اور مستقبل کے حالات کی آخری فہمائش تھی کہ یہ مسئلہ ایک خالص دین اسلام کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کی باریک بینی اور نزاکت کی خورد بینی ہمارے بڑے بڑے محقق علمائے کرام ہی سمجھ سکتے ہیں۔ علمائے کرام اور مفتیان عظام کے بتلائے ہوئے فتویٰ جات کی روشنی میں ہم قدم آگے بڑھائیں گے۔ سردست ہم تھانہ و ہوا میں مجرم الطاف احمد کے خلاف پرچہ درج کراتے ہیں۔ باقی انشاء اللہ باہمی صلاح و مشورہ کے ساتھ اگلے امور کو نمٹاتے جائیں گے۔ محمد بن قاسم کے بہادر سپوت ڈاکٹر طارق وسیم صاحب کی بے لوث قیادت میں آگے بڑھتے ہوئے تھانہ و ہوا کا رخ کیا اور مجرم الطاف احمد کے خلاف پُرچہ درج کرایا، محمد بن قاسم کے اس کاروان صدق و صفا میں شامل نو جوان جو پیش پیش تھے۔

وہ ڈاکٹر طارق وسیم صاحب، منظور احمد حیدری صاحب، حافظ حبیب اللہ

صاحب، لیاقت علی معاویہ صاحب، قاری عصمت اللہ صاحب، امان اللہ بخاری صاحب، محمد کاشف صاحب، غلام اکبر صاحب و جناب قادر بخش صاحب اور دیگر نوجوانان ملت اسلامیہ نے بھرپور حصہ لیا اور دے دے سنے اور ہر نوع کے تعاون سے نوازا۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

آدم برسر مطلب!

دگرگوں حالات کا دوسرا رخ بھی پڑھ لیجئے کہ جب تھانہ دھوا کے ذمہ داروں نے مجرم الطاف کو گرفتار کر لیا تھانہ دھوا میں گرفتار مجرم الطاف احمد نے جب محمد بن قاسم کے سپوتوں کے ماہ تاباں چہرے پڑھ لیے تو اسے ان درخشاں چہروں میں صداقت صدیق، عدالت فاروق اعظم، سخاوت عثمان، شجاعت حیدری اور بسالت حسین کی چمک دمک دکھائی دی تو اس نے تھانہ دھوا میں بر ملا کہا کہ یہ نوشتہ میرا نوشتہ نہیں ہے بلکہ یہ نوشتہ منظور احمد حیدری کا ہے۔

کیا ہم مجرم الطاف احمد صاحب سے پوچھ سکتے ہیں کہ تیری رگوں میں وہ دوڑتا ہوا جیسی خون کہاں ناپید ہو گیا؟ اور کوئی بے وفاؤں کے شکار کردہ ”شیعہ لوگ“ کس گلی سے گزر رہے ہیں؟

حقیقی جیسی قافلہ کے بہادر سپوتوں کو پہچانو کہ صداقت کے صاف و شفاف چہروں کو دیکھ کر تیرا جھوٹا دعویٰ جیسی خون کہاں گم ہو گیا؟ کیا اسی کا نام ایمانی غیرت اور دینی حمیت ہے؟

ہاں ہاں ہمیں اچھی طرح پتہ ہے اور تیری پرانی انارکلی کی گلی کی شناخت ہو چکی ہے کہ تیرا جھوٹا خون تقیہ کی رگوں میں سرایت کر کے براجمان ہو گیا۔ امام حسینؑ نے باطل کی مغرور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باطل کو نیست و نابود کر دیا۔ اور ہنگامی طور

پر اپنی ذات کو مٹا کر حیات جاویداں کا وارث بن گیا۔

مٹا دو اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہو

کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے

جیسی خون نے تو ہر دور اور ہر موڑ پر تقیہ کی چادر کو ملیا میٹ کر دیا ہے تو آج یہ

کہہ کر کہ یہ نوشتہ میرا نوشتہ نہیں ہے تو نے اپنا رشتہ تقیہ ”جھوٹ“ سے جوڑ لیا ہے۔

مجرم الطاف احمد کا انکاری کلمہ کہنے سے گواہ تیرے دوشکار کرنا چاہ رہا تھا۔

ایک شکار تو یہ کہ وہ اپنا مذہبی عقیدہ جسے تقیہ کہا جاتا ہے اجاگر کر کے اس تقیہ پر عمل

کر کے دکھایا۔ تقیہ کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ جو بات زبان پر ہوتی ہے وہ بات دل میں

نہیں ہوتی ہے۔ اور جو بات دل میں ہوتی ہے وہ بات زبان پر نہیں ہوتی ہے۔

بالفاظ دیگر، یعنی دل والی بات کی تصدیق زبان نہیں کرتی اور زبان والی بات کی

تصدیق دل نہیں کرتا۔ زبان اور دل کی یہ دونوں مختلف کیفیتیں آپس میں ٹکراتی ہیں۔

جبکہ باطل پرست ان دونوں متضاد اور مختلف کیفیتوں کو چراغ ہدایت اور عین ایمان

گردانتے ہیں۔ حالانکہ قرآن و سنت کی پاکیزہ تعلیمات کی روشنی میں ان دو متضاد

کیفیتوں کو منافقت، جھوٹ، دورگی اور دورخی کہتے ہیں۔ ان دو متضاد کیفیتوں کو

مدق و صفا، اسلام و ایمان، حق و حقیقت کہنا، باطل پرست قوتوں کی حمایت اور ان

سے وفاداری نبھانے کے مترادف ہے اور یہودی کارندوں سے یاری نبھا کر آج

مرزین عراق پر یہودیت کا آلہ کار بن کر بٹش کی بغل میں بیٹھا کون نظر آ رہا ہے؟

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

مجرم الطاف احمد اس سے پہلے گفتار کا غازی بن کر اہلسنت کو چیلنج کر رہا تھا کہ

اس میرے نوشتہ کا جواب دے دیں۔ اور مجھے امن و امان کے حالات سے کوئی

سرکار نہیں۔ لیکن جب تھانہ دھوا میں حقیقی اسلام و ایمان کے چمکتے دسکتے ہوئے درخشاں اور تابناک چہرے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے تو مجرم الطاف احمد کا جہنم ایمان، حقیقی ایمان کے سامنے ماند پڑ گیا۔ اور جھوٹی ایمانی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے چیخ اٹھا اور ماتمی دستہ کی طرح روتے ہوئے بزدلوں کی گلی سے آکر کہنے لگا کہ یہ میرا نوشتہ نہیں ہے۔

موقع پرست، ابن الوقت، چڑھتے سورج کی پا جا پائی کرنے والے اور تفریق بازوں کا ملمع ساز ایمان حقیقی ایمان کے سامنے کب ٹھہر سکتا ہے؟ قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ شیعہ ایمان کے برخلاف اہل سنت والجماعت کی ایمانی کیفیتوں کا گلہ ستہ سہ گانہ اوصاف پر مشتمل ہے۔ اقرار باللسان و تصدیق بالجنان و عمل بالارکان۔ زبان پر صدق و صفا کا اقرار ہو اور دل میں نور تصدیق بر اجماع ہو اور جوارح و اعضاء سے ادائیگی عمل ہو۔

لیکن شیعہ حضرات کی ایمانی کیفیت کی قلابازیاں جو تفریق باز کیفیت سے مراد اور مشروط ہے آپ حضرات نے دیکھ لی۔ اللہ تعالیٰ بھلا کرے مولانا عبدالحق صاحب کا جو بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں، آخر ان کا ایمانی جذبہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی خاطر اچھل پڑا، اور ایمانی کیفیت و روحانی حالت کی جلوہ گری کے ساتھ موجزن ہو کر تھانہ دھوا میں پوری خلقت کے سامنے بیا بگ دھل یہ گواہی دے دی کہ مجرم الطاف احمد کا تفریق ساز ایمان جھوٹ بولتا ہے میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اس کا اٹھنا بیٹھنا میرے ساتھ ہے۔ میری موجودگی میں یہ نوشتہ زیر عمل لایا گیا ہے۔ مذکورہ نوشتہ اسی نے مجھے تھما کر ساتھ یہ بھی کہہ دیا تھا کہ یہ نوشتہ ان بے دینوں بستر بند جماعت کے حوالے کر دے۔ جو لا دین اور لا مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں۔

چنانچہ ان مسافر بھائیوں کو مذکورہ نوشتہ بحکم الطاف احمد کے میں نے ہی پکڑا دیا تھا۔ بڑی جرأت و بہادری کے ساتھ مولانا عبدالحق صاحب نے مجرم الطاف احمد کے خلاف گواہی دے دی۔ مولانا عبدالحق صاحب کے بعد، یکے بعد دیگرے عبد الغفور سبحانی صاحب، حافظ عبدالرزاق صاحب اور قاری نور محمد صاحب نے مجرم الطاف احمد کے خلاف گواہیاں ثبت کیں۔ یاد رہے کہ مجرم الطاف احمد نے دوسرا شکار انکاری کلمہ سے اس طرح سرانجام دیا کہ مذکورہ نوشتہ منظور احمد حیدری کا ہے کہ جس قسم کی سزا ہو تو منظور احمد حیدری بھگتے اور اپنے کیے گناہ کا الزام منظور احمد حیدری کے سر تھوپ دے کہ

ہم خرماء و ہم ثواب.

ثبت شدہ شہادتوں کے بعد تھانہ دھوا کے ذمہ داروں نے مجرم الطاف احمد کو سنٹر جیل ڈیرہ غازی خان بھیج دیا، سنٹر جیل میں چار پانچ ماہ گزارنے کے بعد مجرم الطاف احمد ضمانت پر رہا ہوا۔ اور کیس چلتا رہا۔ منظور احمد حیدری و مجرم الطاف احمد دونوں تسلسل کے ساتھ کیس کی پیروی کرتے رہے اور تحصیل تونسہ کی عدالت میں برابر پیش ہوتے رہے۔ جیسا کہ پاکستانی عدالتوں کی ست روی سے ہر کس و ناکس آشنا ہے چنانچہ مدت مدیدہ اور عرصہ دراز تک کیس چلتا رہا۔ یہاں تک کہ تحصیل تونسہ کے محترم سول جج رانا محمد آصف نے کہا کہ مجھے دینی مسائل سے اتنی واقفیت نہیں، آخر میں نے بھی عدالت عالیہ ”یوم القیامہ“ میں ایک دن پیشی دینی ہے اور اپنے کئے کا حساب و کتاب دینا ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ فریقین اپنے اپنے معتمد علمائے کرام کو بلوائیں اور عدالت ہذا کے روبرو ہو کر میرے سامنے دلائل و شواہد بیان کریں۔

چنانچہ مجرم الطاف احمد کے پشت پر بیشمار حمایتی کنندگان اور شیعہ حضرات کے بڑے بڑے علماء تھے۔ مگر منظور احمد حیدری صاحب اکیلا تھا۔

منظور احمد حیدری کون ہے؟ تقریباً بائیس سالہ نوجوان اور متشرع و باریش ہے الحمد للہ صوم و صلوٰۃ کا پابند اور احکام شریعت پر عمل کرنے والا پاکستانی العقیدہ ہے۔ منظور احمد حیدری صاحب خود کہتا ہے کہ مجرم الطاف احمد کے نوشتہ سے پہلے میں بھی شیعہ عقائد سے تھوڑی بہت دلچسپی رکھتا تھا۔ میرے دل کی خواہش تھی کہ ہماری بستی ڈگروالی میں ایرانی گرانٹ سے کوئی اچھا سا امام باڑہ بن جائے تاکہ ہم اس میں پاکستان کے دیگر امام باڑوں کی طرح آزادی کے ساتھ بھنگ چرس اور سونا لگایا کریں۔

اور اس میں دیگر امور کی انجام دہی بحسن و خوبی سرانجام دیں۔ لیکن اب الحمد للہ منظور احمد حیدری صاحب نے واقعی ایک حیدر کرار کا کردار ادا کر کے مجرم الطاف احمد کو فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔

محترم سول جج رانا محمد آصف کا مذکورہ بالا حکمنامہ 23/9/2006 کو فریقین کیلئے صادر ہوا۔ جوں ہی سول جج صاحب کا حکم نامہ صادر ہوا تو منظور احمد حیدری صاحب بڑا خوش ہوا کہ ہمارے علمائے کرام تو یہی چاہتے ہیں کہ آپس میں فریقین کے علماء حضرات مل بیٹھ کر حق و باطل اور صدق و کذب کی گفتگو ہو جائے یعنی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔

چنانچہ منظور احمد صاحب نے علاقہ تونسہ کے علمائے کرام سے رابطہ کر لیا اور کیس کی پوری حقیقت سے تمام علمائے کرام کو روشناس کرایا گیا۔ لیکن جماعتی احباب نے اور علاقہ تونسہ کے علمائے کرام نے میرے نام پر قلعہ نکالا۔

منظور احمد حیدری یہ آپ بیتی ڈاکٹر طارق وسیم صاحب کو گوش گزار کر لیتا ہے۔ جوں ہی ڈاکٹر طارق وسیم صاحب کو پتہ چلا اور عدالت کی مقرر کردہ تاریخ بھی قریب آرہی تھی۔ فوری طور پر قصبہ دھوا اور گرد و نواح کے سرکردہ سفید پوش افراد اور سنی نوجوانوں کی میٹنگ بلا لی۔ کیونکہ علاقہ میں ڈاکٹر طارق وسیم صاحب واحد شخصیت ہیں جو شعبہ تعلقات عامہ ”عوام الناس“ کے نباض ہیں اور عوامی تعلقات سے وابستگی رکھتے ہیں۔ میٹنگ میں کافی گفت و شنید کے بعد بالاتفاق یہ امر طے ہوا کہ عدالت میں پیش ہونے والا جوابی کارروائی کے لیے ہمارے پاس صرف ایک ہی آدمی ہے جو کہ پشاور کے رہائش پذیر ہے۔ اور وہ ہے سید امیر رضا شاہ قسمی صاحب پورے پاکستان میں شیعیت کو طشت از بام اور شیعہ نوازوں کو لگام دینے والا قسمی صاحب ہی ہے۔ حسب مشورہ ڈاکٹر طارق وسیم صاحب مورخہ 5/10/2006 کو بوقت عصر جو گیارہواں روزہ تھا مجھے فون کیا موبائل پر رنگ آئی، میں نے موبائل کے بٹن کو دباتے ہوئے آن کیا۔ السلام علیکم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کون صاحب؟ میں ڈاکٹر طارق وسیم دھوا تو نسہ سے عرض کر رہا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب! آپ کیسے ہیں آپ کی طبیعت و صحت؟ الحمد للہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہیں۔ قسمی صاحب! ہماری ذاتی عزت کا سوال نہیں بلکہ قرآن و تحفظ ختم نبوت اور ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم و اہل بیت کی عزت کا سوال ہے آپ ضرور بالضرور 11 اکتوبر تو نسہ شریف پہنچیں۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کے لہجہ میں ایک دینی جذبہ کے تحت ایک دردمندانہ سوز و گداز محسوس کرتے ہوئے کہا ڈاکٹر صاحب! بات کیا ہے؟ کہنے لگے قسمی صاحب! خالص دین اسلام کا مسئلہ ہے آپ کے بغیر یہ پیچیدہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا، آپ مہربانی فرمائیں۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کی بات کو کاٹتے ہوئے کہا، ڈاکٹر صاحب! میں آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ

کونسا ایسا مسئلہ درپیش ہے؟ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے ایک دردناک لہجہ میں پوری حقیقت اور پانچ سالہ روئیداد کا ماجرا سنایا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو اطمینان دلاتے ہوئے جواباً کہہ دیا کہ آپ لوگ بالکل پریشان نہ ہوں۔ میں انشاء اللہ وقت مقررہ سے پہلے ہی پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ تاکہ پورے حالات سے آگاہی حاصل کروں چنانچہ حسب وعدہ 9 اکتوبر سترہویں روزہ کو بوقت عصر ڈاکٹر طارق وسیم صاحب کے مکان پر ملت اسلامیہ کے نوجوانوں کے پر جوش استقبال میں پہنچ گیا۔ رات کو مذکورہ نوشتہ موضوع سخن بنارہا اور مزید گرد و پیش کے حالات گونا گوں پر گفتگو ہوتی رہی۔ صبح 10 اکتوبر کو لوگوں کی پرہجوم ملاقاتیں جاری و ساری تھیں اور مختلف النوع مسائل کے متعلق لوگ پوچھتے رہے۔

گفت و شنید کی یہ جہی ہوئی نشست تا نماز ظہر جاری تھی، ایام رمضان کی برکت ڈاکٹر طارق وسیم صاحب لوٹتے رہے کیونکہ سحری و افطاری کی ذمہ داری ڈاکٹر صاحب بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ نبھاتے تھے۔

ڈاکٹر طارق وسیم صاحب کی مہمان نوازی اور ضیافتی خدمات قابل دید تھیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجر و ثواب عنایت فرمائیں، آمین۔

11 اکتوبر انیسواں روزہ کو سحری کھا کر جوں ہی صبح کی اذانیں شروع ہوئیں۔ ہم نے نماز فجر ادا کر کے تونسہ کی عدالت عالیہ میں جانے کا ارادہ قبضہ دھوا سے کر لیا۔ ہم تمام لوگ ایک کارواں کی شکل میں تونسہ عدالت کے لیے روانہ ہوئے۔ جہاں پر تونسہ شہر کے ایک معزز پروقار اور وجیہ صورت والے مہمان نواز محترم جناب الحاج یار محمد صاحب ہمارے منتظر تھے۔ حاجی یار محمد صاحب سے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔ حاجی یار محمد تونسوی صاحب کے ہاں ٹھہر کر ہم سب نے کچھ آرام کر لیا اور آرام

کرنے کے بعد عدالت عالیہ کی حاضری کا وقت پورا ہوا۔ اور ہم سب پر جوش اور فاتحانہ انداز میں سول جج تونسہ کی عدالت میں داخل ہوئے اور ہمارے بعد مذہب شیعہ کا ترجمان مولوی صاحب ہمراہ قافلہ داخل عدالت ہوا۔

میں نے حافظ حبیب اللہ سے پوچھا کہ ان موجودہ افراد میں مجرم الطاف احمد کون ہے؟ ذرا اس کی شناخت کرائیں، چنانچہ حافظ حبیب اللہ صاحب نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ بغیر کسی اشارہ لفظوں کی ادائیگی میں مجرم الطاف احمد کی نشاندہی کرادی۔ میں نے نعوذ باللہ کہہ کر اس منحوس اور مکروہ چہرے کی تاب نہ لا کر منہ کو نفرت کے انداز میں دوسری طرف موڑ لیا۔

جب سے ملی ہے مجھ کو تصور کی روشنی
دیکھے بغیر آپ کو پہنچتا ہوں میں
دفن کر سکتا ہوں سینے میں تمہارے راز کو
اگر چاہوں تو افسانہ بنا سکتا ہوں میں

قارئین کرام!

عدالتی کارروائی شروع ہونے سے پہلے سول جج صاحب نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں؟ میں پشاور سے آیا ہوں۔ جج صاحب کے لب و رخسار سے مسکراہٹ بکھر رہی تھی اور میں بھی ہشاش بشاش کھڑا تھا۔ دوسری طرف شیعہ مولوی صاحب کے چہرے پر غمزہ اور ماتم کناں شکنیں بسیرا کر چکی تھیں۔ جج صاحب نے عدالتی گفتگو کے آداب ان لفظوں میں سمجھادیئے کہ میں نے فریقین کے علمائے کرام کو یہاں پر اس لیے زحمت دی ہے کہ مجھے دینی مسائل سے

گہرائی اور اتنی شناسائی نہیں ہے کہ ان مسائل کا کما حقہ حق ادا کر سکوں۔
آپ دونوں پرسکون ماحول میں عدالتی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے گفتگو فرمائیں۔

اور دونوں کی گفتگو ملزم الطاف احمد کے نوشتہ تک محدود ہوگی۔ آپ دونوں صاحبان ادھر ادھر کی گفتگو سے پرہیز کیجئے۔ چنانچہ سب سے پہلے جج صاحب نے مجھے مذکورہ نوشتہ پر بولنے کی دعوت دے دی۔ میں نے ملزم الطاف احمد کا نوشتہ اٹھا کر جو آٹھ صفحات پر مشتمل ہے چھٹے صفحہ کھولا اور عدالت عالیہ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر گفتگو کا آغاز اس طرح کیا کہ میں اس معزز عدالت میں سب سے پہلے یہ جرات ضرور کروں گا کہ یہ معزز عدالت ملزم الطاف احمد کو صرف ملزم ہی ٹھہراتی ہے لیکن قرآن و سنت کی روشنی میں ملزم الطاف احمد صرف ملزم ہی نہیں بلکہ یہ پکا اور ٹھیک مجرم ہے جو ہر پہلو سے مرتکب جرائم اور قابل پاداش ہے۔

کیونکہ اس نے اپنے بد بخت نامہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت عظام سے انکار کر کے ان نفوس قدسیہ کو گالیاں دی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں اپنی رضا و خوشنودی اور بہشت کی سند عطا کی ہے۔ مجرم الطاف احمد قابل رحم اور قابل عفو ہر گز نہیں ہے۔ مجرم ان نفوس قدسیہ کے بارے میں چھٹے صفحہ پر تحریر کرتا ہے کہ صحابہ تو محمد کو اس دن بھول گئے جب جنازہ چھوڑ کر سقیفہ چلے گئے۔ مجرم الطاف احمد جرائم کے لحاظ سے کافی سمجھدار ہے کہ اس نے ایک تیر سے دو شکار کئے ہیں ایک تو یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کا نماز جنازہ نہیں پڑھا اور دوسرا شکار یہ کیا کہ خلافت سازی ان کی اپنی طرف سے تھی۔ یعنی ابو بکر صدیق و عمر فاروق اور عثمان غنی خلفائے برحق نہیں تھے۔

گویا صحابہ کرام اور خلفائے عظام کا دینی و روحانی رشتہ نبی اکرم ﷺ سے اس وقت کٹ گیا جب رسول اللہ ﷺ اس فانی دنیا سے انتقال فرما گئے۔ پہلی بات یہ ہے کہ مجرم الطاف احمد نے شیعہ حضرات کے علماء اور ذاکرین سے سنا ہوگا کہ صحابہ کرام نے وفات رسول کے بعد اولین اقدام یہی سرانجام دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا نماز جنازہ نہیں پڑھا اور رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں جوں ہی بند ہو گئیں۔ انہوں نے نعوذ باللہ اپنے بوریا بستر لپیٹ کر کفر و شرک کے گھروں کو پھر سے بسانا شروع کیا اور نبی اکرم اور اسلام سے برگشتہ ہو کر زمانہ جاہلیت کی طرف پلٹ گئے۔

جس طرح اصول کافی اور شیعہ حضرات کی دیگر بیشتر کتابوں میں موجود مذکور ہے۔ لیکن حقیقت حال اس کے برخلاف ہے کیونکہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا نماز جنازہ ”جس طرح ہم دوسرے مردوں کے جنازے پڑھتے ہیں“ ہوا ہی نہیں ہے۔ قارئین کرام سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ہر نبی اور ہر رسول کے کچھ خصوصی خصائص ہوتے ہیں۔ ہمارے خاتم النبیین و سید المرسلین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے لاتعداد خصائص میں سے ایک یہ خصوصیت تھی کہ نبی اکرم ﷺ کا نماز جنازہ کسی صحابی اور اہل بیت اور امتی نے نہیں پڑھا اور نہ ہی پڑھا سکتا تھا۔ اور یہ حقیقت بھی کسی سے مخفی نہیں کہ اہل سنت والجماعت کا جنازہ چار تکبیروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور اس کے برخلاف شیعہ حضرات کا نماز جنازہ پانچ تکبیروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ میں اس وقت تعداد تکبیرات پر بحث نہیں کروں گا کیونکہ مجرم کے نوشتہ سے خارج بحث تصور کیجائیگی البتہ یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ اہلسنت والجماعت کی آخری چوتھی تکبیر میں اور شیعہ حضرات کی آخری پانچویں تکبیر میں آمنے سامنے موجودہ مردے کے لیے دعا کی جاتی ہے۔ اور جنازہ پڑھنے والوں کی زبانوں پر یہ الفاظ ہوتے ہیں کہ اے اللہ! اس

مردہ کو بخش دے ہمارے اہل سنت والجماعت کا یہ روشن اور اجلا ہوا عقیدہ ہے کہ ہمارے رسول اللہ ﷺ دونوں جہاں کے لیے آفتاب رحمت، شفیع المذنبین ”گناہگار انسانوں و جنوں کی شفاعت و سفارش فرمانے والے ہیں“ اور رحمت للعالمین ”دونوں جہاں کے لیے سبب رحمت و ہدایت ہیں“ ہمارے اہل سنت والجماعت کا صاف و ستھرا عقیدہ ہے کہ ہمارے رسول اللہ آئے تھے ہمیں بخشوانے کے لیے ایسا کون بد بخت ہوگا جو یہ جرأت و جسارت کر لے کہ اے اللہ! محمد ﷺ کو شفیع المذنبین اور رحمت للعالمین ہیں۔ یہ کہہ دیں کہ انہیں بخش دیں۔ وہ تو آئے تھے بخشوانے کے لیے اگر اہل بیت عظام اور صحابہ کرام ہی کہہ دیں کہ اے اللہ! انہیں بخش دیں تو ان کے پلے میں کیا رہ جائے گا؟ جو اللہ تعالیٰ نے پوری امت مسلمہ کے لیے بخشوانے کی خاطر مبعوث فرمایا تھا آج کیسے انہیں بخشوانے جا رہے ہیں؟

وہ کونسا بے ایمان ہوگا جو اپنے مقتدا و پیشوا جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا نماز جنازہ پڑھائے؟ اگر صحابہ کرام نے رسول اللہ کا نماز جنازہ نہیں پڑھا تو شیعہ مولوی صاحب اپنے خود ساختہ مذہب اور اپنی کتابوں کی روشنی میں اس بات کی وضاحت اور نشاندہی کریں کہ اہل بیت عظام بالخصوص سیدنا علی المرتضیٰ نے پڑھایا ہے؟ دوسری صورت میں اگر شیعہ واعظین و ذاکرین اپنے عوام کی صحیح رہنمائی کرتے تو آج اس بات کی نوبت ہی نہ آتی اور نہ ہی الطاف احمد گمراہ ہوتا اور یہ ہرزہ سرائی والا نوشتہ لکھتا اور نہ ہی آج خوار و ذلیل ہو کر عدالتوں میں گھسیٹا جاتا۔ اس کے علاوہ جو کام اہل بیت نے سرانجام دیا ہی نہیں ہے وہ کام صحابہ کرام کس طرح سرانجام دیتے؟

الٹی ہی چال چلتے ہیں دیوانگانِ عشق
آنکھوں کو بند کرتے ہیں بس ذرا دیدار کیلئے

یہ تو شیعہ حضرات کے علماء کی ذمہ داری ہے کہ صحابہ کرام پر الزام اور بہتان تراشی والی تعلیمات سے گریز کریں اور خود بھی باز آجائیں۔ اور ان نفوس قدسیہ صحابہ کرام کے بارے میں اپنی زبانوں کو لگام دیں۔ اگر آج ہی سے شیعہ حضرات کے علماء اپنی زبانوں کو کنٹرول کریں تو اس قسم کے کشیدہ حالات پیدا نہ ہو جائیں اور نہ ہی ہم ان عدالتوں میں دفاع خلفائے راشدین و صحابہ کرام کی خاطر حاضر ہو جاتے۔ جب میں نے گفتگو ختم کر لی تو سول جج صاحب نے مسکراتے ہوئے شیعہ مولوی صاحب کو دعوت سخن دینے کا اشارہ فرمایا شیعہ مولوی صاحب نے پانچ منٹ کا ایک لمبا چوڑا عربی زبان کا خطبہ پڑھا اور خطبہ پڑھنے کے بعد ابتدائی گفتگو کے جوہر اور موتی یوں جوڑ دیئے۔

معزز عدالت جناب محترم سول جج صاحب! میں سب سے پہلے ملزم الطاف احمد کے بارے میں کہنا چاہوں گا کہ ملزم الطاف احمد مذکورہ نوشتہ کے بارے میں اپنی سنگین غلطی کو تسلیم کرتا ہے اور اس تسلیم شدہ غلطی کی شہادت اس معزز عدالت میں موجود ہے جو ملزم الطاف احمد نے وقتاً فوقتاً عدالت عالیہ میں بشكل استغاثہ تحریر کر کے محترم جج صاحب کے حوالہ کیا ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ہمارے اور اہل سنت بھائیوں کے درمیان کچھ اختلافات وجود رکھتے ہیں۔ لیکن ہمارے اور ان کے درمیان ایسے گمراہ کن اختلافات ہرگز نہیں ہیں۔ جنہیں کفر و اسلام، حق و باطل کی لڑائی قرار دے دیں۔ ہم تمام مسلمان ہیں۔ میرے محترم مولانا صاحب کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن مجید ہر خاص و عام کو بباغ دھل پکار کر برملا اعلان کرتا چلا آ رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ”واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا“ اللہ

تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو۔ بالفاظ دیگر، یگانگت، یکجہتی اور وحدت اسلامی کا سیدھا راستہ اختیار کر لو۔ فرقہ پرستی اور فرقہ واریت کے اکڑے ہوئے بتوں کو پاش پاش کر دو۔ محترم حج صاحب! آج پوری دنیا میں بے سکونی اور افراتفری چھائی ہوئی ہے، کفری اور طاغوتی طاقتیں مسلمانان عالم کے خلاف مکمل متحد و متفق ہیں لیکن ہمارے مسلمان بھائیوں کے اندر عدم اتفاق کے جراثیم اور زہریلے نظریات سرایت کر چکے ہیں۔

آج ہمیں اتحاد و اتفاق سے رہنے کی اشد ضرورت ہے لیکن آج ہم اتحاد و اتفاق سے ہٹ کر سانپ کی طرح ایک دوسرے کو ڈستے رہتے ہیں۔

آج اس معاشرے سوسائٹی میں ہر کسی کو پتہ ہے کہ اسلام میں فرقہ واریت ایک لعنت ہے اور اس مذموم و مطعون لعنت کو ہم نے گلے سے لگایا ہے۔ ہم تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ آپس میں مل جل کر ایک ہی پلیٹ فارم پر بھائیوں کی طرح اتفاق و اتحاد کے ساتھ زندگی بسر کریں۔

میرے مد مقابل پشاور سے آئے ہوئے مہمان محترم مولانا صاحب کو بھی معلوم ہونا چاہیے کہ مولانا فضل الرحمن صاحب، محترم قاضی حسین احمد صاحب پروفیسر ساجد میر صاحب اور پاکستان کے دیگر بڑے بڑے علمائے کرام موجودہ دور میں ہمارے دوش بدوش ایک ہی پلیٹ فارم پر کھڑے نظر آ رہے ہیں اور ہر مذہبی تقریب میں شرکت کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ہمارے جنازوں میں بھی شرکت کرتے نظر آتے ہیں اور ہمارے جنازے پڑھتے ہیں اور اسی طرح ہم بھی ان کے جنازوں میں شرکت کرتے ہیں۔

اگر ہمارے مہمان مولانا صاحب مذکورہ بالا امور سے انکار ہی پر تلے ہوئے

ہیں تو ہمارے پاس تمام اخبارات کی شہ سرخیاں گواہی دیتی چلی آرہی ہیں اور تمام اخبارات و رسائل کے ریکارڈز موجود اور محفوظ ہیں۔ کہ ہم یکے مسلمان ہیں اور ہمارے مسلمان ہونے کی ثبوت شدہ گواہی انہی علمائے کرام نے دی ہیں۔ میں اس معزز عدالت کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ شیعہ و سنی اس خطہ پاکستان میں امن و امان کے خواہشمند ہیں اور فرقہ واریت کی بدترین لعنت کو خیر باد کہتے ہوئے امن و سکون اور نیک خواہشات کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔

اس پر امن خطہ کو جسے ہم پاکستان کہتے ہیں ہم ہی نے بنایا ہے ہم یکے مسلمان ہیں ہم سب محبت وطن پاکستانی ہیں۔ ہم اسی پاکستان کے دست و بازو ہیں۔

بعض نادان دوست ہمیں کافر کافر کہتے ہیں لیکن ایسے لوگ دانستہ طور پر حقائق سے بے خبر ہوتے ہیں۔ یاد رہے دنیا کی سب سے بڑی اور عظیم ترین یونیورسٹی جامعہ ازہر مصر نے یہ فتویٰ صادر فرمایا ہے کہ شیعہ مذہب و مسلک، حق و حقیقت پر مبنی ہے اور شیعہ مذہب کے پیروکار پوری دنیا میں امن پسند، خیر خواہ اور یکے اور سچے مسلمان ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ پاکستان کے جید علمائے کرام جیسے مولانا فضل الرحمن صاحب، قاضی حسین احمد صاحب پروفیسر ساجد میر صاحب اور دیگر علمائے کرام نے ہمیں دل و جان سے تسلیم کیا ہے۔

اس کے علاوہ میں اس معزز عدالت کی وساطت سے محترم مہمان مولانا صاحب کو یہ بھی بتلانا چاہتا ہوں کہ ہمارا قرآن ایک ہے۔ قبلہ و کعبہ ایک ہے ہمارے رسول محترم ایک ہیں۔ بعض بے شعور لوگ ہمارے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ شیعوں کا قرآن اور ہے اور موجودہ قرآن پران کا ایمان و ایقان نہیں ہے۔ میں اس معزز عدالت کی وساطت سے پروپیگنڈہ کرنے والے نادانوں کو چیلنج

کرتا ہوں کہ وہ اس قرآن موجودہ کے علاوہ ہمارے پاس دوسرا قرآن ثابت کر دیں۔ ہمارا قرآن یہی قرآن ہے۔ شام میں یہی قرآن ہے۔ عراق میں یہی قرآن ہے۔ بنگلہ دیش میں یہی قرآن ہے۔ ہندوستان میں یہی قرآن ہے۔ پاکستان میں یہی قرآن ہے۔ اور ہمارے عظیم مرکز اسلام ایران میں یہی قرآن ہے۔ اگر ہمارے ہاتھوں میں کہیں دوسرا قرآن ہوتا یا اس دوسرے قرآن کی جھلکی دیکھ لیتے تو یہ لوگ ہمارے خلاف واویلا کرتے اور خوب شور مچاتے مگر آج تک کوئی مائی کالال دوسرا قرآن ثابت نہ کر سکا اور نہ ہی ثابت کر سکتا ہے۔ ہمیں لوگ کافر کافر کیوں کہتے ہیں ہم تو بار بار یہی کہتے ہیں کہ شیعہ و سنی آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ جب شیعہ مولوی صاحب نے اپنی گفتگو پوری کر لی تو میں نے مولوی صاحب اور نج صاحب سے عرض کیا کہ محترم نج صاحب! اس معزز عدالت نے ہمیں مذکورہ تحریر کردہ نوشتہ جو مجرم الطاف احمد کا نوشتہ ہے۔ اسی پر گفتگو کرنے کی اجازت عنایت کی تھی اور اسی نوشتہ پر ہمیں پابند کیا گیا تھا کہ مذکورہ نوشتہ کے دائرے سے باہر نہ جانا۔

لیکن شیعہ مولوی صاحب نے مجرم الطاف احمد کے نوشتہ سے ہٹ کر ہمیں امن و امن و امان کا درس دے دیا۔ باقی خارج از بحث گفتگو جو مولوی صاحب نے کی ہے کہ ہمارا قرآن یہی موجودہ قرآن ہے غلط بیانی سے کام لے کر اور سچے مسلمانوں کو فریب دے رہا ہے۔ یاد رہے کہ آپ کا قرآن امام مہدی اپنے ساتھ لے گئے ہیں اور یہ کوئی افسانوی بات نہیں ہے کیونکہ آپ کے بارہ اماموں نے یہ فرمایا ہے کہ موجودہ قرآن اصلی اور حقیقی نہیں اس میں تبدیلی و تحریف واقع ہو گئی ہے۔ مولوی صاحب کو میں چیلنج کرتا ہوں کہ آپ اپنا ایرانی کتب خانہ اٹھا لائیے اور اپنے بارہ

اماموں سے ایک روایت بھی ثابت کر دیں کہ ہم اسی موجودہ قرآن کو مانتے ہیں تو آج ہی سے ہم اپنے قلم و زبان کو بند کر دیتے ہیں۔ میرا سودا نقد سودا ہے ادھار والا سودا نہیں ہے۔ اگرچہ اس وقت ہمیں مجرم الطاف احمد کے نوشتہ پر اس معزز عدالت نے پابند کر دیا ہے اگر مولوی صاحب کو شوق ہے اور اس کا یہی دعویٰ جو فریب والا جعلی دعویٰ ہے کہ ہمارا قرآن یہی قرآن ہے تو میرے ساتھ بلاتا خیر جگہ دن اور ٹائم فکس کر دیں تو انشاء اللہ آپ کا یہ شوق پورا کیا جائے گا۔ اور آپ کا دوسرا قرآن جو اس قرآن کے علاوہ ہے۔ آپ کی مستند کتابوں اور صحیح روایات سے ثابت کیا جائیگا۔ باقی اتحاد و اتفاق کی فریب کن باتیں کہ سنی و شیعہ آپس میں بھائی بھائی ہیں تو یہ اتحاد و اتفاق اور بیچہتی کا درس مجرم الطاف احمد کو دیجئے جو اہل سنت و الجماعت کے اکابرین اسلام اور خلفائے راشدین کو برا بھلا لکھا گیا ہے۔ یہ پاکستان کے امن و امان کو کون تباہ کر رہا ہے اور پہل کس نے کی ہے؟

فضل بن عباس ایک عربی شاعر گزرے ہیں میرے خیال میں وہ آپ لوگوں کی ڈپلومیسی پالیسی پر یوں فرماتے ہیں۔

لا تطعموا ان تھینونا ونکر مکم

وان نکف الاذی منکم وتوذونا

اللہ یعلم انا لانبکم

ولا نلومکم ان لا تحبونا

تم قطعاً ہم سے یہ امید نہ کرو کہ ہم تمہاری عزت کرتے رہیں اور تم ہمیں روا کرتے رہو اور یہ کہ ہم تم سے تکلیف والا ہاتھ اٹھا رکھیں اور تم برابر تکلیفیں پہنچاتے رہو۔

اللہ خوب جانتا ہے کہ ہم تم سے محبت کرتے ہیں اور نہ تمہیں ملامت کرتے ہیں بشرطیکہ تم ہم سے محبت کرو۔ رہی یہ بات کہ ہم تمہاری عزت کریں، تمہارے بڑوں کی اور تمہارے معزز لوگوں کی اس صورت میں کہ تم ہم سے نفرت کرو اور اس امت کے محسنین اور بزرگوں سے تم بغض و حسد کرتے چلے جاؤ یقیناً میں تو ان کی عزت کو دوبالا اور ان کی پگڑی کو بلند کرتا چلا جاؤں گا۔

اور ان کی باتوں کو واضح کرتا چلا جاؤں گا جنہوں نے اسلامی فتوحات کے دروازے کھولے اور جنہوں نے ہمیشہ دین کی سربلندی کیلئے جہاد کیا۔ ہم تمہارے سامنے سچی بات کریں اور خلوص کا ثبوت دیں لیکن تم ہمیشہ تقیہ کا استعمال کرتے ہوئے منافقت کا ثبوت دیتے رہو۔ ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ ناممکن ہے۔

باقی مولوی صاحب نے اپنے مذہب کو سچا ثابت کرنے کی خاطر مولانا فضل الرحمن صاحب وقاضی حسین احمد صاحب اور پروفیسر ساجد میر صاحب سے بار بار ان کا نام لیکر اسلامی شوقیت حاصل کرنا چاہا۔

مگر مولوی صاحب کے علم میں یہ بات لانا چاہتا ہوں کہ ہمارے نزدیک مولانا فضل الرحمن صاحب قاضی حسین احمد صاحب کوئی معیار اسلام نہیں ہیں ہمارا معیار اسلام قرآن و سنت اور نفوس قدسیہ صحابہ کرام و اہل بیت عظام ہیں۔

مولوی صاحب کو چاہیے کہ مجرم الطاف احمد کے نوشتہ پر گفتگو کریں خارج از بحث گفتگو سے پرہیز کریں اور نہ ہی ہمیں اتحاد و اتفاق کی تلقین فرمائیں۔

درمیان میں ہمارے کچھ جذباتی نوجوان بول پڑے اور اسی طرح جو شیخ شیعہ حضرات بھی بول پڑے ان دونوں کے آپس میں توں توں اور میں میں کا آغاز ہوا تو نج صاحب نے موقعہ کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے فریقین کے عوام کو خاموش کرایا۔

ناموشی چھا جانے کے بعد پھر شیعہ حضرات کے مقرر کردہ وکیل صاحب بول پڑے اور اسی طرح پھر سنی حضرات کے مقرر کردہ وکیل صاحب بھی بول پڑے اس کشمکش میں کافی وقت بیت گیا۔ چنانچہ نج صاحب نے حکم صادر فرمایا کہ کل فریقین کے علمائے کرام عدالت میں پھر حاضر ہوں اور صرف ملزم الطاف احمد کے نوشتہ پر دلائل دیں بلکہ تحریری جواب نامہ اپنے اپنے ہمراہ لائیں۔ چنانچہ فریقین عدالت سے باہر آ گئے۔ میں نے ساتھیوں سے کل والے پروگرام کے بارے میں گفتگو کی کہ کل 12 اکتوبر بعد نماز ظہر بمقام نواں شہر تحصیل کبیر والا ضلع خانیوال میری تقریر ہے ایک معذور ساتھی عبدالشکور صاحب نے ایک مہینے پہلے یہ تاریخ مجھ سے لی ہے۔

باقی نج صاحب نے تحریری جواب نامہ مانگا ہے تو میں آپ کو مجرم الطاف احمد کے نوشتہ پر جوابی تحریر نامہ لکھ کر آپ کے حوالہ کر دیتا ہوں تاکہ کل نج صاحب کے حوالے کر دیں۔ محترم حاجی یار محمد صاحب نے مولانا عبدالخالق رحمانی کبیر والا سے رابطہ کیا اور انہیں پوری حقیقت سے آگاہ کیا کہ کل بعد نماز ظہر بمقام نواں شہر آپ نے خطاب فرمایا ہے۔ کیونکہ سید امیر رضا شاہ قاسمی صاحب ہمارے پاس تشریف فرما ہے چنانچہ مولانا عبدالخالق رحمانی صاحب نے جماعتی حکم کو بجالاتے ہوئے بسر و چشم قبول فرما کر نواں شہر کے مقام پر تشریف لے گئے اور وہاں خطاب فرمایا۔ حاجی یار محمد تونسوی صاحب نے فرمایا قاسمی صاحب! آپ کوئی فکر و اندیشہ نہ فرمائیں وہاں کیلئے میں نے انتظام کر دیا ہے۔ عدالت میں آپ کی حاضری بہت ضروری ہے۔ چنانچہ صبح 12 اکتوبر کو ہم عدالت عالیہ میں اسی شان و شوکت کے ساتھ حاضر ہوئے اور نج صاحب کے فرمان کے مطابق میں نے جوابی تحریر نامہ مجرم الطاف احمد کے نوشتہ پر عدالت عالیہ میں پیش کر دیا۔ دوسری طرف شیعہ مولوی صاحب جو مجرم

الطاف احمد کی صفائی پیش کرنے والے تھے۔ عدالت عالیہ میں خالی ہاتھ آگئے اور کوئی تحریر نہیں لکھی۔ اگر تحریر لکھیں تو مولوی صاحب خود پھنس جاتے اس سلسلہ میں یہ کہنا چاہوں گا کہ شیعہ مولوی صاحب بڑے موقعہ شناس اور نباض تھے۔ کہ اگر مزید ملزم الطاف احمد کے نوشتہ پر کوئی صفائی کی تحریر لکھوں تو معاملہ سلجھنے کے بجائے مزید الجھ جائے گا۔

قارئین کرام! اس باریک اور شرعی نقطہ نگاہ سے آپ حضرات کو آگاہ کرتے ہوئے یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ کچھ جرائم اس قسم کے ہوتے ہیں کہ مرتکب جرائم بذات خود معذرت کر لے یا معافی کا خواستگار ہو جائے تو پھر بھی اس مرتکب جرائم کو معاف نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اور نہ ہی وہ قابل عفو اور قابل درگزر ہو سکتا ہے۔ گو مجرم الطاف احمد کے اختیار کردہ جرائم کی نوعیت اس قسم کی تھی کہ وہ قابل درگزر جرائم ہرگز نہیں تھے۔ اس وجہ سے مجرم الطاف احمد کے وکیل صفائی نباض اور موقعہ شناس مولوی صاحب نے کوئی تحریری جواب نامہ نہیں لکھا۔ اور میں نے بالا اختصار مجرم الطاف احمد کے نوشتہ پر پانچ صفحات پر مبنی تحریر عدالت عالیہ میں پیش کر دی۔ کیونکہ مجرم کے اختیار کردہ جرائم پانچ ہی تھے۔

①..... جنازۃ الرسول

②..... حدیث قرطاس

③..... خلافت و امامت

④..... تبری بازی

⑤..... سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو منافق و کذاب لکھنا۔

مذکورہ بالا پانچ مسائل ”جرائم شرعیہ“ پر دفاعی تحریر نامہ لکھ کر جج صاحب کے

جج صاحب نے فرمایا کہ آپ خود اس بھری عدالت میں مذکورہ جواب نامہ سنائیں۔ تو میں نے پانچ صفحات پر مشتمل جواب نامہ عدالت عالیہ میں سنایا۔ اور جج صاحب نے شیعہ مولوی صاحب سے کہا کہ اس کے بعد آپ کیا کہیں گے؟

جج صاحب کا جوابی نوشتہ بڑا جامع و مانع ہے اور دائرے کے اندر رہتے ہوئے صرف ملزم الطاف احمد کے نوشتہ پر تحریر کیا ہے۔

شیعہ مولوی صاحب نے گردن کو اٹھا کر اکڑتے ہوئے کہا کہ اس کا جواب میرے پاس ہے۔ جج صاحب نے فرمایا ٹھیک ہے آپ جواب دیں۔

چنانچہ شیعہ مولوی صاحب نے گزشتہ روایت سے بھی انحراف کرتے ہوئے پانچ منٹ کے بجائے اس دفعہ دس منٹ کا لمبا چوڑا عربی کا خطبہ پڑھا۔ خطبہ پڑھنے کے بعد سب سے پہلے حدیث قرطاس کو موضوع سخن بنایا اور وہ بھی مختصر کلمات کے ساتھ بس اتنا ہی کہا کہ ہمارے مہمان صاحب نے حدیث قرطاس کے سلسلہ میں حقائق سے اجتناب کرتے ہوئے چشم پوشی اختیار کر لی ہے۔

حدیث قرطاس کا حکم بخاری شریف میں مکمل طور پر موجود ہے اور وہاں اس کی حقیقت دیکھی جاسکتی ہے۔ ہم جو بھی کہتے ہیں یا لکھتے ہیں اس کے بنیادی اسباب اور عوامل موجود ہوتے ہیں۔

باقی مولانا صاحب نے کل گزشتہ دن کی تقریر اور اس موجودہ تحریر میں جنازۃ الرسول کے بارے میں بڑے طمطراق اور فخریہ الفاظ کے ساتھ کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا نماز جنازہ معروف طریقہ پر ہوا ہی نہیں ہے۔

حالانکہ مولانا صاحب نے اپنی تقریر اور تحریر دونوں میں غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ شب و روز کی محنت شاقہ سے مجھے رسول اللہ ﷺ کی زبان نبوت سے نکلے

ہوئے موتی ملے ہیں جو جنازہ الرسول ﷺ کے پڑھنے اور پڑھانے پر دلالت کرتے ہیں۔ صلی المہاجرین والأنصار حدیث رسول میں صلی اور مہاجرین و انصار کے ناموں سے ہمارے محترم مولانا صاحب خوب شناسائی رکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا الفاظ جنازہ الرسول پر واضح اور صریح دلالت کرتے ہیں کہ مہاجرین و انصار نے رسول اللہ ﷺ کا جنازہ پڑھایا۔

مولانا صاحب کیوں جنازہ الرسول ﷺ سے انکار کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ جبکہ مذکورہ بالا الفاظ حدیث کے الفاظ ہیں اور یہ حدیث بھی انہی کی کتابوں میں موجود ہے شیعہ مولوی صاحب نے اختتامی الفاظ بڑے پر جوش لہجے میں ادا کئے اور اپنی گفتگو کو فاتحانہ انداز میں پیش کرتے ہوئے اپنے لبوں کو سی لیا۔

جج صاحب نے مجھے جوابی تقریر کرنے کا اشارہ دے دیا۔ چنانچہ میں نے لب کشائی کرتے ہوئے شیعہ مولوی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ مولوی صاحب!

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حدیث قرطاس کی موجودگی بخاری شریف میں موجود ہے مذکورہ بالا حدیث سے ہم نے کبھی انکار نہیں کیا ہے اور نہ ہی انکار کر سکتے ہیں۔ البتہ آپ جیسے فلسفیانہ گفتگو جس کے اغراض و مقاصد واضح نہیں ہوتے ہیں اس قسم کی گفتگو آپ کرتے ہیں حدیث قرطاس کی موجودگی بخاری شریف میں فریقین تو تسلیم کرتے ہیں لیکن آپ نے حدیث کے الفاظ ذکر نہیں کئے ہیں کیونکہ حدیث قرطاس کے الفاظ سے جو شیعہ حضرات کے علماء و ذاکرین معنی و مفہوم مراد لیتے ہیں۔ وہی معنی و مفہوم آپ کے عقائد سے ٹکراتے ہیں اور آپ کے خود ساختہ مذہب کو جھجھوڑ کر آپ خود پسند مفہوم ثابت ہی نہیں کر سکتے ہیں اور نہ ہی حدیث قرطاس

کے مدلول الفاظ آپ کی حمایت میں مفہوم و منطق واقع ہوئے ہیں۔ اس معزز عدالت میں صرف حدیث قرطاس کا ذکر کرنا کہ بخاری شریف میں واقع ہے قابل استدلال ہرگز نہیں جب تک اس حدیث کا مفہوم واضح نہ ہو کہ حدیث قرطاس کا مفہوم نفی پر دلالت کرتا ہے یا اثبات پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ ترازو کے دو پلڑے ہوتے ہیں تو لٹنے کے وقت یہ اندازہ ہر کسی کو لگتا ہے کہ کونسا پلڑا جھکا ہوا ہے۔ اور کونسا پلڑا اوپر کی طرف حرکت کر رہا ہے۔ آپ کی فلسفی گفتگو ہمیں فریب نہیں دے سکتی۔ آپ کے سامنے دوسری مثال رکھنا چاہتا ہوں جو کہ کلمہ توحید میں موجود ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ مذکورہ بالا الفاظ پر آپ غور و فکر فرمائیں کہ پہلے لا الہ نفی ہے اور پھر الا اللہ اثبات ہے اور تمام لوگوں پر اچھی طرح واضح ہے کہ نفی و اثبات دونوں متضاد ہیں یا یوں کہیے کہ پہلے توڑ ہے بعد میں جوڑ ہے۔ توڑ اور جوڑ کبھی بھی ایک نہیں ہو سکتے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ یہاں پر آپ ہمارے سامنے جوڑ کی باتیں کہتے ہیں اور اپنے مذہبی حلقہ میں توڑ کی باتیں کرتے ہیں۔

اسی طرح حدیث قرطاس والا معاملہ ہے۔

باقی صلی المہاجرین والأنصار کے الفاظ آپ نے پڑھ کر سنائے ہیں اگرچہ مذکورہ بالا الفاظ بظاہر اس پر دلالت کرتے ہیں کہ مہاجرین و انصار ﷺ نے نماز جنازہ پڑھا پڑھایا نہیں۔ آپ کم از کم پڑھنے اور پڑھانے کے الفاظ میں فرق کیوں محسوس نہیں کرتے ہیں۔ جس کو عربی زبان کے قواعد و ضوابط سے شناسائی نہیں کہ فعل لازم کونسا ہے اور فعل متعدی کونسا ہوتا ہے؟ وہ صلی کے الفاظ سے اپنے مسائل کو ثابت کرنے کے حقدار کیسے ہو سکتے ہیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے صلی المہاجرین والأنصار کے الفاظ کی عبارت

کہاں سے یعنی ہماری کوئی کتاب سے نقل کئے ہیں؟ کوئی حوالہ و ثبوت؟ تیسری بات یہ ہے کہ صلی المہاجرین والانصار کی عبارت میں جو الفاظ مدلول واقع ہوئے ہیں۔ یہ تو آپ نے ہماری تائید میں دلیل پیش کر دی کہ مہاجرین والانصار نے نماز جنازہ پڑھا۔ آپ کو اس معزز عدالت میں اس لیے بلایا گیا ہے کہ آپ مجرم الطاف احمد کی صفائی اور اس کے نوشتہ کا دفاع فرمائیں۔ کیونکہ اس کے نوشتہ میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ صحابہ تو محمد کو اس دن بھول گئے جب جنازہ چھوڑ کر سقیفہ چلے گئے۔ آپ الٹا ہماری تائید و نصرت میں دلائل پیش کرتے ہیں آپ اگر دوسری صورت میں مجرم الطاف احمد کی صفائی اور دفاعی صورت سے ہٹ کر ہمارے مسائل کی تائید و توثیق پیش کرنے کا شوق رکھتے ہیں کہ مہاجرین والانصار نے نماز جنازہ پڑھا۔ تو پھر آپ بلا تاخیر اہلسنت والجماعت اور صحیح اسلام سے وابستگی کا نئے سرے سے اعلان فرمائیے۔ تو ہم بھی بلا فصل مولانا فضل الرحمن صاحب کی طرح آپ کو گلے لگائیں گے اور چوتھی بات یہ ہے کہ اگر صلی المہاجرین والانصار یعنی لفظ صلی سے آپ یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ اس کا معنی نماز جنازہ ہی پڑھنا ہے تو پھر قرآن کریم میں یہ آیت کریمہ بھی وجود رکھتی ہے۔

ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

تو مذکورہ الفاظ یصلون اور صلوا، دونوں سے نماز جنازہ کیوں مراد نہیں لیتے ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نماز جنازہ پڑھتے ہیں؟ کیا تمام ایمان والوں کو یہی حکم ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کا نماز جنازہ پڑھو۔

جنازۃ الرسول کی حقیقت

سردار کائنات فخر موجودات جناب محمد رسول اللہ ﷺ جب اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ جس جگہ پر تھے اسی جگہ ان کی قبر اور روضہ ہے۔ یہ سیدہ عائشہ صدیقہ کا گھر ہے یہ چھوٹا سا گھر تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و اہل بیت رضی اللہ عنہم عظام پانچ سے لے کر دس افراد کی تعداد تک حجرہ عائشہ صدیقہ میں داخل ہوتے اور سردار کائنات کا دیدار کرتے اور ذات نبوی ﷺ پر فاتحہ اور درود و سلام پڑھتے اور واپس آتے کوئی نماز جنازہ نہیں ہوا، اس کے علاوہ صف کی شکل میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و اہل بیت رضی اللہ عنہم عظام ہوتے اور مذکورہ بالا کلمات ذات نبوی ﷺ پر پڑھتے تھے جو بغیر امام کا جنازہ ہوتا۔

شیعہ مولوی صاحب پھر کہنے لگے کہ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اس معزز عدالت عالیہ میں ملزم الطاف احمد کی صفائی پیش کرنے کی خاطر حاضر خدمت ہوا ہوں سو عرض ہے کہ اس سے پہلے بھی میں نے ملزم الطاف احمد کے بارے میں دو ٹوک الفاظ کے ساتھ کہہ چکا ہوں کہ اس سے غلطی ہوئی ہے اور اس ملزم نے اپنی غلطی بار بار مختلف انداز میں دہرائی ہے اور غلطی کو غلط سمجھ کر تسلیم کیا ہے۔ میں آپ حضرات کو دور رسالت مآب ﷺ کا ایک واقعہ صادقہ گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔

ایک حدیث شریف میں ہے غالباً یہ حدیث شریف میں نے کسی کتاب میں دیکھی ہے۔ عہد رسول میں ایک آدمی تھا اس نے رسول اللہ ﷺ اور اس کے ساتھیوں ”صحابہ کرام“ کے بارے کچھ برا بھلا کہا تھا یعنی اس نے دین اسلام کو ترک کر کے مرتد ہو گیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ کو فتح کیا تو فتح مکہ کے موقع پر

اس شاتم رسول و صحابہ کے لیے دو ہی راستے تھے۔ ان دو راستوں کے علاوہ اسے تیسرا راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ پہلا راستہ یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ جو رحمۃ للعالمین بھی ہیں سے معافی کا خواستگار ہو کر انہیں گلے سے لگائیں دوسرا راستہ یہ ہے کہ موت کو ترجیح دے کر اپنے آپ کو نیست و نابود کر دے۔ چنانچہ وہ دربار رسالت میں حاضر ہو کر معافی کا خواستگار ہوا۔ چنانچہ رحمۃ للعالمین کی ذات گرامی نے اس شاتم کو ہمیشہ کے لیے معاف کر دیا ہے۔

آج اگر اس ملزم کو اہل سنت والجماعت والے رسول اللہ کی سنت مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے معاف کر دیں تو یقیناً سنت رسول اللہ پر عمل درآمد ہو جائے گا۔ اور میرے خیال میں سنت رسول اللہ ﷺ کی اہمیت ہمارے پشاور سے آئے ہوئے مہمان محترم مولانا صاحب بہتر طور پر جانتے اور سمجھتے ہیں۔

اس کے بعد حج صاحب نے مجھے بولنے کی اجازت دے دی۔ میں نے کہا کہ جس طرح مجرم کی صفائی پیش کرنے والے مولوی صاحب نے دربار رسالت ﷺ کا واقعہ پیش فرمایا کہ عہد رسول ﷺ میں ایک آدمی اسلام سے برگشتہ ہو کر مرتد ہو گیا تھا اور پھر اس نے ارتداد سے توبہ کر لی اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے درگزر فرمایا اور اسے نو اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے وابستہ ہو گیا۔ مذکورہ بالا واقعہ جیسا بھی ہے بلا تحقیق اور بلا تبصرہ ہم اسے مان لیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی پاکیزہ سنت پر اگر ہم عمل نہ کریں تو اہل سنت کیسے؟

مجرم الطاف احمد انہی الفاظ کے ساتھ عدالت عالیہ میں اقرار کر لے کہ میں پہلے کافر تھا مرتد تھا۔ جیسا کہ شیعہ مولوی صاحب نے فرمایا ہے تو ہم ابھی ابھی بلا شرط اسے معاف کر دیتے ہیں۔ مجرم الطاف احمد اسی بھری عدالت میں یہ الفاظ دہرائے

کہ میں کافر و مرتد تھا تو قصہ ختم چنانچہ حج صاحب و مولوی صاحب دونوں نے مجرم الطاف احمد سے کہا کہ یہی الفاظ دہراؤ اور معافی مانگ لو۔ جب مجرم الطاف احمد معافی کے الفاظ دہرا رہے تھے تو مذکورہ بالا الفاظ دہرانے کے ساتھ اس نے عدالت عالیہ میں یہ کلمہ بھی دہرایا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفہ بلا فصل۔ حج صاحب اور میں نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا کہ یہ من گھڑت کلمہ نہ پڑھو۔ یہ کلمہ خود ساختہ ہے۔ یہ تیری بھول ہے اور تیری غلط تربیت اور غلط تعلیم سیکھنے کا نتیجہ ہے کہ تجھے ایک ایسا کلمہ پڑھایا گیا ہے کہ یہ تیرے مولوی صاحب بھی مذکورہ بالا خود ساختہ کلمہ بھی ثابت نہیں کر سکتے ہیں۔ نہ تو یہ کلمہ خود رسول اللہ ﷺ نے پڑھا ہے اور نہ ہی تمہارے بنائے ہوئے بارہ اماموں نے اپنے اپنے دور میں پڑھا ہے؟ تو آپ کو کس نے کہا ہے کہ یہ من گھڑت کلمہ پڑھو۔ اصلی کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ اس کے بعد حج صاحب نے الطاف احمد کو قابل درگزر سمجھ کر رہا کر دیا اور ہم فریقین عدالت سے باہر آ گئے۔ میں نے اگلے پروگرام کے لیے جانے کا ارادہ کیا تو حاجی یار محمد تونسوی صاحب ڈاکٹر طارق وسیم صاحب حافظ حبیب اللہ صاحب منظور احمد حیدری صاحب اور دیگر تونہ دھوا کے ساتھیوں نے مجھے تاکید کی کہ فقی صاحب! الطاف احمد نے اپنے نوشتہ میں جتنے اعتراضات کئے ہیں اور پانچ صفحات پر مشتمل مستند حوالوں سے جس طرح تسلی بخش جواب آپ نے دیا ہے اسی طرح ان حوالہ جات کو مزید وسعت دیکر تمام اعتراضات کا جواب دینا ضروری ہے۔

تاکہ آئندہ آنے والے لوگ رافضیت کو آسانی کے ساتھ جواب دے سکیں۔ چنانچہ ساتھیوں کی فرمائش کے مطابق بطور اختصار اور سلسلہ وار جنازۃ الرسول

حدیث قرطاس، خلافت و امامت، تبراء اور دفاع سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہما اہل بیت رضی اللہ عنہم کا دفاع کرنا تحریری دستاویز کی شکل میں پیش کرنے کی سعادت پیش کر دیتا ہوں تاکہ موجودہ لوگ اور آئندہ آنے والے لوگ مذکورہ بالا مسائل سے آگاہ ہو کر ہدایت ربانی سے مستفید ہو جائیں۔ اور دجالیت و شیعیت کے چنگل میں پھنس نہ جائیں۔

①..... جنازۃ الرسول ﷺ

قارئین کرام! رسول اللہ ﷺ کا جنازہ پڑھنا اور نہ پڑھنا اس نوعیت کے ساتھ ہے کہ جس جنازہ کا امام نہیں وہ جنازہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بذات خود بیٹھا جنازہ پڑھائے ہیں اور وہ امام ہوتے تھے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے نماز جنازہ کا کوئی امام نہیں تھا اور نہ ہی کوئی جرات کر سکتا تھا حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی یہ جرات نہ کر سکے۔ کہ میں جنازۃ الرسول ﷺ کا امام بن جاؤں اور لوگ میری اقتدا میں جنازہ ادا کریں۔ حاشا وکلا۔

جنازۃ الرسول ﷺ میں عدم شمولیت کا طعن

شیعہ حضرات اکثر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غسل و کفن و دفن میں شرکت نہیں کی بالخصوص حضرات شیخین ”ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و عمر فاروق“ کہ یہ حضرات محمد رسول اللہ ﷺ کے غسل و جنازہ اور کفن و دفن میں شریک نہ ہوئے اور اس فضیلت سے محروم رہے۔

اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جا کر خلافت پر جھگڑتے رہے۔ اور یہ تمام شرف و فضیلت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حاصل کر لیے۔ ایرانی آیت اللہ اور ان کے حجتہ الاسلام والمسلمین اور ذاکرین اہل بیت رضی اللہ عنہم جنہیں ایرانی لوگ فارسی زبان میں روضہ خواں کہتے ہیں، اپنے اشعار و ابیات بڑی خوش آوازی کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں:

چوں صحابہ حب دنیا داشتند
مصطفیٰ را بے کفن بگذاشتند

ترجمہ: جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں دنیا کی محبت ”نحوذ باللہ“ جاگزیں تھی اور دنیا سے ہی لگاؤ رکھتے تھے تو انہوں نے عین موقع پر رسول اللہ ﷺ کے دفنانے کو بھی چھوڑ دیا۔ جس طرح الطاف احمد نے لکھا کہ صحابہ تو اس دن محمد ﷺ کو بھول گئے جب جنازہ چھوڑ کر سقیفہ چلے گئے۔ مذکورہ بالا الزامات میں کہاں تک حقیقت پائی جاتی ہے؟ ملاحظہ فرمائیں۔

عن سالم بن عبيد الاشجعي و كانت له صحبة قال فقال لي انطلق والظلمت معه فجاء هو والناس قد دخلوا على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا ايها الناس افرحوا لي فافرحوا له فجاء حتى اكب عليه ومسه فقال انك ميت وانهم ميتون. ثم قالوا يا صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم اقبض رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال نعم! فعلموا ان قد صدق. قالوا يا صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم انصلي على رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ما قبض نبى الا دفن حيث يقبض. [السنن لابن ماجه ص ۱۱۸].

مندرجہ بالا روایت کا حاصل یہ ہے کہ دفن کے موقع پر مسلمانوں میں مقام دفن کے متعلق اختلاف واقع ہوا، بعض حضرات کہتے تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو مسجد نبوی (ایک کونہ) میں دفن کیا جائے اور بعض حضرات کہتے تھے کہ آنجناب ﷺ کو اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو ساتھ (جنت البقیع میں) دفن کیا جائے تو اس موقع پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ آنجناب ﷺ نے فرمایا کہ جہاں نبی ﷺ کا انتقال ہوتا ہے ان کو اسی مقام پر دفن کیا جاتا ہے۔

کیفیت صلوٰۃ جنازہ

مذکورہ بالا روایت کے علاوہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے جو روایت صلوٰۃ جنازہ کی کیفیت میں منقول ہے وہ محدث ابی یعلیٰ الموصلی نے بہ عبارت ذیل تحریر کی ہے۔

ثم أدخل الناس على رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلون عليه ارسالا. أدخل الرجال حتى اذا فرغ منهم أدخل النساء حتى اذا فرغ من النساء أدخل صبيان. ولم يؤم الناس على رسول الله صلى الله عليه وسلم أحد. فدفن رسول الله صلى الله عليه وسلم من أوسط الليل ليلة الاربعاء.

[مسند ابی یعلیٰ الموصلی ج ۱ ص ۳۵ ص ۳۶]

روایت بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ پھر لوگ گروہ درگروہ جناب رسول اللہ ﷺ کے

ہاں داخل ہو کر صلوٰۃ جنازہ ادا کرنے لگے۔ پہلے مردوں نے داخل ہو کر نماز جنازہ ادا کی اور جب وہ فارغ ہوئے تو ان کے بعد خواتین نے داخل ہو کر نماز ادا کی اور جب وہ فارغ ہو چکیں تو ان کے بعد لڑکے داخل ہوئے اور آنجناب ﷺ پر صلوٰۃ جنازہ کے لیے کسی شخص نے امامت نہیں کی اور جناب رسول اللہ ﷺ کو چہار شنبہ کی نصف شب کے قریب دفن کیا گیا۔

تسکین بخش صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو بات اور مذکورہ بالا احادیث کی تائیدات

- ① سالم بن عبید نے صدیق اکبر کو وصال نبوی کی اطلاع دی۔
- ② ابو بکر صدیق و سالم بن عبید دونوں رسول اللہ کی طرف فوراً روانہ ہوئے۔
- ③ جب رسول اللہ کے ہاں پہنچ گئے تو اس وقت لوگوں کا ہجوم تھا۔
- ④ صدیق اکبر پر ہجوم منظر کو دیکھ کر اور انہیں مخاطب کر کے فرمایا کہ کھلے اور کشادہ ہو جاؤ یعنی مجھے راستہ دے دو اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تر ہونے دو۔

- ⑤ صدیق اکبر نے جھک کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔

- ⑥ حاضرین وصال نبوی میں ابھی تک متردد اور حیرت زدہ تھے انہوں نے ابو بکر صدیق سے پوچھا کیا واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی ہے تو ابو بکر صدیق نے وفات رسول اللہ کی تصدیق فرما کر تمام لوگ پھر مطمئن ہو گئے کہ واقعی صدیق اکبر نے سچ فرمایا۔

- ⑦ مہاجرین و انصار اور اہل بیت نے پوچھا اے صحابی رسول ابو بکر صدیق! یہ بتلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز جنازہ ہوگا؟ صدیق اکبر نے تصدیق

کر کے فرمایا کہ ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز جنازہ ہوگا۔
 ۸ مہاجرین و انصار اور اہل بیتؑ نے صدیق اکبرؑ سے پھر پوچھا کہ کیفیت صلوٰۃ جنازہ کس طرح ہوگی؟

صدیق اکبرؑ نے فرمایا ایک گروہ عائشہؓ میں داخل ہوگا وہ فاتحہ درود و سلام پڑھے گا پھر وہ گروہ واپس آئے گا اور دوسرا گروہ داخل ہوگا۔ حتیٰ کہ اسی ترتیب کے ساتھ تمام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جنازہ ادا کریں گے۔

۹ پھر مہاجرین و انصار اور اہل بیتؑ نے صدیق اکبرؑ سے پوچھا کہ کیا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا جائے گا؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ ہاں دفن کیے جائیں گے!

۱۰ پھر مہاجرین و انصار اور اہل بیتؑ نے صدیق اکبرؑ سے پوچھا کہ مقام دفن کہاں ہوگا؟

تو صدیق اکبرؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی روح کو جس مقام پر قبض کیا ہے وہ بہترین مقام ہے اسی مقام میں دفن کئے جائیں گے۔ اس پر لوگوں نے یقین کر لیا کہ صدیق اکبرؑ سچ فرما رہے ہیں۔

۱۱ پھر مہاجرین و انصار اور اہل بیتؑ نے سوال کیا کہ آنجناب ﷺ کو غسل دیا جائے گا؟ تو صدیق اکبرؑ نے فرمایا کہ ہاں غسل دیا جائے گا لیکن یاد رہے کہ غسل اقرباء اور قریبی رشتہ دار ہیں وہی دیں گے۔

۱۲ صلوٰۃ جنازہ کی کیفیت میں خیال رکھیں کہ طریق معروف پر صلوٰۃ جنازہ ہرگز نہیں ہوگا بلکہ بغیر امام کے ہوگا! مذکورہ بالا امور کی رہنمائی کرنے والے افضل البشر بعد الانبیاء ابو بکر صدیقؓ انبیائے کرام کے بعد بشریت میں کامل ترین و

افضل ترین سیدنا صدیق اکبرؓ ہیں رافضی لوگ تا حال خواب غفلت میں سوئے ہوئے ہیں کہ ابو بکر صدیقؓ نے نعوذ باللہ رسول اللہ کے جنازہ کو چھوڑ چکے تھے حالانکہ وفات رسول اللہ کی تصدیق، قبر کی کھودائی، مقام دفن کی نشاندہی طریقہ غسل و کفن و دفن میں یہ تمام امور کی رہنمائی سیدنا صدیق اکبرؓ نے فرمائی۔

مذکورہ بالا امور کی صدیقیؓ رہنمائی منجانب خدا اور الہامی تھی

عن مالک انه بلغ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم توفي يوم الاثنين ودفن يوم الثلاثاء وصلى عليه الناس ائذاناً.

لا يؤمهم أحد فقال ناس يدفن عند المنبر وقال آخرون يدفن بالبقيع فجاء أبو بكر صديق فقال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ما دفن نبى قط الا فى مكانه الذى توفى فيه.

فلما كان عند غسله أرادوا نزع قميصه. سمعوا صوتاً يقول لا تنزعوا القميص فلم ينزع القميص و غسل وهو عليه صلى الله عليه وسلم.

مؤطا امام مالک تحت ماجاء فى دفن الميت ص ۲۱۲.

مندرجہ بالا روایت کا مطلب یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سرور دو جہاں ﷺ کا انتقال دو شنبہ ”سوموار“ کو ہوا اور آنجناب ﷺ کا دفن سہ شنبہ ”منگل“ کے بعد کو ہوا اور جناب نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ جنازہ بغیر جماعت کے پڑھی گئی۔ کی شخص نے ان کی امامت نہیں کی۔ اس موقع پر بعض لوگوں نے کہا کہ آنجناب ﷺ کا دفن منبر نبوی کے پاس ہونا چاہیے اور بعض لوگوں نے کہا کہ جنت البقیع میں دفن کیا جائے تو جناب صدیق اکبرؓ شریف لائے۔ اور انہوں نے ذکر کیا کہ میں نے

جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کی جس مقام میں وفات ہو اسی میں ان کو دفن کیا جائے گا۔ چنانچہ جناب اقدس ﷺ کے فراش (بستر مبارک) کے مقام پر قبر مبارک کھودی گئی۔ اور جب غسل نبوی ﷺ کا موقع آیا تو لوگوں نے آنجناب ﷺ کی قمیص مبارک کو اتارنے کا قصد کیا تو انہوں نے ایک غیبی آواز سنی جس میں کہا گیا کہ قمیص کو مت اتارو اور جناب نبی اقدس ﷺ کو اسی حالت میں غسل دیا گیا۔

مذکورہ بالا روایت یہ واضح کر رہی ہے کہ جب رسول اللہ کو قریبی رشتہ دار غسل دینے لگے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے جسم مبارک سے حسب عادت قمیص اتارنے کا ارادہ کیا تو اوپر سے ایک غیبی آواز آئی کہ قمیص کو مت اتارو! چنانچہ قمیص سمیت ہی غسل دیا گیا۔

اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بالادس امور غلط ہوتے جو انہوں نے مہاجرین رضی اللہ عنہم و انصار رضی اللہ عنہم اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کو تعلیم و تلقین کئے تھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرور کوئی نہ کوئی تنبیہ آتی جس طرح کہ نبی اکرم ﷺ کے جسم مبارک سے بوقت غسل قمیص اتارنے کا قصد کیا تو ایک غیبی آواز آنے سے انہوں نے قمیص اتارنے کا ارادہ ترک کیا۔

دوسرے لفظوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی بات فرماتے کہ یہ بتلائے ہوئے امور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے غلط ہیں۔

ممکن ہے شیعہ حضرات یہ کہہ دیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے تقیہ کیا تھا یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود ہی نہیں تھے۔ تو پھر وجود اور عدم وجود کی بات کس پر صادق آتی ہے؟ لیکن ہم اہلسنت والجماعت کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ اور صدیق

اکبر رضی اللہ عنہ کے تمام امور کی تصدیق ثبت کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ ثابت فرمایا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی رسول اللہ ﷺ کے انتقال فرمانے کے بعد خلیفہ بلا فصل ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیشوا و متذاب ہیں۔ اور خلیفہ بلا فصل ہونے کے ساتھ تمام امور کے مہاجرین رضی اللہ عنہم و انصار رضی اللہ عنہم اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے تمام شرعی امور کے فرمانروا ہیں۔

صلوۃ جنازہ کی کیفیت اور امت مسلمہ کو نصیحت

لما کفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووضع سریرہ دخل ابوبکر وعمر فقالا السلام علیک یا ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ ومعہما نفر من المهاجرین قدر مایسع البیت فسلموا کما سلم ابوبکر وعمر و صفوا صفوفا لا یؤمہم علیہ أحد رہما فی الصف الاول حیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہم انا نشہد ان قد بلغ ما أنزل علیہ ونصح لأمتہ وجاہد فی سبیل اللہ حتی أعز اللہ دینہ. فیقول الناس آمین آمین ثم یخرجون ویدخل اخرون حتی صلوا علیہ الرجال ثم النساء ثم الصبیان فلما فرغوا من الصلوۃ تکلموا فی موضع قبرہ..... الخ [طبقات الکبیر ج ۲، ص 265 سیرت حلبیہ ج 3 ص 394.

الانساب الاشراف للبلاذری ج 1 ص 74 کی. البدایہ والنہایہ ج 5 ص 265]

مندرجہ بالا ابن سعد و بلاذری کی روایت کا مفہوم یہ ہے کہ جب سردار دو جہاں ﷺ کو کفن کویدیا گیا اور سریر ”چارپائی“ پر رکھے گئے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ حجرہ مبارک میں داخل ہوئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ

پر سلام ہو۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور رحمتیں اور برکات ہوں اور شیخین رحمہما کے ساتھ
مہاجرین و انصار کی اتنی تعداد میں جماعت تھی جو اس حجرہ مبارک میں ساکت
تھی۔ ان سب حضرات نے بھی شیخین کی طرح سلام پیش کیا یہ حضرات صفوں میں
کھڑے تھے اور شیخین جناب اقدس رحمہما کے سامنے صف اول میں کھڑے تھے اور
کسی شخص نے اس نماز جنازہ کی امامت نہیں کرائی ”اس موقع پر ان حضرات نے
یہ الفاظ ادا کئے“ اے اللہ! ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ جو چیز پیغمبر اسلام پر
نازل کی گئی وہ انہوں نے ٹھیک طور پر پہنچائی اور انہوں نے اپنی امت کی خیر
خواہی کی اور انہوں نے اللہ کے راستے میں جدوجہد کی حتیٰ کہ ان کے دین کو قوت
دی اور عزت بخشی۔

پس اس وقت ساتھ والے آئین آئین کہتے رہے پھر وہ افراد ”حجرہ مبارک
سے“ باہر آگئے اور دوسرے داخل ہو گئے۔ اسی طرح انہوں نے آنجناب رحمہما پر نماز
جنازہ پڑھی۔ پہلے مرد داخل ہوتے رہے پھر ان کے بعد خواتین داخل ہوئیں اور ان
کے بعد لڑکے داخل ہوئے۔

تسلی بخش الزامی جواب

پیش کردہ اعتراض کردہ جواب بحمد اللہ اپنی کتابوں سے معروف اور صحیح روایات
کے ذریعہ درج کر دیا ہے اور فن مناظرہ کا ضابطہ یہی ہے کہ انسان اپنے مسلمات سے
اعتراض اور طعن کا جواب دے سکتا ہے۔ لہذا ہم نے اس قاعدہ کے مطابق جواب
تمام کر دیا ہے۔ اب مسئلہ کو مزید پختہ کرنے کے لیے شیعہ احباب کی کتابوں سے
الزاماً جواب نقل کیا جاتا ہے کہ شیخین رحمہما سر دار دو جہاں رحمہما کے جنازہ میں دیگر

کرام کی طرح شامل و شریک تھے اور موجودہ صحابہ کرام رحمہما میں سے کوئی
صحابہ بھی اس فضیلت سے محروم نہیں رہا۔ سب حضرات مہاجرین و انصار اور اہل بیت
عظام شامل ہوئے تھے۔

① سلیم بن قیس اہلالی کہتے ہیں کہ ثم ادخل عشرة من المهاجرين
وعشرة من الانصار وكانوا يدخلون ويدعون ريخرون حتى لم
يبق احد شهد من المهاجرين والانصار الا صلى عليه۔ کتاب سلیم بن
قیس اہلالی۔ ص 70۔

② اور امام محمد باقر کہتے ہیں کہ عن ابي جعفر ”محمد باقر“ قال لما
بعض النبي صلى الله عليه وآله صلت عليه الملائكة والمهاجرون
والانصار فوجا فوجا۔ اصول کافی باب مولد النبی ووفاته۔ ص 286

③ شیخ طبری از امام محمد باقر روایت کردہ است کہ وہ نفر داخل می شوند و چنین
برائ حضرت نماز سے کردند بے امام در روز دوشنبہ و شب سہ شنبہ تا صبح و روز سہ شنبہ تا
شام تا آنکہ خورد و بزرگ مردوزن از اہل مدینہ و اہل اطراف مدینہ بر آنجناب
رحمہما چنین نماز کردند حیات القلوب ج 2 ص 866۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت علی نے دس دس مہاجرین اور دس دس انصار کو ”حجرہ
شریفہ“ میں داخل کیا جو نماز جنازہ ادا کرتے تھے اور ”حجرہ شریفہ سے“ باہر
آجاتے تھے۔

حتیٰ کہ مہاجرین و انصار میں سے ایک فرد بھی باقی نہ رہا جس نے آنجناب رحمہما
پر نماز ادا نہ کی ہو۔

اور حیات القلوب کی عبارت کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔ یعنی امام محمد باقر

فرماتے ہیں۔ جنازہ نبویؐ کی صورت یہ کی گئی کہ دس دس افراد نماز جنازہ کے لیے حجرہ میں داخل ہوں اور بغیر امام کے نماز ادا کریں۔

سوموار کے روز اور منگل کی شب صبح تک اور منگل کے روز شام تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

یہاں تک کہ چھوٹے بڑے مرد و عورت اہل مدینہ اور اطراف مدینہ تمام لوگوں نے آپ کی اسی طرح نماز جنازہ ادا کی۔

مذکورہ بالا روایت سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ ان حضرات میں حضرات شیخینؒ بھی آگئے اور ان کا نماز جنازہ نبویؐ میں شمول یقیناً پایا گیا کیونکہ ان حوالہ جات میں حضرات شیخینؒ کے حق میں کوئی استثنائی صورت مذکور نہیں۔

ان حقائق کے باوجود اگر کوئی شخص اپنے تجویز کردہ طعن پر قائم رہتا ہے تو یہ ضدو عناد ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔

حدیث قرطاس

بروایت ابن عباسؓ حدیث قرطاس کا ذکر صحیح بخاری میں دو جگہ آیا ہے۔ اس مقام پر ان دونوں احادیث شریفہ کو بلفظہ نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ ناظرین کے لیے اس واقعہ کی اصلیت کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ ان پر طعن کنندگان کی کم علمی اور کم فہمی بخوبی ظاہر ہو جائے۔

پہلی حدیث شریف

عن ابن عباسؓ قال لما حضر رسول الله صلى الله عليه وسلم وفي البيت رجال فيهم عمر بن الخطاب قال النبي صلى الله

عليه وسلم اكتب لكم كتابا لا تضلوا بعده فقال عمر ان النبي صلى الله عليه وسلم قد غلب عليه الوجد وعندكم القرآن حسبا كتاب الله فاختلف اهل البيت فاختلفوا منهم من يقول قريوا يكتب لكم النبي صلى الله عليه وسلم كتابا لن تضلوا بعده ومنهم من يقول ما قال عمر فلما اكثر واللغوا و الاختلاف عند النبي صلى الله عليه وسلم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قوموا قال عبيد الله فكان ابن عباس يقول ان الرزية كل الرزية ما حال بين رسول الله صلى الله عليه وسلم وبين ان يكتب لهم ذالك الكتاب من اختلافهم ولفظهم. (صحیح بخاری کتاب الطب)

ترجمہ: عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کا وقت آیا اور دولت کدہ میں لوگ جمع تھے۔ جن میں عمر بن الخطابؓ بھی تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا آؤ میں تمہیں ایسی تحریر لکھ دوں کہ جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔ پس حضرت عمرؓ نے کہا کہ حضور پر نور ﷺ پر درد غالب ہو گیا ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے اور کتاب اللہ ہمارے لیے کافی ہے۔ پس گھر والوں نے اختلاف کیا اور آپس میں جھگڑ پڑے۔ بعض کہتے تھے کہ ”سامان کتابت“ پاس رکھ دو تاکہ حضور پر نور ﷺ تمہارے لیے ایسی تحریر لکھ دیں جس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اور بعض ویسا کہتے تھے جیسا کہ عمرؓ نے کہا۔ پس جب انہوں نے نبی ﷺ کے پاس شور و اختلاف زیادہ کیا تو رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا اٹھ جاؤ۔ عبید اللہ راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ مصیبت بڑی مصیبت وہ چیز ہے جو سب ان کے اختلاف اور شور کے حائل ہوگئی درمیان رسول ﷺ اور اس کے کہ آپ ان کے لیے وہ تحریر لکھتے۔

دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں

عن سعید بن جبیر قال قال ابن عباس يوم الخميس وما يوم الخميس اشتد برسول الله صلى الله عليه وسلم وجعه فقال ائتوني اكتب لكم كتابا لن تضلوا بعده ابدا فتنزعوا ولا ينبغي عندنبي تنازع فقالوا ما شاناه اهجرا استفهموه. فذهبوا يردون عليه فقال دعوني فالذي انا فيه خير مما تدعونني اليه واوصاهم بثلاث قال اخرجوا المشركين من جذيرة العرب واجيزوا الوفد بنحو ما كنت اجيزهم. وسكت عن الثالثة اوقال فنسيتها. [صحيح بخاری ج 2 ص 638]

ترجمہ: سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ کہا ابن عباسؓ نے پنج شنبہ کا دن اور کیسا عجیب اور سخت تھا پنج شنبہ کا دن رسول اللہ ﷺ پر آپ ﷺ کا درد شدت اختیار کر گیا۔ پس آپ نے فرمایا ”سامان کتابت“ میرے پاس لاؤ میں تمہارے لیے ایک ایسی تحریر لکھ دوں کہ جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ پس حاضرین نے جھگڑا اور اختلاف کیا اور کسی پیغمبر کے پاس جھگڑا اور اختلاف مناسب نہیں۔ پس بعض نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی شان مبارک اور حال کیا ہے؟ کیا کبھی آپ کی زبان مبارک

سے پریشان کلام نکلا ہے؟ آپ سے دریافت کرلو۔ پس وہ آپ پر معاملہ کتابت کو دوبارہ پیش کرنے لگے۔ اس پر آپ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو کیونکہ میں جس حالت ”مشاہدہ حق“ میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے۔ جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو اور آپ نے ان کو تین باتوں کی وصیت فرمائی کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو ایلیچوں کو انعام دو جیسے میں دیا کرتا تھا اور تیسری بات کے متعلق سعید بن جبیر چپ رہے یا راوی کہتا ہے کہ میں بھول گیا۔

عام طور پر شیعہ حضرات حدیث قرطاس کے متعلق چار سوالات پیش کرتے

ہیں۔

① مذکورہ بالا حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصیت لکھنا چاہتے تھے لیکن صحابہ کرامؓ نے کاغذ و قلم حاضر نہیں کئے جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصیت نہ لکھ سکے اور وصیت بھی خلافت علیؓ کے بارے میں تھی۔

② صحابہ کرامؓ نے جھگڑا شروع کیا جس کی وجہ سے کتابت وصیت کا معاملہ ختم ہو گیا۔

③ اگر حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیان ”بکواس“ کہہ رہے ہیں۔ ”نعوذ باللہ من هذه الكلمة“

④ حضرت عمرؓ نے حسنا کتاب اللہ کہہ کر ہمارے لیے قرآن کافی ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے معاملہ کو ختم کر دیا گیا۔

۱۔ حدیث قرطاس پر پہلا اعتراض کہ خلافت علیؓ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم لکھنا چاہتے تھے مگر حضرت عمرؓ مانع ہوئے اور سامان کتابت حاضر نہ کر سکے۔ مذکورہ بالا اعتراض بھی خود شیعہ حضرات کیلئے ایک معممہ بن جاتا ہے کہ شیعہ حضرات کے تمام مفسرین و محدثین اس بات پر اجماع کر چکے ہیں کہ خلافت علیؓ کو بمقام غدیر خم بہ الفاظ ذیل من کنت مولاه فہذا علی مولاه کا اعلان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مذکورہ بالا سوال سے یہ بھی روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ شیعہ محدثین اور مفسرین کا خلافت والا دعویٰ جھوٹا ہے۔ اور مقام غدیر کی حدیث سے خود انکار کرتے ہیں۔ اگر حدیث ولایت سے مراد شیعہ حضرات، خلافت و امامت علیؓ لیتے ہیں تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھوانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

2۔ اسی طرح شیعہ حضرات، حدیث ثقلین سے بھی انکار کرتے ہیں کہ حدیث ثقلین، امامت و خلافت علیؓ کے لیے پیش کرتے ہیں اور حدیث ثقلین کے متواتر ہونے سے انکار کرتے ہیں۔

3۔ شیعہ حضرات اگر حدیث قرطاس کو خلافت علیؓ کے ساتھ وابستہ کر دیتے ہیں تو ان کے نزدیک دین اسلام بھی ادھورا ہے اور اس کے برخلاف ہمارے اہل سنت و الجماعت کے نزدیک دین اسلام کامل اور مکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مقدس میں فرماتا ہے۔

يا ايها الرسول بلغ ما أنزل اليك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالتك.

ترجمہ: اے رسول! جو آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا اس کی اعلانیہ تبلیغ کیجئے اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ

نے رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔

تو ہمارے اہل سنت و الجماعت کا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے رسول نے رسالت کا حق ادا فرمایا ہے اور اعلانیہ تبلیغ کر کے سب کچھ ہم تک دین کے حوالے سے پہنچایا ہے۔

اللہ رب العزت دوسرے مقام پر فرماتا ہے۔ اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام ديناً.

آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور پسند کیا میں نے تمہارے لیے دین اسلام کو۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ سے بھی یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو کامل کر کے ہمیں کسی کے سہارے پر نہیں چھوڑا۔

4۔ شیعہ حضرات کے نزدیک اگر حدیث قرطاس کے حوالے سے کچھ کتابت وصیت رہ چکی ہے تو کتابت ”لکھائی“ کی نسبت کہ عدم کتابت کی نسبت جو صحابہ کرامؓ کی طرف منسوب کر دی ہے درست نہیں ہے کیونکہ اس میں صرف صحابہ کرامؓ ہی شامل نہیں ہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعرات کے دن انتقال نہیں فرمایا بلکہ جمعرات کے بعد جمعہ ہفتہ اور اتوار مستقل طور پر تین دن باہوش و حواس بسر کئے اور پیر والے دن انتقال فرمایا۔ تو کم از کم ان تین دنوں میں کتابت ضرور پوری کر لیتے۔

5۔ شیعہ حضرات جب بھی حضرت علیؓ کی تعریف کرتے ہیں تو سب سے مقدم یہ تعریف کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی اور نفس رسولؐ ہیں اور نہایت قریبی رشتہ دار اور جتنے قربت کے ذرائع اور وسائط ہیں وہ

تمام ذرائع اور وسائل حضرت علیؑ سے وابستہ کر دیتے ہیں اور ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کسی وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے تھے اور ہر وقت ساتھ رہتے تھے تو چلو صحابہ کرامؓ کا غزوہ قلم نہیں لاسکیں تو کم از کم حضرت علیؑ کا غزوہ قلم اٹھا کر حاضر کر دیتے۔ کیا اس وقت حضرت علیؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے سے مستثنیٰ تھے؟ کیا حضرت علیؑ نے کوئی تقیہ سے کام تو نہیں لیا؟

6۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وانہ خلافت لکھنا چاہتے تھے لیکن خود حضرت علیؑ نے لکھوانا نہ چاہا کیونکہ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد متصل خلیفہ ابوبکر صدیق ہیں۔

اگر حضرت علیؑ کی خلافت و امامت کا تقاضا ہوتا تو کاغذ و قلم ضرور حاضر کر دیتے۔

7۔ شیعہ حضرات نے اور ان کے علماء نے بھی عدم کتابت کی بات تسلیم کیا ہے۔ لکھتے ہیں: اما سکو ته عليه السلام بعد التنازع ما كان من عنده بل كان بوحى كما بين فى مقامه. فصار امر الكتابة منسوخا بالوحى۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ہاں تنازع کے بعد خاموش ہو جانا اپنی طرف سے نہیں تھا بلکہ وحی کی وجہ سے تھا کہ اپنے مقام میں بیان کیا گیا ہے۔ پس کتابت کا معاملہ وحی کی وجہ سے منسوخ ٹھہرا۔ فلک النجاة ج 1 ص 339۔ از محمد علی وحید امیر دین شیعیان جھنگ۔

②..... دوسرا اعتراض

دوسرا اعتراض اس موقع پر مخالفین صحابہ کرامؓ کی طرف سے یہ قائم کیا جاتا ہے

کہ مجلس ہذا میں حاضرین صحابہ کرامؓ نے جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے اختلاف اور تنازع کرتے ہوئے آوازیں بلند کیں اور رسول اللہ ﷺ کا احترام ملحوظ نہیں رکھا اور وہ لوگ حکم خداوندی کے خلاف شرعاً ناجائز امر کے مرتکب ہوئے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا کہ قوموا عنی میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ جواب اس کے متعلق ذکر کیا جاتا ہے کہ اصل میں بات یہ ہے کہ کسی مسئلہ پر اختلاف رائے کا اظہار کرنا فی نفسہ کوئی فتنہ فعل نہیں ہے۔

دور نبوت میں مختلف مسائل پر رائے کا اختلاف ہوتا رہا۔ اور پھر اظہار رائے کے موقع پر غیر شعوری طور پر آواز کا بلند ہو جانا ایک فطری امر ہے اور قابل طعن نہیں۔ اس موقع پر بھی یہی صورت پیش آئی اور آوازیں غیر شعوری طور پر بلند ہوئیں لیکن فہم اور بالا ارادہ ہرگز واقع نہیں ہوئی۔

اس سلسلہ میں نصوص قرآنیہ اور آداب مجلس نبویؐ صحابہ کرامؓ کے پیش نظر تھے اور وہ ان پر ہمیشہ عمل درآمد کیا کرتے تھے۔ اس چیز پر حدیث شریف میں بعض اوقات بطور شاہد کے پائے جاتے ہیں۔ مسجد نبویؐ میں ایک روز حضرت عمرؓ تشریف فرما تھے۔ اسی اثناء میں ایک شخص نے مسجد ہذا میں آواز بلند کی تو حضرت عمرؓ نے اسے بلا کر دریافت فرمایا کہ تو کس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ تو اس شخص نے جواب دیا کہ میں قبیلہ بنو ثقیف سے ہوں۔ آپؓ نے پوچھا کہ تو کون سے علاقے سے ہے تو اس نے کہا کہ میں علاقہ طائف کا رہنے والا ہوں تو اس پر عمرؓ نے فرمایا۔ قال لو انک كنت من اهل بلدنا هذا لأوجعتک ضرباً۔ ان مسجدنا هذا لا یرفع لہ الصوت۔ المصنف العبد الرزاق۔ ج 1 ص 437-438۔ باب اللفظ و رفع الصوت فی المسجد۔ یعنی اگر تو ہمارے اس شہر ”مدینہ منورہ“ سے ہوتا تو

میں تجھے سزا دیتا۔ قاعدہ یہ ہے کہ ہماری اس مسجد میں آواز بلند نہیں کی جاتی۔ اسی مفہوم کی ایک دیگر روایت ”بخاری شریف“ میں ہے۔ اس میں سائب بن یزید کا واقعہ اس طرح درج ہے۔

كنت قائما في المسجد فحسبني رجل فنظرت اليه فاذا هو عمر بن الخطاب فقال اذهب فاتني بهذين فحنته بهما فقال ممن انتما ومن اين انتما قالوا من اهل الطائف قال لو كنتما من اهل البلد لأوجعتكما ترفعان أصواتكما في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم.

[بخاری شریف ج 1 ص 67]

سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میں ایک روز مسجد نبوی میں کھڑا تھا کہ میری طرف کسی صاحب نے کنکری پھینکی۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو وہ حضرت عمر بن الخطاب تھے۔ آپؓ نے مجھے فرمایا کہ جاؤ اور دونوں شخصوں کو میرے پاس لاؤ، پس میں نے دونوں کو بلایا حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا تم کہاں سے ہو اور کس شہر کے رہنے والے ہو؟

ان دونوں نے کہا کہ ہم طائف شہر کے رہنے والے ہیں حضرت عمرؓ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ہمارے اس شہر ”مدینہ منورہ“ سے ہوتے تو تمہیں ضرور سزا دیتا۔

کہ تم مسجد ہذا میں اپنی آوازوں کو بلند کرتے ہو۔ مذکورہ بالا واقعات سے یہ بات واضح ہے کہ حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں خود بھی آواز بلند نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو بھی آواز بلند کرنے سے منع فرماتے تھے۔

ان قرآن کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ کرامؓ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس کے آداب کو پوری طرح ملحوظ رکھتے تھے۔ فلہذا واقعہ قرطاس کے موقع پر بھی حاضرین مجلس صحابہ کرامؓ نے آداب کو ترک نہیں کیا اور کوئی خلاف ادب بات ان سے قصداً صادر نہیں ہوئی۔ جن روایات میں آوازیں بلند ہونے کا ذکر پایا جاتا ہے تو اس کا محمل یہ ہے کہ شرکائے مجلس سے یہ فعل غیر ارادی طور پر سرزد ہوا اور بعض اللہ تعالیٰ کی مجلس میں غیر شعوری طور پر اس طرح رفع صوت پایا جاتا ہے۔ البتہ قصداً و اراداً ایسا نہیں ہوا۔

پھر اس پر مخالفین صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ آنجناب ﷺ نے تو مواعنی کیوں فرمایا؟ تو اس کے متعلق معلوم ہونا چاہیے کہ یہ کلمہ ”تو مواعنی“ جناب الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو کسی خاص فرد کے لیے نہیں تھا سب حاضرین کے لیے ہوا کہ اس شرکائے مجلس میں خود حضرت علیؓ بھی موجود تھے۔ اصل بات یہ کہ یہ حکم اپنی اختلاف کو ختم کرنے کیلئے تھا۔ مقصد یہ تھا کہ آپ اس بات کو ترک کر دیں اور چھوڑ دیں۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ تو مواعنی کا اطلاق ایسے مواقع میں حدیث میں مستعمل ہے مثلاً۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقرأوا القرآن ما اختلفت علیہ فلو بکم. فاذا اختلفتم قوموا عنه. مطلب یہ ہے کہ تم قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہو جب تک تم پر دلجمعی رہے اور جب تم اکتا جاؤ تو اس کو ترک کر دو اور چھوڑ دو۔ بخاری شریف ج 2 ص 295۔ کتاب الاعتصام باب کراہیۃ الاختلاف۔ یہاں تو مواعنی کے الفاظ ہیں اور اس سے اس عمل اور بات کا ترک کر دینا مراد لیا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح واقعہ قرطاس

کی روایت میں قوموا معنی سے بھی یہی مراد ہے کہ اختلاف والی بات کو چھوڑ دو اور ترک کر دو۔ مزید اس پر ایک دیگر قرینہ یہ ہے کہ واقعہ قرطاس کی بعض دیگر روایات میں قوموا معنی کے الفاظ کی بجائے دعویٰ اور ذرونی کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔

جن سے بات ترک کر دینے اور چھوڑ دینے کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ پس ان قرآن سے قوموا معنی کا مفہوم متعین ہو جاتا ہے اور واضح ہوتا ہے کہ قوموا معنی کے معنی ”اٹھ کر چلے جاؤ“ ہرگز مراد نہیں بلکہ اس مقام میں اس کا معنی ”بات کو چھوڑ دو اور ترک کر دو“ درست ہے۔

③..... تیسرا اعتراض

مخالفین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے تیسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ بعض صحابہ اور حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے حق میں ہجران کی نسبت کی اور کہا اہجر استفہموہ یہ شان رسالت میں کمال گستاخی ہے۔ مذکورہ بالا روایت میں لفظ قالوا ”صیغہ جمع مذکر غائب“ کے ساتھ آیا ہے۔ یعنی ”حاضرین مجلس“ نے کہا، کسی ایک فرد نے نہیں کیا۔ فلہذا اس قول کے قائل ”کہنے والا“ اس روایت کے اعتبار سے ایک آدمی نہیں بلکہ اس کے قائل متعدد حضرات ہیں۔ چنانچہ اہجر استفہموہ کا صرف حضرت عمرؓ کی طرف انتساب کر کے گستاخی کا الزام لگانا بالکل غلط اور بے جا ہوا۔ اس موقع کی جن روایات میں اہجر استفہموہ کا کلمہ پایا جاتا ہے وہاں محدثین کرام نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ہجر بھجو کے معنی فراق اور جدائی کے ہیں اور یہاں صحابہ کرامؓ اپنے ہم مجلس دیگر صحابہ گرام سے اسی فراق اور جدائی کے معنی میں کلام کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ کیا جناب رسول اللہ ﷺ ہم سے جدا

ہیں؟ ان سے دریافت کیجئے!! جناب رسول اللہ ﷺ سے ہذیان ”بیہودہ“ کی نسبت کرنا ممنوع ہے اور شان نبوت کے بعید ہے۔

کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ کی صحت و مرض دونوں حالتوں میں معصوم اور ایوان ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجرؒ نے ”فتح الباری“ میں تصریح کر دی ہے کہ وقوع

والک من النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستحیل لآئہ معصوم فی محنتہ ومرضہ لقولہ تعالیٰ وما ینطق عن الہوی۔ فتح الباری ج 8 ص 108۔ علمائے کرام لکھتے ہیں کہ بعض روایات کے مطابق جن حضرات سے اہجر

استفہموہ کا قول صادر ہوا تو انہوں نے یہ قول بطور استفہام انکاری کے استعمال کیا ہے ”یعنی استفہام تقریری نہیں“ مطلب یہ ہے کہ جن حضرات نے بھی یہ کلمہ

کہا ہے۔ انہوں نے ہذیان کے انکار کے طور پر ذکر کیا ہے۔ اثبات کے طور پر نہیں ذکر کیا اور اس کلمہ کے قائل وہ حضرات تھے جو تحریر لکھوانے کے حق میں تھے۔ یہ

حضرات اپنے دیگر صاحبان کے قول کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو ہذیان ہرگز نہیں ہوا بلکہ آنجناب ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہمیں قرطاس

چٹا کرنا چاہیے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ اس کلمہ کے قائل حضرت عمرؓ ہرگز نہیں تھے کیونکہ آپ تو اس وقت تحریر لکھوانے کے حق میں نہیں تھے۔

بالفرض یہاں اہجر استفہموہ سے مراد ہذیان اور استفہام تقریری لیا جائے تو کلمہ استفہموہ کی وجہ سے عبارت بے جوڑ اور بے ربط ہو جاتی ہے۔ یعنی ہذیان میں مبتلا ہوا اس سے کوئی دریافت کرنا بالکل بے جا اور بے سود ہے۔

لہذا یہاں استفہام تقریری مراد لینا ہرگز درست نہیں۔ اس مقام میں علامہ

کرمانی شرح بخاری شریف میں امام النوای کا قول نقل کیا ہے لکھتے ہیں۔ قسأل
النواوی رحمة الله عليه هو "اهجر" بهمزة الاستفهام الانكارى اى
انكروا من قال لا تكتبوا اى لا تجعلوا امره كامر من هذا فى كلامه
..... او هو من الهجر ضد الوصل اى هجر من الدنيا والطلاق بلفظ
الماضى لما راوه فيه من علامات الهجر من دار الفناء.

[شرح البخاری الکرمانی ج 16 ص 235]

مطلب یہ ہے کہ امام النوای فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ اہجر استفہام انکاری
کے ساتھ مستعمل ہے یعنی جو صحابہ کرام تحریر لکھوانے کے حق میں نہیں تھے۔ ان کا رد
کرتے ہوئے دیگر صحابہ کرام سے کہہ رہے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے معاملہ
کو اس شخص کی طرح نہ بنا دیا جائے جو ذہنی اختلال کی وجہ سے غیر متوازن کلام کرتا
ہے۔ یا یہ کلمہ ہجر جدائی، فراق، ہجرت کے معنی میں ہے جو وصل کی ضد ہے یعنی
آنجناب ﷺ اس دنیا فانی سے ہجرت فرما رہے ہیں؟؟ لفظ ہجر کا فعل ماضی سے
اطلاق اور استعمال کیا ہے کیونکہ آنجناب ﷺ کے لیے اس دار فانی سے ہجرت کے
علامات وہاں نظر آ رہے تھے کہ کیا حضور ﷺ کا ارادہ ہم کو داغ مفارقت دینے کا
ہے ذرا آپ سے دریافت تو کرو۔

④..... چوتھا اعتراض

واقعہ قرطاس سے مخالفین صحابہ کرامؓ نے خصوصاً حضرت عمرؓ پر یہ اعتراض وارد کیا
ہے کہ مرض الوفا میں جناب رسول اللہ ﷺ امت کے لیے ایک ضروری تحریر
لکھوانا چاہتے تھے جس کی موجودگی میں امت مسلمہ کبھی گمراہ نہ ہوتی۔ لیکن بموجب
بعض روایات حضرت عمرؓ نے حسبنا کتاب اللہ کہا اور اس تحریر سے مانع ہوئے۔ شیعہ

مسئل حضرت عمرؓ پر اعتراض کرتے ہیں حالانکہ حضرت عمرؓ نے مذکورہ کلمات
فرمائے ہیں تو وہ آنصوف نے جناب رسول اللہ ﷺ کے شدت مرض کی حالت
کے پیش نظر ذکر کئے تھے اور طبع مبارک کی رعایت مقصود خاطر تھی۔ چنانچہ علماء نے
لکھا ہے کہ انما قصد عمر بن الخطاب بما قال التخفيف على رسول
الله صلى الله عليه وسلم حين راه قد غلب عليه الوجع۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس وقت جو کچھ ذکر کیا تھا اس سے فرمان
نبوی ﷺ کو رد کرنا ہرگز مقصود نہیں تھا بلکہ آنحضرت ﷺ کی حالت میں تخفیف
نظر تھی تا آنکہ جناب رسول اللہ ﷺ کی طبیعت میں کچھ سکون اور راحت آجائے
اور تب شدت زائل ہو جائے۔ ”بعدہ تحریر لکھوائی جائے گی۔“

[دلائل النبوة للبيهقي ج 7 ص 184]

مزم الطاف احمد نے دوسرے صفحہ پر یوں تحریر کیا ہے کہ مسلمانوں کے خلیفہ دوم
واقعہ قرطاس میں فرما رہے ہیں کہ رسول بوجہ تیز بخار تو بہ نعوذ باللہ ہڈیاں کہہ رہے
ہیں۔ ان کی بات کو نہ مانو تو اس وقت خلیفہ دوم نے کہا تھا کہ ہمارے لیے قرآن
کافی ہے۔

مزم نے تو بہ نعوذ باللہ کے الفاظ لکھ کر ”مذکورہ بالا الفاظ“ مزم کے نزدیک اس
بات پر دلالت کرتے نظر آ رہے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کوئی بڑا شیطانی کام کیا ہے۔

کیونکہ نعوذ باللہ کے الفاظ و کلمات اس مقام پر استعمال کئے جاتے ہیں جب
کوئی شیطانی کام ہو رہا ہو تو دیکھنے والا نعوذ باللہ کہہ کر اس برے کام سے علیحدگی اور
نکالی کا اعلان کر رہا ہو۔ آگے مزم یوں لکھتا ہے کہ رسول کی بات نہ مانو۔

مزم الطاف احمد سے پوچھا جائے کہ یہ جملہ کس جگہ لکھا گیا ہے یا در ہے یہ جملہ
کی جگہ بھی نہیں ہے۔ مزم الطاف احمد حضرت عمرؓ پر الزام لگا کر حضرت عمرؓ سے انکار
کر رہا ہے اور ایک جھوٹی بات کی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف کر رہا ہے۔ کہ رسول کی

بات نہ مانو۔ یہ ملزم الطاف احمد کی ہرزہ سرائی اور سیدنا عمر فاروقؓ کی ذات گرامی پر بہتان عظیم ہے۔ باقی حضرت عمرؓ کا یہ کہنا کہ ہمارے لیے قرآن کافی ہے کوئی گالی نہیں اور نہ ہی کوئی برا کلمہ ہے۔ سیدنا حضرت عمرؓ اگر یہ فرماتے کہ ہمارے لیے قرآن کافی نہیں ہے تو پھر واقعاً برا کلمہ سمجھا جاتا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے یہ حسینا کتاب اللہ فرما کر کہ ہمارے لیے قرآن کافی ہے۔ وقت کے لحاظ سے ایک بہترین جملہ اور ایک احسن ترین کلمہ ہے۔

مذکورہ بالا جملہ لکھنے سے ملزم کی دشمنی یا تو قرآن کریم کے ساتھ ہے؟ یا حضرت عمرؓ کے ساتھ؟

کیا ملزم یا ملزم کے وکیل صفائی مولوی صاحب یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے لیے قرآن کافی نہیں ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ جو نبوت شناس بھی ہیں۔ اس نازک موقع پر یہ فرمانا حسینا کتاب اللہ کہ ہمارے لیے قرآن کافی ”اور مکمل ضابطہ حیات اور دستور عمل“ ہے۔ موقع کی مناسبت سے ایک بہترین کلمہ ہے۔ اور ہم تمام مسلمانان عالم سیدنا حضرت عمرؓ فاروق کے اس بہترین جملہ کہنے پر انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم کا نازل ہونے کا تعلق جناب سردار کائنات فخر موجودات سرکارِ دو عالم ﷺ سے ہے۔ اور اسی قرآن کریم کی تفسیرات و تشریحات جناب رسول اللہ ﷺ نے تمام امت مسلمہ اور صحابہ کرامؓ و اہل بیتؓ عظام تک ایک جامع و مانع مفہوم پہنچایا ہے۔

پیغمبر اسلام نے دنیا سے جاتے وقت قرآن و سنت کے حوالے سے کوئی نیکی نہیں چھپائی، جو نیکیاں تھیں وہ تمام کے تمام بتلا دی گئیں۔ پیغمبر اسلام نے کوئی ایسی بات ادھوری نہیں چھوڑی جو دین اسلام کی بھلائی سے متعلق ہو۔

ملزم نے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر الزام لگا دیا ہے کہ پیغمبر اسلام لکھوانا چاہتے تھے لیکن حضرت عمرؓ نے حسینا کتاب اللہ ”ہمارے لیے قرآن کافی ہے“ کا کہہ کر مسئلہ کو پیچھے دھکیل دیا۔ دین اسلام کے حوالے سے پیغمبر اسلام نے کوئی نیکی نہیں چھپائی۔ ہمارے مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکمل دین اسلام کو صحابہ کرامؓ و اہل بیتؓ عظام کے حوالہ کر دیا اور ہم تک وہی دین اسلام بحمد و ازاد پہنچا جس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی اور نہ ہی کمی بیشی ہو سکے گی۔

کتابت رسول اللہ کی تو جیہہ

خلافت صدیق یا خلافت علی؟

قارئین کرام! واقعہ قرطاس کی یہ ابتدائی صورت حال پیش آئی تھی۔ اس کے بعد انہی ایام میں بلکہ اسی یوم النخیس کو ہی سردار دو جہاں ﷺ نے جب کہ بہت میں کچھ سکون و راحت محسوس فرمائی تو صحابہ کرامؓ کے سامنے ایک اہم ظہار شاد فرمایا۔

اس خطبہ میں متعدد ضروری امور بیان فرمائے اور ساتھ ہی حضرت صدیق اکبرؓ کے تعلق خاص خاص اہمیت و فضیلت کے متعلق چیزیں فرمائیں۔ مثلاً فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان امن الناس على في صحبته وماله لم يكر وفي رواية ولو كنت متخذا خليلا من الناس لا اتخذت ابكر لا يبقى في المسجد باب الاسد الاسد باب ابى بكر.

ترجمہ: یعنی جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صحبت و ہم نشینی اور مال

کے لحاظ سے سب لوگوں سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والے ابوبکرؓ ہیں۔ اور دوسری روایت میں ارشاد فرمایا کہ اگر میں لوگوں میں سے کسی کو غلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو اپنا غلیل قرار دیتا لیکن دین اور اسلام کی روٹی ہے۔

نیز ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ کے دروازے کے بغیر مسجد میں کھلنے والے دروازے بند کر دیے جائیں۔

نیز اس موقع پر علامہ ابن کثیرؒ نے البدایہ میں ذکر کیا ہے کہ وفی قوله علیہ السلام سدوا عنی کل خوۃ یعنی ابواب الصغار الی المسجد غیر خوۃ ابی بکر۔ اشارۃ الی الخلافۃ ای لیخرج منها الی الصلوۃ بالمسلمین۔ [البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ج 5 ص 230]

ترجمہ: یعنی جناب نبی اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر کے درپچہ چھوٹا دروازہ کے بغیر مسجد میں کھلنے والے تمام چھوٹے چھوٹے دروازے بند کر دیے جائیں۔ اس میں حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کی طرف واضح اشارہ پایا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو نماز پڑھانے کے لیے اس درپچے سے مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لایا کریں گے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

وهذا الحديث مما قد توهم به بعض الأغبياء من أهل البدع من الشيعة وغيرهم كل مدع انه كان يريد أن يكتب في ذلك الكتاب ما يرمون اليه من مقالاتهم وهذا هو التسمك بالمتشابه وترك المحكم وأهل السنة يأخذون المحكم

ویردون بالمتشابه الیہ وھذہ طریقۃ الراسخین فی العلم کما وصفہم اللہ عزوجل فی کتابہ وھذا الموضع مما زل فیہ اقدام کثیر من اہل الضلالات واما اہل السنۃ فلیس لہم مذهب الا اتباع الحق یردون معہ کیفما دار۔ وھذا الذی کان یرید علیہ الصلوۃ والسلام ان یکتبہ قد جاء فی الاحادیث الصحیحۃ التصریح بکشف المراد منہ۔

[البدایۃ والنہایۃ ج 5 ص 228]

ترجمہ: بعض اہل بدعت شیعہ وغیرہ کو ”گزشتہ روایت قرطاس سے“ یہ وہم ہوا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اس کتاب میں فلاں چیز تحریر کرانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یعنی اس سے مراد انہوں نے اپنے مذہب و مقامات خلافت مرتضویٰ وغیرہ لیے ہیں۔ یہ ایک متشابہ چیز کے ساتھ تمسک کرنے اور محکم چیز کو ترک کرنے کا رویہ ہے۔

اور اہل سنت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ محکم چیز کے ساتھ تمسک کرتے ہیں اور متشابہ چیز کو محکم کی طرف لوٹاتے ہیں۔ راسخین فی العلم کا یہی طریقہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس میں اہل ضلالہ کے اقدام نے لغزش کھائی ہے لیکن ہم اہل سنت کا مذہب حق کی اتباع ہے اور حق جس طرف گھومتا ہے اہل سنت بھی اس کے ساتھ رہتے ہیں۔

اس موقع پر جناب رسول اللہ ﷺ نے روایت قرطاس میں کتابت کرانے کا ارادہ وہی فرمایا تھا جو دیگر احادیث صحیحہ میں بطور تصریح کے بیان کر دیا ہے اور اس کی مراد کو مکتوف اور واضح فرما دیا ہے۔

گویا کہ یہ خطبہ اس تحریر کے عوض میں تھا جو آپ ﷺ واقعہ قرطاس میں تحریر کرانا

چاہتے تھے "یعنی وہ صدیقی خلافت کا مسئلہ تھا"

عن عائشة قالت قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم في مرضه ادعى لي ابا بكر اباك و اخاك حتى اكتب كتابا فاني اخاف ان يتمنى متمن. ويقول قائل انا اولي ويايى الله والمؤمنون الا ابا بكر.

[بخاری شریف ج 2 ص 846. مسلم شریف ج 2 ص 273]

ترجمہ: پھر جناب نبی کریم ﷺ نے خطبہ سابقہ کے بعد ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ آپ اپنے والد ابو بکرؓ اور اپنے بھائی (عبدالرحمن) کو بلائے کہ ابو بکرؓ کے لیے ایک تحریر لکھ دوں تاکہ کوئی اور تمنا کرنے والا متبھی نہ ہو اور کوئی دیگر طمع کرنے والا طمع نہ کرے۔ اس کے بعد آنجناب ﷺ کا ارادہ تبدیل ہوا اور ارشاد فرمایا ویايى الله والمؤمنون الا ابا بكر، یعنی اللہ تعالیٰ اور مؤمنین ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بغیر سب سے انکار کرتے ہیں۔ کسی دوسرے شخص کو قبول نہیں کرتے گویا کہ اب اس کے لکھوانے کی حاجت نہیں۔

روایت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ

عن عبدالرحمن بن ابی بکر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتنى بلواة وكنت اكتب لكم كتابا لن تضلوا بعده ابدا. ثم ولا نفاقه. ثم اقبل علينا فقال يايى الله والمؤمنون الا ابا بكر.....

[قال الحمى اسنادہ صحیح. المستدرک الحاکم ج 4 ص 1477]

عبدالرحمن بن ابی بکر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آخری ایام میں مجھے ارشاد فرمایا کہ دوات اور کتف (قرطاس) لاؤ میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھ دوں تاکہ تم بعد میں ہرگز گمراہ نہ ہو سکو۔ اس کے بعد آنجناب ﷺ نے ہماری جانب سے پشت مبارک پھیر لی۔

پھر تھوڑی دیر بعد جناب رسول اللہ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور مؤمنین ابو بکرؓ کے بغیر سب سے انکار کرتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا قرطاس طلب کرنے کا ابتدائی فرمان جو حاضرین کو دیا تھا وہ گویا اجمالی فرمان تھا اور وہ مقصود میں متشابہ تھا لیکن بعد میں آنجناب ﷺ نے جو ارشادات فرمائے وہ واضح اور محکم تھے اور ان فرامین سے مراد مکشوف ہو گئی اور مقصود کی تصریح پائی گئی کہ خلیفہ بلا فصل ابو بکر رضی اللہ عنہ صدیق ہیں۔

مسئله الامامة والخلافة

گرای قدرقارین! شیعه حضرات کے ہاں مسئلہ امامت ایک امتیازی چیز اور اہم مقام رکھتا چلا آ رہا ہے۔ دنیا میں ہر کسی کا کوئی نہ کوئی رہبر و رہنما ہوا کرتا ہے لیکن شیعه حضرات کا اعتقاد و اعتماد بغیر امام "عقیدہ امامت" کے کچھ بھی نہیں ہے۔ ان کے دین و اسلام، ایقان و ایمان، امامت پر مشتمل اور منحصر ہے۔ ان کے نزدیک خاتم النبیین ﷺ کی رسالت و نبوت کی اہمیت اور وقعت ہے ہی نہیں، وہ تمام فرقوں میں سے اپنے آپ کو فخریہ انداز سے امامیہ کے نام سے کہتے اور کہلاتے ہیں۔

شیعه حضرات جن افراد کو امام کے نام سے یاد کرتے ہیں وہ کل بارہ امام ہیں۔ حسب ولادت اور وفات تاریخی لحاظ سے اور ان کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں:

اسم	ولادت	وفات
ابوالائمہ علی المرتضیٰ	۳۰ عام الفیل	۲۱ رمضان ہجری
امام دوم حضرت حسن	۱۵ رمضان ۳ ہجری	ماہ صفر ۵۰ ہجری
امام سوم حضرت امام حسین	۳ شعبان ۴ ہجری	۱۰ محرم ۶۱ ہجری
امام چہارم زین العابدین	۳۸ ہجری	۹۵ ہجری
امام پنجم محمد باقر	۵۷ ہجری	۱۱۴ ہجری
امام ششم جعفر صادق	۸۳ ہجری	۱۴۸ ہجری
امام ہفتم موسیٰ کاظم	۱۲۸ ہجری	۱۸۳ ہجری

امام ہشتم علی رضا	۱۲۸ ہجری	۲۰۳ ہجری
امام نہم محمد تقی	۱۹۵ ہجری	۲۲۰ ہجری
امام دہم علی نقی	۲۱۲ ہجری	۲۵۴ ہجری
امام یازدہم حسن عسکری	۲۳۲ ہجری	۲۶۰ ہجری
امام دوازدہم امام مہدی	۲۵۵ ہجری	نامعلوم وفات

کوائف اصول و فروع اہل اسلام اور اہل سبائہ اہل اسلام کے ہاں اصول تین ہیں:

①..... توحید ②..... رسالت ③..... قیامت

اہل سبائہ کے ہاں اصول دین پانچ ہیں:

①..... توحید ②..... عدالت ③..... امامت ④..... رسالت ⑤..... قیامت

اہل اسلام کے ہاں ارکان اسلام پانچ ہیں:

①..... کلمہ شہادت ②..... نماز ③..... روزہ ④..... زکوٰۃ ⑤..... حج بیت اللہ

اہل سبائہ کے ہاں ارکان اسلام دس ہیں:

1..... تبراء۔ لعن و طعن و شتائم لأصحاب رسول اللہ

2..... تولی۔ حب اہل البیت علی زعمہم

3..... خمس۔ یاسہم سادات و سهم امام

4..... جہاد۔ لایحوز الجہاد إلا بحضور الامام المہدی

5..... امر بالمعروف۔ اشاعة التولی فی عامة الناس

6..... نہی عن المنکر۔ اشاعة التبراء فی عامة الناس

ولا یسکن أن یبلغوا لأوامر واجتناب النواهی من حیث التقیة۔ ویمنع

قول الامام الصادق۔ یا سلیمان انکم علی دین من کتمہ اعزہ اللہ
ومن اذاعہ اذله اللہ۔

- 7.....صلوة۔ تسقط صلوات الخمسة باقامة المجالس التعزية۔
- 8.....صوم۔ من صبح الکاذب إلى لمعة الکواکب۔
- 9.....حج۔ زیارة الائمة
- 10.....زکوة۔ وهم ینکرون عن الزکوة النقودیة

مصدرین اہل اسلام

- ① کتاب اللہ ② سنت رسول اللہ ﷺ ③.....اجماع امت مسلمہ
- ④.....قیاس صحیح "اجتہاد"

مصدروما خذ دین اہل سباء

روایات اہل سباء: و موضوعات اہل قباء و عباء۔ خرافات
و مذعنومات و نخیلات فلسفہ۔ مکتوبات اہل سوداء و
فرمودات اہل سیاء۔

مذکورہ بالا اصول و ارکان کی مختصر تشریح

عام ناظرین کرام یہ تصور کرتے ہوں گے کہ مذکورہ بالا تقابلی نقشہ میں اہل سباء
توحید و رسالت اور قیامت کو مانتے ہوں گے، حالانکہ اہل سباء کے نزدیک توحید
صرف یہ ہے کہ اللہ ایک ہے لیکن ہر وقت مدد مانگنے اور پکارنے کے لیے حضرت
علی رضی اللہ عنہ کی حاجت روائی کے لیے صرف علی رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ اہل سباء کے نزدیک قیامت کے روز

اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا اعلان اور خوش نصیب مسلمانوں کو اپنا دیدار "دیدار الہی"
کرانا ایک ڈھونگ ہے "العیاذ باللہ" ان کے نزدیک قیامت کے روز حقیقی رضا
مندی علی رضی اللہ عنہ کی ہوگی، علی رضی اللہ عنہ ہی تخت عدالت پر براجمان اور بیٹھے ہوں گے،
علی رضی اللہ عنہ ہی جنت و دوزخ کے فیصلے اور قیامت کے دن تمام امور کو نمٹائیں گے، انہی
کا نام عدالت الہی ہے۔

شیعہ حضرات کے نزدیک قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کسی کو نظر نہیں آئے گا اور نہ
ہی اللہ تعالیٰ کسی کو دیکھے گا۔ بالفرض و الحال اگر اللہ تعالیٰ کسی کو نظر آئے گا تو
علی رضی اللہ عنہ کی شکل و صورت میں نظر آئے گا حالانکہ وہ علی رضی اللہ عنہ ہی ہوں گے "العیاذ باللہ"
جہاد بھی ان کے نزدیک امام غائب کے غائب ہونے پر معطل اور مفقود ہے۔ جب
ہی ان کے امام مذموم و موہوم ظہور فرمائیں گے پھر ان کے نزدیک امام موہوم کی
موجودگی میں جہاد فرض عین ہو جائے گا اور امام موہوم کا جہاد بھی کہیں یہود و نصاریٰ
سے نہیں ہوگا۔ بلکہ سب سے پہلا جہاد وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر
فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوگا کہ ان کے نزدیک امام مہدی موہوم آئیں گے تو ابو بکر
صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبریں کھدوا کر ان کے لاشے نکلوائیں گے
اور سوکھے درخت پر ان کو لٹکائیں گے اور بغرض امتحان خلق وہ درخت ہرے
ہو جائیں گے، پھر ان سے بیزاری کا حکم دیا جائے گا مگر منافقین نہیں مانیں گے اور
مؤمنین سے الگ ہو جائیں گے اور انہی ملعونین کے ساتھ قتل کیے جائیں گے۔

["العیاذ باللہ" قرآن مجید مترجم از مقبول احمد دہلوی، ص ۸۵۰]

لفظ امام قرآن مجید میں

لفظ امام قرآن مجید میں یا لفظ ائمہ کا اطلاق، راستہ، صحیفہ اعمال، لوح محفوظ،

پیغمبر اور عام آدمی پر اطلاق ہوا ہے۔ اس کے علاوہ پورے قرآن مجید میں لفظ امام یا ائمہ بارہ جگہ استعمال ہوا ہے۔

﴿وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ رَبَّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ﴾

ترجمہ: ”اور جب آزمایا ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے کئی باتوں میں پھر اس نے پوری کیں تب فرمایا میں تجھ کو کروں گا سب لوگوں کا پیشوا، بولا اور میری اولاد میں سے بھی فرمایا نہیں پہنچے گا میرا اقرار ظالموں کو۔“
مذکورہ بالا آیت کریمہ میں لفظ امام یا امامت کا مفہوم شیعہ حضرات کے نزدیک کیا ہے؟ ملاحظہ فرمائیے۔

فی الکافی عن الصادق علیہ السلام ان الله عز وجل اتخذ ابراهيم عبداً قبل ان يتخذه نبياً، وان الله اتخذه نبياً قبل ان يتخذه رسولا، وان الله اتخذه رسولا قبل ان يتخذه خليلاً، وان الله اتخذه خليلاً قبل ان يتخذه اماماً، فلما جمع له الأشياء قال اني جاعلك للناس اماماً۔ الميزان فی تفسیر القرآن۔

[ج ۱، ص ۲۷۷، ص ۲۷۸۔ مفسر آیت اللہ سید محمد حسین طباطبائی] ترجمہ: ”ال سباء کی مستند کتاب اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو نبی بنانے سے پہلے عبد بنایا، اور رسول بنانے سے پہلے نبی بنایا اور خلیل بنانے سے پہلے

رسول بنایا، اور امام بنانے سے پہلے خلیل بنایا، پس جب یہ تمام مناصب ”عبدیت، نبوت، رسالت اور خلت“ جمع ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابراہیم! میں تجھے لوگوں کے لیے امام بناتا ہوں۔“

شیعہ حضرات کے نزدیک مذکورہ بالا حدیث کا معنی و مفہوم روز روشن کی طرح آشکارا ہے کہ شیعہ عقائد خود ساختہ میں عبد و عبدیت، نبوت و رسالت اور خلت یہ تمام مناصب جلیلہ اتنے اہم اور قابل وقعت ہرگز نہیں ہیں، جتنی اہمیت شیعہ حضرات کے ہاں امامت کی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ان چار منصبوں سے ”عبدیت، نبوت و رسالت و خلت“ نواز کر انہی چار مناصب ملنے کے بعد انہیں عہدہ امامت عنایت فرمایا ہے تاکہ منکرین امامت پر یہ بات واضح ہو جائے کہ امامت کا عہدہ کوئی معمولی عہدہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ عہدہ امامت، عبد و عبدیت، نبوت و رسالت اور خلت سے بڑھ کر ہے اور یہ بات بھی لوگوں پر واضح ہو جائے کہ امام یا عہدہ امامت کا ملنا مخلوق کی طرف سے نہیں ملتا بلکہ یہ پاکیزہ عہدہ اللہ تعالیٰ ہی عنایت فرماتا ہے۔

ابراہیمی علیہ السلام امتحان کی نوعیت کس طرح تھی؟

ابراہیم علیہ السلام کا امتحان شیعہ مفسرین و محدثین کے نزدیک دو نظریات پر مبنی ہے۔ شیعہ حضرات کے مشہور مفسر مہدی الہی آیت بالا کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

بیادار ہنگامیکہ خداوند متعال ابراہیم را بہ اموری چند ”مانند کشتن فرزند و حج و افتادن در فتنہ آتش نمرود وغیرہ“ امتحان فرمود و او ہمہ را بجا آورد خدا بدو گفت من ترا بہ پیشوائی خلق برگزینم ابراہیم عرض کرد این پیشوائی را بفرزندان من نیز

خواہی کرد فرمود ”آری اگر عادل و صالح و شایستہ آن باشند
 کہ“ عہد من ہرگز بمردم ستمگار نخواهد رسید۔
 ”اس وقت کو یاد کرے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو چند امور میں
 ”اعمال حج، بیٹے کی قربانی اور نمرودی آتش میں کودنا“ آزمایا اور ابراہیم علیہ السلام نے یہ
 تمام امور احسن طریق پر بجالایا، اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ میں تجھے
 لوگوں کی رہنمائی کے لیے امام بناتا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ میرے
 فرزندوں کو بھی یہ منصب عنایت فرما، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”ہاں اگر عادل و صالح اس
 منصب کے لائق ہو تو“ یہ میرا عہد ظالم لوگوں کو ہرگز نہیں پہنچے گا۔ [قرآن مجید مترجم
 فارسی مفر مہدی الہی، طبع تہران۔ ایران]

اس روایت مذکور میں ابراہیم علیہ السلام کی نوعیت درست ہے، اب ذرا شیخ
 حضرات کے ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے دیگر روایات کی طرف توجہ مبذول فرمائیے۔
 عن المفضل بن عمر عن الصادق جعفر بن محمد قال:
 سألتہ عن قول اللہ تعالیٰ: ”واذ ابتلی ابراہیم ربہ بکلمات“
 ماہذہ الکلمات؟ قال: ہی الکلمات الی تلقاها آدم من ربہ
 فتاب علیہ؟ و هو انہ قال: یارب أسئلك بحق محمد و علی
 وفاطمہ والحسن والحسین إلا تبت علی، فتاب اللہ علیہ انہ
 هو التواب الرحیم، فقلت لہ: یا بن رسول اللہ فما یعنی
 عزوجل بقولہ ”فاتمہن“؟ قال: یعنی أتمہن إلی القائم اثنا
 عشر إماماً مائتة من ولد الحسن۔“

[تفسیر نور الثقلین، ج ۱، ص ۱۴۹]

ترجمہ: ”مفضل بن عمر جو امام جعفر صادق علیہ السلام کا خصوصی شاگرد ہے،
 روایت کرتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ
 ابراہیم علیہ السلام کو جن کلمات کے ساتھ پروردگار عالم نے آزمایا وہ کلمات
 کون سے تھے؟ امام جعفر صادق علیہ السلام نے جواب دیدیا کہ یہ وہی کلمات
 ہیں جو آدم علیہ السلام کو بتلائے گئے کہ جن کلمات دہرانے کے سبب سے اللہ
 تعالیٰ نے آدم کی توبہ منظور فرمائی اور وہ کلمات یہ تھے۔ اے پروردگار
 عالم! میں تجھ سے ان اسماء کے طفیل سوال کرتا ہوں کہ محمد علی وفاطمہ اور
 حضرات حسنین کے طفیل میری توبہ قبول فرما! چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان
 اسمائے مبارکہ کے طفیل آدم کی توبہ قبول فرما کر رجوع کرنے والا اور رحم
 کرنے والا ہے۔ مفضل بن عمر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پھر پوچھا
 کہ اے رسول اللہ کے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے اس قول ”فاتمہن“ سے کیا
 مراد ہے؟ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے بارہ تک گنتی کر کے جن میں نو امام حضرت
 امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے ہوں گے تمام کر دیئے۔“

قال أبو عبد اللہ علیہ السلام: وقد کان ابراہیم علیہ السلام
 نبیاً ولیس بامام حق قال اللہ: انی جاعلك للناس إماماً قال
 ومن ذریتی فقال اللہ: لا ینال عہدی الظالمین۔ قال من عبد
 صنماً أو وثناً لا یكون اماماً۔ وفي رواية قال لا یكون السفیہ
 إمام التقی۔

[تفسیر نور الثقلین، ج ۱، ص ۵۰]

ترجمہ: ”امام ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ حقیقت میں ابراہیم علیہ السلام نبی تو تھے
 مگر امام نہیں تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تجھے لوگوں کے

لیے امام بنانا ہوں تو ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے کہ میری اولاد میں سے امام بنانا۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا یہ عہد ظالم لوگوں کو نہیں پہنچے گا۔ مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ جس نے بت کو یا ”مرنے کے بعد کسی محترم شخصیت“ وٹن کی پوجا پائی کر دی ہو وہ امام نہیں بن سکتا اور دوسری روایت میں کہا ہے کہ بیوقوف کبھی تقویٰ دار امام نہیں بن سکتا۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ سے اہل سنت کی تشریح

إذ كاعامل قال ہے جو آگے آ رہا ہے۔ والاختیار أن يكون العامل فيه ملفوظاً وهو قال إني جاعلك۔

[بحر، ج ۱، ص ۳۷۴]

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے امتحان کیوں لیتا ہے؟ کیا اسے پتہ نہیں ہوتا ہے جس سے امتحان لیا جاتا ہے؟ ذکر کردہ سوال کے متعلق تفسیر معالم والے جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وابتلاء الله العباد ليس ليعلم أحوالهم بالابتلاء لأنه عالم بهم

ولكن ليعلم العباد أحوالهم۔ [تفسیر معالم، ج ۱، ص ۸۸]

ترجمہ: ”ابتلاء کے معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے تو اس سے اس کا مقصد بندوں کے احوال کو جاننا نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو پہلے بھی جانتا ہے بلکہ اس سے ان کے احوال کا خود ان کے لیے اور دوسرے لوگوں کے لیے اظہار مقصود ہوتا ہے تاکہ خود ان بندوں پر اپنی حقیقت واضح ہو جائے اور دوسروں کو اس سے سبق حاصل ہو سکے۔“

اہل سنت کے ہاں امتحان کن امور میں تھا؟

ما ابتلاء به في ماله وولده ونفسه فيسلم ماله للضيفان وولده للقربان ونفسه للنيران وقلبه للرحمن فاتخذ الله خليلاً۔

[بحر، ج ۱، ص ۳۷۵]

”ابراہیم علیہ السلام سے جن امور میں امتحان لیا تھا وہ ان کا مال، بیٹا اور خود ان کی جان کے بارے میں تھا۔ اپنے مال کو مہمانوں کے لیے وقف فرمایا اور پیارے بیٹے کی قربانی دی اور اس اللہ کی توحید کی خاطر اپنی جان کو نمرود کی آگ میں ڈالا اور قلب و جگر اللہ کے حوالے کر دیا، پس اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا خلیل بنایا۔“

فانمهن وہ امتحان میں پورے اترے اور تمام باتوں کو خدا کی مرضی کے مطابق کر دکھایا۔ امام سے مراد شیعوں کا اصطلاحی امام مراد نہیں ہے۔

قال أهل التحقيق والمراد بالإمام ههنا النبي أي صاحب شرع متبع۔

[بحر، ج ۱، ص ۳۷۶]

ترجمہ: ”یہاں امام سے مراد صاحب شریعت رسول ہے یعنی وہ رسول جو پہلے کسی نبی کا متبع نہ ہو بلکہ اس کے بعد آنے والے تمام انبیاء اس کا اتباع کریں۔“

اور مفسر ابوالسعود رحمہ اللہ نے متبع کی تشریح یوں فرمائی ہے۔

وامامته عليه السلام عامة مؤبدة إذالم يبعث نبى بعده والا كان من ذريته مأموراً باتباع ملته۔ [ابوالسعود، ج ۱، ص ۷۱۲]

یعنی اللہ تعالیٰ نے ابتلاء میں کامیابی پر اعزاز و اکرام کے طور پر آپ کو قیامت تک آنے والی نسلوں کا اصول دین اور عقائد تو حید میں امام و پیشوا بنا دیا۔

قیامت تک جو رسول اور نبی آئیں گے وہ انہی کی نسل سے ہوں گے اور انہی کی امت کے تابع ہوں گے۔ فقال ومن ذریئتی یہ جاعلک کے کاف پر معطوف ہے اور عطف تلقین کے قبیل سے ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تمام لوگوں کی پیشوائی کا اعزاز ملا تو خواہش ظاہر کی کہ ان کی اولاد سے بھی دین کے پیشوا اور انبیاء پیدا ہوں۔

فالمبتدأ من العهد الامامة وليست هي هنا إلا النبوة۔

[تفسیر روح، ج ۱۰، ص ۳۷۷]

ترجمہ: ”عہد سے مراد وہی عہد امامت ہے، جس سے نبوت مراد ہے اور خالین سے مراد نافرمان ہیں۔“

مطلب یہ ہوا کہ تمہاری اولاد سے جو نافرمان ہوں گے وہ اس نعمت سے محروم رہیں گے اور نافرمانیوں میں سے جنہیں اللہ چاہے گا یہ مرتبہ نبوت عطا فرمائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تمام دنیا کی امامت ایسے ہی نہیں مل گئی تھی بلکہ آپ علیہ السلام کی سب سے بڑی زندگی قربانی ہی قربانی تھی۔ دنیا میں انسان جن چیزوں سے محبت کرتا ہے ان میں کوئی چیز بھی ایسی نہ تھی جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حق کی خاطر مصائب نہ جھیلے ہوں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

①..... آپ علیہ السلام ایک بت گر اور بت فروش کے گھر پیدا ہوئے۔ باپ چاہتا تھا کہ بیٹا اسی کام میں ان کا ہاتھ بٹائے۔ لیکن آپ علیہ السلام نے اَللّٰہُ احسن انداز میں سمجھانا

شروع کر دیا۔ جب باپ آپ علیہ السلام کی طرف سے مایوس ہو گیا تو گھر سے نکال دینے کی دھمکی دے دی۔ آپ علیہ السلام نے حق کی خاطر جلا وطنی کی صعوبتیں قبول کیں۔

②..... قومی میلہ کے موقع پر بتوں کو پاش پاش کیا جس کے نتیجے میں آپ علیہ السلام کو آگ میں جلا دینے کا فیصلہ ہوا۔ آپ علیہ السلام نے بطیب خاطر خوشی سے اس میں کودنا منظور کیا۔

③..... آپ علیہ السلام نے اپنی بیوی ہاجرہ اور دودھ پیتے بچے کو اللہ کے حکم کے مطابق ایک بے آب و گیاہ میدان میں جا چھوڑا۔ جہاں کھانے پینے کا کوئی بندوبست نہ تھا اور نہ ہی دور دور تک کسی آبادی کے آثار نظر آتے تھے۔

④..... بوڑھی عمر میں ملے ہوئے بچے اسماعیل علیہ السلام جب ذرا جوان ہوئے تو ان کو قربان کر دینے کا حکم ہوا تو آپ علیہ السلام بے دریغ اور بلا تامل اس پر آمادہ ہو گئے۔ غرض آپ علیہ السلام کی قربانیوں اور آزمائشوں کی فہرست خاص طویل ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے خود یہ سرٹیفیکیٹ عطا کر دیا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی کئی باتوں سے آزمائش کی تو وہ ہر امتحان میں پورے اترے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان امتحانوں کے نتیجے میں آپ علیہ السلام کو دنیا جہان کا امام بنا دیا، اور دنیا کے اکثر و بیشتر مذاہب اپنے مذہب کی آپ علیہ السلام کی طرف نسبت کرنا باعث عزت و افتخار سمجھتے ہیں۔

یعنی امامت کا وعدہ صرف تمہاری اس اولاد سے تعلق رکھتا ہے جو صالح ہوگی۔ ظالموں اور گنہگاروں کے لیے ایسا کوئی وعدہ نہیں۔ یہیں سے یہود کے غلط عقیدہ کی تردید ہوگئی جو وہ سمجھتے تھے کہ ہم چونکہ پیغمبروں کی اولاد ہیں اس لیے ہمیں عذاب اُتر دینا نہ ہوگا اور اسی طرح شیعہ حضرات بھی یہی غلط عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہم چونکہ

فتوحات شنبہ 217

علیؑ کے متعلق ہیں اور جب اہل بیتؑ ہی کافی ہے بس آخرت ہماری ہے اور جنت کے وارث ہم ہی ہیں۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ کا مقصد و مطلب بالکل واضح ہوا کہ اس آیت کی امامت سے مراد شیعی امامت ہرگز نہیں ہے۔ اس سے مراد صرف نبوت ہی ہے۔ نبیوں اور رسولوں کی امامت سے اپنی خود ساختہ امامت کا قیاس چھوڑ دیں۔

امامت کی دوسری آیت

﴿وَإِنْ نَكُفِّرُ بَعْدَ عَهْدِهِمْ وَطَعْنُوا فِي دِينِهِمْ
فَلَقَاتِلُوا أَمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ﴾

[التوبة: ۱۲]

ترجمہ: ”اور اگر وہ معاہدہ کرنے کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور دین میں طعنہ زنی کریں تو کفر کے ان علبرداروں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں (اور اس لیے جنگ کرو، کہ وہ باز آ جائیں)۔“

ذمیوں کی معاہدہ سرگرمیاں

اس آیت کے مفہوم میں وہ کافر و مشرک قبائل بھی شامل ہیں جو اعلان برأت سے پیشتر اپنے عہد توڑتے اور دین میں طعنہ زنی کرتے رہے اور وہ بھی شامل ہیں جو اعلان برأت کے بعد بظاہر اسلام لے آئے لیکن ان کے دل اسلام کی طرف ہرگز مائل نہیں تھے بلکہ وہ محض وقتی مصلحت اور مسلمانوں کے غلبہ کے دباؤ کے تحت اسلام لائے تھے اور کسی مناسب موقع کے منتظر تھے کہ کب وہ اسلام میں کوئی کمزوری دیکھیں تو اپنے اسلام لانے کے عہد کو توڑ دیں۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تو انہیں ایسا موقع میسر نہ آیا لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد فوراً انہوں نے اس عہد

فتوحات شنبہ 218

کو توڑ ڈالا اور پھر سے مرتد ہو گئے کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ اسلام کو جو غلبہ اور شان و شوکت حاصل ہوئی ہے وہ صرف رسول اللہ ﷺ کے دم قدم سے تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ کی وفات کے فوراً بعد ایسے قبائل پوری قوت کے ساتھ بغاوت کا علم بلند کر دیا اور سیدنا صدیق اکبرؓ نے اس آیت کے مصداق ان کی ٹھیک ٹھیک سرکوبی کی اور کفر انجام تک پہنچایا۔

توہین رسالت کی سزا

ضمناً اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی اسلامی حکومت میں رہنے والے اہل ذمہ دین اسلام کا تمسخر اڑائیں یا طعنہ زنی کریں تو ان کا معاہدہ ختم اور ان کی سرکوبی کرنا اسلامی حکومت کا فرض ہوتا ہے اور یہ بھی کہ جو ذمی یا کوئی دوسرا شخص رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دے یا آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کی کوئی باتیں کرے وہ واجب القتل ہے کیونکہ یہ دین میں طعنہ زنی کی ایک بدترین قسم کا جرم ہے۔

اعلان برأت کے بعد جہاد پر زور و ترغیب کی وجوہ

اس سے پیشتر مسلمانوں کو جہاد کی متعدد بار ترغیب دی جا چکی تھی اور مسلمان کئی معرکے اور جنگیں بھی کر چکے تھے۔ اب اعلان برأت کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے پچھلے مظالم یا دولا دلا کر کافروں سے جنگ کرنے کی جو پرزور ترغیب دی ہے تو اس کی چند وجوہ تھیں مثلاً اعلان برأت کے وقت بھی مشرکین کی تعداد جزیرۃ العرب میں مسلمانوں سے زیادہ تھی اس لیے انہیں یہ خیال آ سکتا تھا کہ ایسی ذلت گوارا کرنے کے بجائے سب مل کر اسلام کا ہی نام و نشان مٹا دیں اور عرب جیسی جنگجو اور دیر قوم سے ایسا خطرہ کچھ بعید از عقل بھی نہ تھا کیونکہ ایک تو ان کے تمام

معاهدات کا عدم قرار دینے جارہے تھے اور دوسرے جلا وطنی کی دھمکی یا جنگ پر تیار ہو جانے کا چیلنج دے دیا گیا تھا، تیسرے کعبہ سے ان کی تولیت کو ختم کر دیا گیا تھا۔ چوتھے کعبہ میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا تھا اور مکہ ہی وہ تجارتی مرکز تھا جس پر بالخصوص مقامی مشرکوں اور آس پاس کے رہنے والے مشرک قبائل کی معیشت کا زیادہ تر انحصار تھا۔ پانچویں یہ کہ جو لوگ نئے نئے مسلمان ہو رہے تھے ان کے اکثر رشتہ دار ابھی تک مشرک تھے اور ان سے تعلقات برقرار رکھنے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔

لہذا ان وجوہ کی بنا پر یہ عین ممکن تھا کہ سب مشرک متحد ہو کر مسلمانوں سے ایک عظیم جنگ کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے یا کم از کم عرب بھر میں وسیع پیمانہ پر مسلمانوں سے خانہ جنگی شروع ہو جاتی لہذا ضروری تھا کہ ایسے موقع پر مسلمانوں کو جہاد کی پرزور تلقین کی جاتی اور ان کے ذہن سے ان خطرات کو دور کیا جاتا جو اس پالیسی پر عملدرآمد کی صورت میں انہیں نظر آرہے تھے اور انہیں ہدایت کی جاتی کہ انہیں اللہ کی مرضی پوری کرنے میں کسی بات سے خائف نہیں ہونا چاہیے۔ تو مذکورہ آیت سے مراد عہد توڑنے والے کفر کے سردار اور امام ہیں۔ یہاں لفظ کا اطلاق ان انسانوں پر ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین کے باغی ہیں۔

امامت کی تیسری آیت

﴿الَّذِينَ كَانُوا عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِمْ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كَتَبْتُ بُرْهَانًا وَإِلَيْكَ تُؤْمِنُونَ بِهِ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَلِلنَّارِ مَوْعِدُهُ فَلَاحِكٌ فِي مَرِيَّةٍ مِّنْهُ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ [هود: ۱۷۷]

ترجمہ: ”بھلا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل رکھتا ہو پھر اسی پروردگار کی طرف سے ایک شاہد وہی بات پڑھ کر سنائے اور وہی بات اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب (تورات) میں بھی موجود ہو جو (لوگوں کے لیے) رہنما اور رحمت تھی (تو کیا وہ اس بات میں شک کر سکتا ہے) ایسے ہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان گروہوں میں سے جو کوئی ایسی بات کا انکار کر دے تو اس کے لیے دوزخ ہی کا وعدہ ہے لہذا تجھے ایسی بات میں شک میں نہ رہنا چاہیے۔ بلاشبہ وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے پھر بھی اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔“

یہاں بھی لفظ امام راستہ پر دلالت کرتا ہے۔

امامت کی چوتھی آیت

﴿فَأَتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾ [الحجر: ۷۹]

ترجمہ: ”چنانچہ ہم نے ان سے (بھی) انتقام لیا اور یہ دونوں بستیاں کھلی شاہراہ پر واقع ہیں۔“

حجاز سے شام و فلسطین نیز عراق سے مصر کو جو تجارتی راستہ جاتا ہے۔ قوم لوط کا شاہ شدہ علاقہ اسی راستہ میں پڑتا ہے وہیں ذرا نیچے اتر کر قوم شعیب کا مسکن تھا۔ دونوں کے آثار راستہ چلنے والوں کو نظر آتے ہیں۔

آٹھارا نیز بکیر رسانیدیم و این ہر دو شہر۔

(یعنی ایکہ و سدوم کہ دیار قوم لوط و شعیب بود) برای اہل اعتبار را ہی روشن و آشکارا است۔“ مترجم قرآن مجید، مہدی الہی مطبوعہ تہران۔ یہاں پر دونوں کی تفسیروں میں امام سے مراد کھلا راستہ ہے۔ شیعہ حضرات کا امام مراد نہیں۔

امامت کی پانچویں آیت
﴿يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمامِهِمْ فَمَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ
فَأُزْلَمَكَ يَقْرَأُ كِتَابَهُمْ وَلَا يَظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝﴾ [الاسراء: ۷۱]
”جس دن ہم بلائیں گے ہر فرقہ کو ان کے سرداروں کے ساتھ سو جس کو
ملا اس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں سو وہ پڑھیں گے اپنا لکھا اور
ظلم نہ ہو گا ان پر ایک تاگے گا۔“

شیعی تفسیر کی تشریح اور پہلی حدیث

یعقوب بن شعیب کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق سے ”یوم ندعو کل
أناس بامامهم“ کے بارے میں پوچھا کہ اس سے کیا مراد ہے؟ جواب میں امام
صاحب نے فرمایا:

يدعو كل قرن من هذه الأمة بامامهم، قلت: فيجئى رسول
الله صلى الله عليه وسلم فى قرنه وعلى فى قرنه والحسن فى
قرنه والحسين فى قرنه وكل امام فى قرنه الذى هلك بين
أظهرهم؟ قال: نعم۔

[تفسير نور الثقلين، ج ۴، ص ۲۱۲]

ترجمہ: ”اس امت کے ہر زمانے میں جو امام ہوں گے ”قیامت کے
دن“ اپنے امام کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ یعقوب بن شعیب کہتا
ہے کہ میں نے امام جعفر صادق سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ اپنے
زمانے میں بلائے جائیں گے ”اپنی امت کے ساتھ“ اور حضرت
علی رضی اللہ عنہ اپنے پیروں کا روں کے ساتھ“ اپنے زمانے میں بلائے

جائیں گے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ ”اپنے پیروکاروں کے ساتھ“ اپنے
زمانے میں بلائے جائیں گے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ”اپنے
پیروکاروں کے ساتھ“ اپنے زمانے میں بلائے جائیں گے اور اسی طرح
ہر امام کو اپنے اپنے زمانے میں جو دنیا سے جس وقت فوت ہوا ہے وہی
اپنے زمانے کے لوگوں کے ساتھ آئیں گے؟ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے
جواب میں فرمایا کہ ہاں اپنے اپنے امام کے ساتھ قیامت کے دن
بلائے جائیں گے۔“

دوسری حدیث

عن الرضا عليه السلام قال قال رسول الله صلى الله عليه
والآله فى قوله تعالى: يوم ندعوا كل أناس بامامهم“ قال:
يدعى كل قوم بامام زمانهم، وكتاب الله وسنة نبیہم۔

[نور الثقلين، ج ۴، ص ۲۱۲]

ترجمہ: ”امام رضا علیہ السلام، رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول ”یوم
ندعوا كل أناس بامامهم“ کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہر قوم کو اپنے امام کے
ساتھ جو اپنے اپنے زمانے میں موجود تھے، بلائے جائیں گے، اور
کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ساتھ بلائے جائیں گے۔“

تیسری حدیث

عن ابى جعفر عليه السلام قال: لما نزلت هذه الآية: يوم
ندعوا كل أناس بامامهم“ قال المسلمون: يا رسول الله

أست إمام الناس كلهم أجمعين؟ قال: فقال رسول الله صلى الله عليه وآله: أنا رسول الله إلى الناس أجمعين، ولكن سيكون من بعدى أئمة على الناس من الله من أهل بيتي يقومون في الناس فيكذبون وتظلمهم أئمة الكفر والضلال وأشباعهم فمن والاهم واتبعهم وصدقهم فهو مني ومعى وسيلقاني، ألا من ظلمهم وكذبهم فليس مني ولا معي، وأنا منه بريء۔ [تفسير نور الثقلين، ج ٤، ص ٢١٣]

ترجمہ: ”امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ ”یوم ندعو کل أناس بامامهم“ نازل ہوئی تو اس موقع پر مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ تمام لوگوں کے ”قیامت کے دن“ امام نہیں ہوں گے تو ان کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام لوگوں کے لیے رسول ہوں، ”امام نہیں ہوں“ مگر میرے بعد کچھ امام ہوں گے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور یہ امام میرے اہل بیت سے ہوں گے۔ جب وہ ”اپنے اپنے زمانے میں“ لوگوں میں ”دعویٰ امامت کرے“ کھڑے ہو جائیں گے تو لوگ انہیں جھٹلائیں گے اور کفر و ضلالت کے امام اور ان کے شیعہ حضرات ان ”ایسے خدائی اماموں“ پر ظلم و ستم روا رکھیں گے، پس جو ان سے محبت کرے اور ان کی پیروی کرے اور ان کی تصدیق کرے وہ ”نیک بخت“ مجھ سے ہے اور میرے ساتھ ہے اور عنقریب ”قیامت کے دن“ ایسا نیک بخت میرے ساتھ ملاقات کرے گا۔ خبردار! جو ان اماموں پر ظلم و ستم کرے اور ان کی

تکذیب کرے وہ ”بد بخت“ مجھ سے نہیں ہے اور نہ ہی وہ میرے ساتھ ہے اور میں اس ”بد بخت“ سے بیزار ہوں۔“

پوشی حدیث

عن ابی عبد الله عليه السلام قال: أنتم والله على دين الله ثم تلا ”يوم ندعو كل أناس بامامهم“ ثم قال: علي إمامنا و رسول الله إمامنا، كم من إمام يحى يوم القيامة يلعن أصحابه ويلعنونه، ونحن ذرية محمد وأمنا فاطمة۔ [نور الثقلين، ج ٤، ص ٢١٦]

ترجمہ: ”امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ روایت منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کہ تم تمام کے تمام لوگ دین حق پر قائم ہوں، پھر آیت یوم ندعو کل أناس بامامهم کی تلاوت فرما کر یہ حکم واضح فرما دیا کہ علی رضی اللہ عنہ ہمارے امام ہیں اور رسول اللہ ﷺ بھی ہمارے امام ہیں، قیامت کے دن کتنے سارے امام ایسے ہوں گے جو انہیں اپنی قوم کے ساتھ بلائے جائیں گے تو امام اپنے اصحاب پر لعنت کریں گے اور اماموں کی اتباع کرنے والے اصحاب بھی اپنے اماموں پر لعنت کریں گے یعنی ایک دوسرے پر لعنت کریں گے، ہم ”بڑے خوش نصیب ہیں“ محمد ﷺ کی اولاد ہیں اور ہماری والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ الزہراء ہیں۔“

مذکورہ بالا چار احادیث کا مفہوم و مقصد

شیعہ حضرات کی پہلی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر قوم کے ساتھ اپنا اپنا امام بلایا جائے گا اور ہر قوم کے امام بلائے جانے کا مقصد صرف امام کی

حاضری تصور نہیں کی جائے گی بلکہ وہ امام بطور حجت اور سفارشی کے حاضر ہو جائے گا تاکہ اپنے زمانے کے پیروکاروں کو عذاب الہی سے چھٹکارا دلادے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اپنے زمانے کے لوگوں کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے پیروکاروں کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ بھی اپنے پیروکاروں کے ساتھ بلائے جائیں گے اور امام حسین رضی اللہ عنہ بھی اپنے پیروکاروں کے ساتھ بلائے جائیں گے، اسی طرح ہر امام اپنے وقت کے اپنے پیروکاروں کے ساتھ بلائے جائیں گے۔

پہلی بات یہ ہے کہ ان اماموں اور پیروکاروں کو کس کی عدالت میں بلائے جائیں گے؟ کیوں کہ شیعہ حضرات کے امام خود مختار ہیں اور شیعہ حضرات دیدار الہی اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کرنے سے بھی انکاری تو ان کے اماموں کو حاضری دینے کی زحمت کون دیں گے اور کیونکر حاضر ہوں گے؟

دوسری بات یہ ہے کہ ان کے گیارہ امام تو چلو حاضر ہو جائیں گے لیکن امام مہدی جو غائب ہوئے ہیں وہ کن لوگوں کے ساتھ حاضر ہوں گے؟

یقینی بات تو یہ ہے کہ امام غائب کے زمانے کے لوگ اللہ رب العزت کی بارگاہ مقدس میں اپنے امام غائب کی شکایت کریں گے۔ اے پروردگار عالم! ہمارے امام جس وقت ہم ان کے زمانے میں موجود تھے، وہ ہمیں بغیر رہبر و رہنما کے چھوڑ کر غائب ہو گئے تھے، آج تیری عدالت عالیہ میں وہ ہمارے ساتھ آنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں۔ اگر وہ ہمیں کوئی بھلائی کی بات بتلاتے تو وہی بتلائی ہوئی بھلائی کی بات حجت بن جاتی، وہ بھلائی کی بات بتلانے سے غائب ہو چکے ہیں تو وہ کیسے حاضر ہوں؟ آج ہمارے ساتھ امام حجت بھی نہیں ہیں اور کوئی بتلائی ہوئی بات

”حجت والی بات“ بھی نہیں ہے۔
قارئین کرام! ایک اہم بات کی طرف آپ حضرات کی توجہ مبذول کرانے کی زحمت دوں گا کہ گیارہ اماموں کے علاوہ رسول اللہ ﷺ بھی اپنے اصحاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف لائیں گے اور شیعہ حضرات کی اس حدیث کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ اپنے پیروکاروں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سفارش اور شفاعت فرمائیں گے۔
نصیب اپنا اپنا پسند اپنی اپنی

دوسری حدیث کا مفہوم

دوسری حدیث شیعہ حضرات کے آٹھویں امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس کی نسبت براہ راست رسول اللہ ﷺ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر قوم اپنے اپنے اماموں کے ساتھ بلائے جائیں گے، لیکن ان کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اپنے نبیوں کی سنتوں کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ اس دوسری حدیث میں قرآن و سنت کی تشریح و تفسیر کے مطابق مفہوم کی نشاندہی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اس صورت میں جس کتاب اللہ کی پاکیزہ تعلیمات کا پیروکار ہو اور نبیوں کی پاکیزہ سنتوں کے ساتھ یعنی سنت رسول اللہ کا متبع و مطیع اور پیروکار ہو، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ جس آیت کریمہ کا واضح ترجمہ ہم اہل سنت نے اعمال نامہ کر دیا ہے۔ گو قیامت کے دن تمام لوگ اپنے اپنے اعمال نامے کے ساتھ حاضر کر دیئے جائیں گے۔

تیسری حدیث کا مفہوم

شیعہ حضرات کی تیسری حدیث کا مفہوم بھی بالکل واضح اور عیاں ہے کہ تمام لوگوں کو اپنے زمانے کے اماموں کے ساتھ بلائے جائیں گے لیکن امام باقر

حاضری تصور نہیں کی جائے گی بلکہ وہ امام بطور حجت اور سفارشی کے حاضر ہو جائے گا تاکہ اپنے زمانے کے پیروکاروں کو عذاب الہی سے چھٹکارا دلادے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اپنے زمانے کے لوگوں کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے پیروکاروں کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ بھی اپنے پیروکاروں کے ساتھ بلائے جائیں گے اور امام حسین رضی اللہ عنہ بھی اپنے پیروکاروں کے ساتھ بلائے جائیں گے، اسی طرح ہر امام اپنے وقت کے اپنے پیروکاروں کے ساتھ بلائے جائیں گے۔

پہلی بات یہ ہے کہ ان اماموں اور پیروکاروں کو کس کی عدالت میں بلائے جائیں گے؟ کیوں کہ شیعہ حضرات کے امام خود مختار ہیں اور شیعہ حضرات دیدار الہی اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کرنے سے بھی انکاری تو ان کے اماموں کو حاضری دینے کی زحمت کون دیں گے اور کیونکر حاضر ہوں گے؟

دوسری بات یہ ہے کہ ان کے گیارہ امام تو چلو حاضر ہو جائیں گے لیکن امام مہدی جو غائب ہوئے ہیں وہ کن لوگوں کے ساتھ حاضر ہوں گے؟

یقینی بات تو یہ ہے کہ امام غائب کے زمانے کے لوگ اللہ رب العزت کی بارگاہ مقدس میں اپنے امام غائب کی شکایت کریں گے۔ اے پروردگار عالم! ہمارے امام جس وقت ہم ان کے زمانے میں موجود تھے، وہ ہمیں بغیر رہبر و رہنما کے چھوڑ کر غائب ہو گئے تھے، آج تیری عدالت عالیہ میں وہ ہمارے ساتھ آنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں۔ اگر وہ ہمیں کوئی بھلائی کی بات بتلاتے تو وہی بتلائی ہوئی بھلائی کی بات حجت بن جاتی، وہ بھلائی کی بات بتلانے سے غائب ہو چکے ہیں تو وہ کیسے حاضر ہوں؟ آج ہمارے ساتھ امام حجت بھی نہیں ہیں اور کوئی بتلائی ہوئی بات

”حجت والی بات“ بھی نہیں ہے۔
قارئین کرام! ایک اہم بات کی طرف آپ حضرات کی توجہ مبذول کرانے کی زحمت دوں گا کہ گیارہ اماموں کے علاوہ رسول اللہ ﷺ بھی اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لائیں گے اور شیعہ حضرات کی اس حدیث کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ اپنے پیروکاروں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سفارش اور شفاعت فرمائیں گے۔
نصیب اپنا اپنا پسند اپنی اپنی

دوسری حدیث کا مفہوم

دوسری حدیث شیعہ حضرات کے آٹھویں امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس کی نسبت براہ راست رسول اللہ ﷺ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر قوم اپنے اپنے اماموں کے ساتھ بلائے جائیں گے، لیکن ان کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اپنے نبیوں کی سنتوں کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ اس دوسری حدیث میں قرآن و سنت کی تشریح و تفسیر کے مطابق مفہوم کی نشاندہی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اس صورت میں جس کتاب اللہ کی پاکیزہ تعلیمات کا پیروکار ہو اور نبیوں کی پاکیزہ سنتوں کے ساتھ یعنی سنت رسول اللہ کا تتبع و مطیع اور پیروکار ہو، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ جس آیت کریمہ کا واضح ترجمہ ہم اہل سنت نے اعمال نامہ کر دیا ہے۔ گو قیامت کے دن تمام لوگ اپنے اپنے اعمال نامے کے ساتھ حاضر کر دیئے جائیں گے۔

تیسری حدیث کا مفہوم

شیعہ حضرات کی تیسری حدیث کا مفہوم بھی بالکل واضح اور عیاں ہے کہ تمام لوگوں کو اپنے اپنے زمانے کے اماموں کے ساتھ بلائے جائیں گے لیکن امام باقر

بھی فرماتے ہیں کہ جب یہ امامت والی آیت نازل ہوئی تو اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے جن کو امام باقر رضی اللہ عنہ نے مسلمان کے نام سے تعارف کرایا ہے کہ ان مسلمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کے دن کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے امام نہیں ہوں گے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ میں رسول اللہ ہوں، مگر امام نہیں ہوں، البتہ امامت کی بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میرے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے اہل بیت میں سے امام ہوں گے اور اپنے اپنے وقت میں وہ امامت کا دعویٰ کریں گے لیکن کفر و ضلالت کے امام اور ان کے تابعدار شیعہ حضرات ”اہل بیت کے اماموں کو“ جھٹلائیں گے اور ان اماموں پر وہ ظلم و ستم روا رکھیں گے۔ براہو ایسے شیعوں پر جو اہل بیت کے اماموں کی تکذیب بھی کریں گے اور ان پر ظلم و ستم بھی روا رکھیں گے۔

اے پروردگار عالم! ایسے بدکردار شیعوں سے ہمیں حفظ و امان میں رکھیں اور ان کے تیرے راستہ سے ہمیں بچائیں۔ آمین

یاد رہے کہ اس تیسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود تمام کائنات کے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن امام نہیں ہیں۔ قارئین کرام اگر اپنے ذہنی زاویے پر بوجھ ڈال کر غور و فکر فرمائیں تو رسالت اور امامت کا رتبہ بڑا واضح نظر آ رہا ہے کہ رسالت کا منصب اور امامت کا منصب شیعہ حضرات کے ہاں کیا ہے؟ امامت آگے اور رسالت پیچھے، اگر رسالت پیچھے ہے تو رہبری و رہنمائی اور ہدایت ربانی کا نقطہ آغاز کہاں ہے؟

چوتھی حدیث کا مفہوم

چوتھی حدیث میں اس بات کا انکشاف ہو گیا کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اپنے

متبعین اور پیروکاروں کو یہ خوشخبری سنا دی کہ تمہارا تعلق ہمارے ساتھ ہے اور تم ہی دین حق پر قائم و دائم ہو۔ اس کے علاوہ قیامت کے دن ایک تعجب انگیز تماشہ کا منظر دکھایا جائے گا کہ لوگوں کے امام اپنے پیروکاروں پر لعنت کریں گے اور اسی طرح اماموں کے پیروکار بھی خود اپنے اماموں پر لعنت کریں گے۔ اس لعنت اور عجیب منظر کے برخلاف، ہم تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ اولاد میں شامل ہیں اور ہماری والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ الزہراء ہیں، ہمارا کون مقابلہ کر سکتا ہے؟ ہم اور ہمارے شیعہ بخشے بخشائے ہوئے ہیں اور جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے یہ فخریہ انداز سے فرمایا کہ ہمارے امام سب سے پہلے امام سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسرے نمبر پر ہمارے امام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں.....

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے
گر فرق مراتب کنی زندیقی

ہم فیصلہ کرنے کی قوت اور صلاحیت قارئین کرام پر چھوڑ دیتے ہیں کہ شیعہ حضرات کی یہ چار حدیثوں میں سے کون سی حدیث صحیح اور درست ہے؟ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود تمام لوگوں کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن امام نہیں ہیں لیکن اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے امام ہرگز نہیں ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی امامت سے بڑھ کر ہوں۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ کا صحیح مفہوم، اہل سنت کے نزدیک اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ جس قبر میں مردہ کو رکھا جاتا ہے لوگوں کے واپس آ جانے کے بعد اس مردے سے تین سوالات کیے جاتے ہیں۔
پہلا سوال: مَنْ رَبُّكَ؟ تیرا پروردگار کون ہے؟ تیرا تریب و پرورش کرنے والا

اور تیرا مشکل کشا حاجت روا کون ہے؟

دوسرا سوال: ومن نبيك؟ تیرا نبی کون ہے؟

تیسرا سوال: وما دينك؟ اور تیرا دین کونسا ہے؟ تو کس دین سے وابستگی رکھتا ہے؟ قبر میں یہ سوال نہیں پوچھا جائے گا کہ من امامك؟ تیرا امام کون ہے؟ قبر میں اس پرش کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ تو کس امام سے وابستگی رکھتا ہے؟ لیکن موجودہ شیعہ حضرات کے علماء نے امامت کی اتنی اہمیت بڑھا دی ہے کہ قبر میں مردہ کو رکھتے ہی اس مردے سے سوال کیا جاتا ہے کہ من امامك؟ تیرا امام کون ہے؟ من حجتك؟ تیرا حجت کون ہے؟

اگر دنیا کی زندگی میں وہ بارہ اماموں کو ماننا ہوگا تو وہ محبت اہل بیت قبر میں امام اور حجت کا جواب دے دے گا اور اگر بارہ اماموں کا منکر ہوگا تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غائب و خاسر ہوگا۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک ”یوم ندعو کل اناس بامامهم“ کی آیت کریمہ بشارت و تحویف اخروی دونوں پر مشتمل ہے۔ قیامت کے روز ہر گروہ اپنے پیشوا کے ساتھ میدان حشر میں حاضر ہوگا، ہر امت کے نیک مؤحد مؤمنین و صالحین اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ حاضر ہوں گے۔ فمن اوتی کتابہ الخ۔ اس میں اصحاب الیمین کا ذکر خیر ہے یعنی مؤمنوں کو اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے، وہ انہیں پڑھ کر خوش ہوں گے اور انہیں ان کی تمام نیکیوں کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔

ای ولا ینقصون من ثواب أعمالهم أدنی شیء۔

[تفسیر خازن ج ۴، ص ۱۷۱]

”امام سے مراد کسی امت کا نبی بھی ہو سکتا ہے اور وہ شخص بھی۔“

جسے آپ ﷺ کی زندگی کے بعد پیشوا سمجھا گیا ہو اور یہ بلا نا اس طرح ہوگا اے موسیٰ علیہ السلام کی امت، اے عیسیٰ علیہ السلام کی امت، اے محمد ﷺ کی امت، یا اے قرآن والو، اے انجیل والو، اے تورات والو، اسی طرح ہر گروہ والوں کو اس گروہ کے بانی کے نام سے پکارا جائے گا۔ اللہ کے فرمانبرداروں کو ان کا اعمال نامہ سامنے سے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور یہ ایک جیسا مشاہدہ ہوگا جسے دیکھ کر ہر شخص اس کے جنتی ہونے کا اندازہ لگا سکے گا۔ ایسے شخص بہت خوش و خرم ہوں گے اور خوشی سے اپنا اعمال نامہ دوسروں کو بھی پڑھنے کو کہیں گے اور انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا اجر مل جائے گا لیکن جس شخص کو اس کا اعمال نامہ پیچھے کی طرف سے بائیں ہاتھ میں تھمایا گیا اسے بھی فوراً اپنا انجام معلوم ہو جائے گا وہ اپنا اعمال نامہ چھپانا چاہے گا اور کہے گا کاش! مجھے یہ دیا ہی نہ جاتا۔

فَبَيَّنَّا اس باریک دھاگے کو بھی کہتے ہیں کھجور کی گٹھی کے شکاف میں ہوتا ہے اور اس لفظ سے بہت تھوڑی مقدار مراد لی جاتی ہے یعنی ہر ایک کو قیامت کے دن اس کی محنت کا پورا صلہ بلکہ اس سے زیادہ بھی ملے گا لیکن مجرموں کو ان کے گناہوں سے ذرہ بھر بھی زیادہ سزا نہ دی جائے گی۔

امامت کی چھٹی آیت

﴿وَجَعَلْنَاهُمْ أُمَّةً يَهْتَدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عِبْدِينَ﴾

[الانبیاء: ۷۳]

ترجمہ: ”اور ان کو کیا ہم نے اپنے پیشوا راہ بتلاتے تھے ہمارے حکم سے

اور کہلا بھیجا ہم نے ان کو کرنا نیکیوں کا اور کھڑی رکھنی نماز اور دینی زکوٰۃ اور وہ تھے ہماری بندگی میں لگے ہوئے۔“

یہاں لفظ ائمہ سے مراد وہ انسان عالی ہیں جن کی طرف وحی کی جاتی ہے اور معنی بغیر کسی ابہام کے بالکل واضح ہے کہ اس سے مراد انبیاء و رسل ہیں۔

امامت کی ساتویں آیت

﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾ [فرقان: ۷۴]

ترجمہ: ”اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے رب دے ہم کو ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک اور کر ہم کو پرہیز گاروں کا پیشوا۔“

شیعہ حضرات یہاں بھی لفظ اماماً سے مراد وہ مخصوص امام لیتے ہیں کہ یہ امام اہل بیت میں سے ہوں گے مگر اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہاں لفظ اماماً سے مراد عام انسان اور اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اہل خانہ کو دیندار بنانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ دعا بھی ضروری ہے۔ مکی دور میں مسلمانوں کی زندگی کچھ اس طرح گذر رہی تھی کہ اگر باپ مسلمان ہے تو اولاد کافر ہے اور اولاد مسلمان ہے تو والدین کافر ہیں۔ شوہر مسلمان ہے تو بیوی کافر ہے اور بیوی مسلمان ہے تو شوہر کافر ہے۔ یہ صورت حال بھی مسلمانوں کی پریشانیوں میں مزید اضافہ کا باعث بنی ہوئی تھی۔ لہذا اللہ کے بندوں کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی کہ وہ یہ بھی دعا کرتے رہتے ہیں کہ ہمارے ازواج اور ہماری اولاد کو بھی ایمان کی دولت نصیب فرما تاکہ ہمارے اس قلق و الم کا تدارک ہو سکے۔ واضح رہے کہ جس طرح ہر عورت کے لیے

اس کا خاوند زوج ہے اسی طرح ہر مرد کے لیے اس کی بیوی اس کا زوج ہے اور اولاد دونوں کی ہوتی ہے اس لحاظ سے یہ دعا ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے یکساں ہے۔ پھر یہ دعا صرف اس دور کے مسلمانوں سے ہی مخصوص نہیں ہر دور میں اس کی ضرورت برقرار ہے۔ بیوی اور اولاد ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کو فطرتاً محبت ہوتی ہے اور اس کے لیے آزمائش کا سبب بن جاتی ہے لہذا ہر مسلمان کو جس طرح اپنے حق میں دعائے خیر کرنا ضروری ہے ویسے ہی ان کے حق میں بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ کے نافرمان اور دین سے بیگانہ رہ کر اس کے پریشانیوں کا سبب نہ بن جائیں بلکہ اللہ کے فرمانبردار اور دین کے خادم بن کر اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوں۔

امارت کی مشروط آرزو اور سیاسی لیڈروں کی تاویل

یہ بھی دعا کا اگلا حصہ ہے یعنی ہماری بیویوں اور اولاد کو نیک اور پرہیزگار بنا اور پھر ہمیں ان سے بڑھ کر پرہیزگار بنا کہ ہم خود ان کے امام اور پیش رو ثابت ہوں۔ پھر یہ دعا صرف ازواج و اولاد تک ہی محدود نہیں بلکہ ہمیں اتنا نیک اور پرہیزگار بنا دے کہ ہم دوسرے متقین کے لیے رہبر اور نمونہ بن جائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ نیکی اور پرہیزگاری کے میدان میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی آرزو اور اس کے لیے دعا کرتے ہیں حتیٰ کہ اس مقصد کے لیے اور اس میدان امامت و حکومت تک کے لیے آرزو کرنا یا دعا کرنا صرف جائز ہی نہیں تھا بلکہ ضروری ہے۔ جب کہ حب مال یا حب جاہ کی غرض سے طلب امارت بے شمار صحیح احادیث کی رو سے ممنوع ہے لیکن موجودہ جمہوری دور کے بعض سیاسی لیڈر اسی آیت سے طلب امارت کے جواز پر استدلال کرتے ہیں۔ وہ

چاہتے ہیں کہ متقی حضرات تو ان کی رعیت بنیں اور یہ سیاسی لیڈر، جیسے بھی کردار کے وہ مالک ہوں، ان کے حاکم بن جائیں۔ ایسی کج فکری خالصتاً کسی پکے دنیا دار کے ذہن کا نتیجہ ہی ہو سکتی ہے۔

امامت کی آٹھویں آیت

﴿وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ﴾ [القصص: ۵]

ترجمہ: ”اور ہم یہ چاہتے تھے کہ جس گروہ کو اس ملک میں کمزور بنایا گیا تھا اس پر احسان کریں، انہیں سرکردہ بنائیں اور (اس ملک کے) وارث بنائیں۔“

شیعہ حضرات اسی آیت کریمہ سے اپنے بارہ مخصوص امام مراد لیتے ہیں۔ عن مفضل بن عمر قال: سمعت ابا عبد الله عليه السلام يقول: ان رسول الله صلى الله عليه وآله نظر إلى علي والحسن والحسين عليهم السلام فبكى وقال انتم المستضعفون بعدى: ثم قال انكم الائمة بعدى۔

[تفسیر نور الثقلین، ج ۵، ص ۳۳۱]

ترجمہ: ”مفضل بن عمر کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے جب علی و حسن اور حسین علیہم السلام کو دیکھا تو روتے ہوئے فرمایا کہ میرے بعد تم ہی مستضعفین ہوں اور پھر فرمایا کہ میرے بعد تم ہی امام ہو۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی یہ پیشین گوئی درست ہوتی تو پھر واقعی اور حتمی طور پر رسول اللہ ﷺ کے

بعد یہ حضرات امام بن جاتے حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے جانے کے بعد متصل اور بلا فصل سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، بن عفان، سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ، امام بن گئے۔

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا کہ شیعہ حضرات رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر جھوٹ بولتے ہیں۔

اہلسنت والجماعت والے اس آیت بالا کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت مظلوم بنی اسرائیل کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ فرعون تو اس مظلوم گروہ کا کلی طور پر استیصال کرنا چاہتا تھا۔ مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اللہ یہ چاہتا تھا کہ ایسی سفاک اور ظالم قوم کو استیصال ہونا چاہیے اور جن بے چاروں پر یہ ظلم و ستم ڈھائے جا رہے ہیں، انہیں نہ صرف ان سے نجات دلائی جائے بلکہ انہیں ان ظالموں کی جائیدادوں اور ملک کا وارث بھی بنادیا جائے۔ دین کی امامت بھی انہی کے سپرد کی جائے اور دنیا کی سرداری کا تاج بھی ان کے سر پر رکھ دیا جائے اور اللہ کی سنت جاریہ یہی ہے کہ وہ ظالموں اور متکبروں سے زمین کو خالی کرا کر ان کی جگہ ان مظلوموں کو آباد کرتا ہے۔ جن پر ظلم ڈھائے گئے تھے۔

امامت کی نویں آیت:

﴿وَجَعَلْنَاهُمْ أُمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النُّارِ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا يُنصَرُونَ﴾ [القصص: ۴۱]

ترجمہ: ”نیز ہم نے انہیں جہنم کی طرف دعوت دینے والے سرغنے بنادیا اور قیامت کے دن انہیں کہیں سے مدد مل سکے گی۔“

شیعہ حضرات نے یہاں پر خاموشی اختیار کر لی کہ لفظ ائمہ سے کون مراد ہے؟

شیعہ حضرات کا یہ شیوہ اور دطیرہ رہا ہے کہ جہاں آیت میں اچھے اوصاف پائے جائیں یا جنت کی بات ہو تو وہی اوصاف اور بہشتی بات اپنے اماموں پر منطبق کرتے ہیں اور جہاں کہیں آیت کریمہ میں برے اوصاف پائے جاتے ہوں، یا جہنم کی بات ہو تو وہی برے اوصاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر منطبق کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ) حالانکہ مذکورہ بالا آیت کریمہ فرعون اور فرعون لاؤ لشکر کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ فرعون نے تمام منکرین حق اور باطل پرستوں کے لیے وہ مثال قائم کر گیا کہ حق کو کون کن جیلوں بہانوں سے ٹھکرایا جاسکتا ہے۔ انکار حق پر ڈٹ جانے اور آخر دم تک ڈٹے رہنے کے لیے کیا کیا ہتھکنڈے استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ حق پرستوں پر کیسے کیسے مظالم ڈھائے جاسکتے ہیں اور حق کو کیونکر دبایا جاسکتا ہے۔ یہ سب طریقے اپنے بعد میں آنے والوں کو دکھا کر وہ جہنم کو سدھار چکا اور آج کے مشرکین مکہ انہیں کے طور طریقے اختیار کر کے اسی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ پھر جس طرح فرعون نے اس دنیا میں حق کے دشمنوں کو جہنم کی راہ دکھائی اسی طرح قیامت کے دن بھی وہ اہل دوزخ کی پیشوائی کرے گا اور انہیں جہنم میں پہنچائے گا اور خود ان کی قیادت کر رہا ہوگا۔

امامت کی دسویں آیت

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أُمَّةً يُهْتَدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ﴾ [السجدة: ۲۴]

ترجمہ: ”اور کیے ہم نے ان میں پیشوا جو راہ چلاتے تھے ہمارے حکم سے جب وہ صبر کرتے رہے اور رہے ہماری باتوں پر یقین کرتے۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ بھی اچھے اوصاف پر مشتمل ہے تو شیعہ حضرات نے اس

آیت کو اپنے اماموں کے بارے میں مقید اور ثابت کرنے کی ایک ناکام کوشش کی ہے ان کا صرف دعویٰ ہے دلیل کوئی نہیں۔

مختصر تشریح

موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہم نے بنی اسرائیل میں ایسے ائمہ اور پیشوا پیدا کیے جو تورات میں ہمارے احکام کے مطابق لوگوں کو توحید اور صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتے تھے اور توحید کی تبلیغ اور اشاعت پر تکلیفیں برداشت کرتے تھے اور خود بھی ایمان و یقین میں مضبوط اور ثابت قدم تھے۔

امامت کی گیارہویں آیت

﴿إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ﴾ [یس: ۱۲]

ترجمہ: ”بلاشبہ ہم ہی مردوں کو زندہ کرتے ہیں ہم ان کے وہ اعمال بھی لکھتے جاتے ہیں جو وہ آگے بھیج چکے اور وہ آثار بھی جو پیچھے چھوڑ گئے اور ہم نے ہر چیز کا واضح کتاب ”لوح محفوظ“ میں ریکارڈ رکھا ہوا ہے۔“

یہاں پر شیعہ حضرات نے حضرت شیخین رضی اللہ عنہما ”سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ“ کی اس انداز سے توہین کی ہے کہ وہ فہم قرآن سے نا آشنا تھے اور ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو لوح محفوظ کی طرح تمام علوم کا مرکز اور خزینہ ثابت کر دیا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لوح محفوظ کا مصداق قرار دے دیا۔ روایت ملاحظہ فرمائیں:

عن علی لما نزلت هذه الآية على رسول الله صلى الله عليه وآله
والله ”وكل شيء أحصيناه في إمام مبين“ قام ابوبكر وعمر
من مجلسهما وقالوا: يا رسول الله هو التوراة؟ قال: لا قال:

فہر الانجیل؟ قال: "لا" قال: فہو القرآن؟ قال: "لا" قال: فاقبل امیر المؤمنین علیہ السلام فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "ہو هذا" إنه الإمام الذی أحصى اللہ فیہ تبارک و تعالیٰ علم کل شئی۔ [نور الثقلین، ج ۶، ص ۱۶۷]

ترجمہ: "حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب یہ آیت کریمہ و کل شئی احصیناہ فی امام مبین نازل ہوئی تو اسی موقع پر ابو بکر و عمرؓ دونوں اپنی مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ لفظ امام مبین سے مراد تو رات ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا، نہیں پھر انہوں نے پوچھا کہ انجیل مراد ہے؟ فرمایا انجیل بھی مراد نہیں! پھر دونوں نے پوچھا کہ کیا اس امام مبین سے مراد قرآن ہے؟ فرمایا قرآن بھی مراد نہیں! اسی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ جلوہ افروز ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ہیں امام مبین، یہ وہ امام مبین ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے تمام علوم محفوظ رکھے ہیں۔"

مذکورہ بالا آیت کریمہ کا شرعی مفہوم

اس کا ایک مفہوم تو واضح ہے اور یہی مفہوم دنیا میں بھی ہر آن مشاہدہ میں آ رہا ہے اور یہی مفہوم عقیدہ آخرت کی بنیاد ہے اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ قرآن نے بعض مقامات پر موتی سے مراد مردہ دل کا فر بھی لیے ہیں۔ اس لحاظ سے اس جملہ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ عرب قوم جس کی اخلاقی اور روحانی قوتیں بالکل مرچکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ پھر ان میں زندگی کی روح پھونک دے کہ وہ دنیا میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دے اور بعد میں آنے والی نسلوں

کے لیے اپنے عظیم آثار چھوڑ جائے۔

اثر کا لغوی مفہوم

اثر کا معنی دراصل قدموں کے نشان ہیں۔ جو کسی انسان کے چلنے کے بعد زمین پر پڑ جاتے ہیں۔ پھر اس لفظ کا اطلاق زمین پر پڑے ہوئے قدموں پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بن مالک فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنی سلمہ کے لوگوں نے "جن کے مکان مسجد نبوی ﷺ سے دور تھے" ارادہ کیا کہ وہ اپنے مکان چھوڑ دیں اور رسول اللہ ﷺ کے قریب آ کر رہائش پذیر ہوں۔ "تاکہ آسانی سے نماز باجماعت میں شامل ہو سکیں" آپ ﷺ کو مدینہ کی سرحدوں کا اجڑنا برا معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: کیا تم اپنے قدموں کا ثواب نہیں چاہتے۔ حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ آثار ہم سے مراد زمین پر چلنے سے پاؤں کے نشانات مراد ہیں۔

[بخاری شریف کتاب الاذان]

زندگی کے بعد اعمال نامہ میں درج ہونے والے اعمال

ہر انسان کے اعمال نامہ میں تین طرح کے اندراجات ہوتے ہیں۔ ایک وہ اعمال و اقوال جو اس نے اپنی زندگی کے دوران سرانجام دیئے تھے۔ دوسرے اعمال کے اثرات جو عمل کرنے سے انسان کے اپنے جسم، اس کے اعضاء و جوارح، زمین یا فضا میں مرتسم ہوتے رہتے ہیں اور تیسرے وہ اعمال جن کے اچھے یا برے اثرات اس کی زندگی کے بعد بھی باقی رہ گئے۔ مثلاً کسی شخص نے کوئی مفید کتاب تصنیف کی یا لوگوں کو علم دین سکھایا اور یہ سلسلہ آگے چلتا رہا کوئی چیز اللہ کی راہ میں وقف کر گیا۔ یہ سب کچھ اس کے عمل کے اثرات ہیں اور ان کا ثواب اس کے اعمال نامہ اس کی زندگی کے بعد بھی درج ہوتا رہے گا۔

اسی طرح اگر کسی نے کوئی شرکیہ عقیدہ یا بدعت یا کوئی بد رسم نکالی تو جو شخص ان باتوں کو اپنائیں گے حصہ رسی ان کا گناہ اس کے ایجاد کرنے والے اعمال میں بھی درج ہوتا رہتا ہے۔

لوح محفوظ کے نام اور صفات

امام مبین سے مراد لوح محفوظ ہے۔ جس کے مزید نام ام الکتاب اور کتاب مکون بھی قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ اس امام مبین کا مکمل ادراک تو انسان کے احاطہ سے باہر ہے تاہم روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسی تختی یا کتاب ہے جس میں کائنات کی تقدیر کے متعلق تمام امور پہلے سے لکھ دیئے گئے ہیں۔ اور ان میں رد و بدل نہیں ہوتا اور یہ تمام احکام و فرامین اور کلمات الہی کا مصدر ہے اور مکون اس لحاظ سے ہے کہ اس کے مندرجات کی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خبر نہیں۔ گویا لوگوں کے جو اعمال نامے تیار ہو رہے ہیں جو اعمال و آثار کے وقوع کے بعد لکھے جاتے ہیں۔ عین اللہ تعالیٰ کے اس علم کے مطابق ہوتے ہیں جس کے مطابق اس نے ہر چیز سے پہلے ہی امام مبین میں درج کر رکھی ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں بھی یہی ہے۔

ای کتاب اعمالہم الشاہد علیہم بما عملوہ من خیر و شر۔

[ابن کثیر، ج ۳، ص ۵۶۶]

”امام مبین سے نامہ اعمال یا لوح محفوظ مراد ہے اور تفسیر مدارک والوں نے بھی ”یعنی اللوح المحفوظ“ لکھا ہے۔ [تفسیر مدارک، ج ۴، ص ۳]

امت کی بارہویں آیت

﴿وَمِنْ قَبْلِهِ كَتَبَ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً وَهَذَا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ

لِسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنذِرَ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَبُشْرَىٰ لِلْمُحْسِنِينَ﴾

[الاحقاف: ۱۲]

ترجمہ: ”اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب (تورات) جو رہنما اور رحمت تھی، اور یہ کتاب (قرآن) اس کی تصدیق کرنے والی ہے۔ جو عربی زبان میں ہے تاکہ ظالموں کو متنبہ کرے اور نیک عمل کرنے والوں کو بشارت دے۔“

نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت سے ہزاروں برس پہلے تورات نے جو اصولی تعلیم دی تھی، انبیاء و اولیاء کی ایک کثیر تعداد اسی تعلیم سے رہنمائی حاصل کرتی رہی۔ اسی کتاب نے بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے راستی اور ہدایت کی راہ ڈال دی اور یہ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت تھی اور یہ موجودہ کتاب قرآن بھی تورات کو سچا ثابت کرتا ہے۔ گویا یہ دونوں کتابیں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور ان دونوں کتابوں میں مجرموں کے لیے وعید اور نیک لوگوں کے لیے جنت کی بشارت موجود ہے۔

قارئین کرام! لفظ امام یا ائمہ کا اطلاق جن افراد پر واقع ہوتا ہے۔ ایسے تمام الفاظ کی تفسیر فریقین کی تفاسیر و کتب سے واضح کر دی گئی اور یہ مفہوم بھی روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ مذکورہ بالا بارہ آیات قرآنیہ سے شیعہ حضرات کے مقرر کردہ بارہ امام مراد ہرگز نہیں ہیں لیکن شیعہ حضرات کے ہاں بارہ اماموں کی امامت کے لیے انہوں نے اپنی طرف سے کچھ اصول مقرر کر دیئے ہیں کہ امامت کا مستحق آدمی وہ ہو سکتا ہے کہ جو پانچ اوصاف سے متصف ہو۔ اگر ان پانچ اوصاف و شروط سے خالی ہو تو وہ لوگوں کا امام نہیں بن سکتا۔

شیعہ حضرات کے مقرر کردہ شروط خمسہ

شرط اول: یجب أن يكون الإمام معصوماً
امام کا معصوم ہونا واجب اور ضروری ہے۔

شرط دوم: یجب أن يكون الإمام منصوباً
امام کا منصوب ہونا "اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو" ضروری ہے۔

شرط سوم: یجب أن يكون الإمام أعلم الناس فی زمانه
امام کا علم اپنے زمانے کے لوگوں سے زیادہ ہو، ضروری ہے۔

شرط چہارم: یجب أن يكون الإمام أفضل الناس فی زمانه
امام کا تمام کائنات "موجودہ لوگوں" سے افضل ہونا ضروری ہے۔

شرط پنجم: یجب أن يكون الإمام من الرجال دون النساء
امام کا مرد ہونا ضروری ہے، عورت امام نہیں بن سکتی۔

ناظرین کرام! آپ حضرات نے پانچ شروط و اوصاف ملاحظہ فرمائے جنہیں شیعہ حضرات نے عہدہ امامت کے لیے ضروری قرار دیئے گئے ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ شیعہ حضرات اپنی مذکورہ امامت کے لیے قرآنی آیات سے ایک آیت بھی ثابت نہ کر سکے اور نہ ہی قیامت تک ثابت کر سکتے ہیں۔ البتہ وہ عہدہ امامت کے لیے ایسے اوصاف چن لیتے ہیں، جو اوصاف بے داغ اور عصمت پر دلالت کرتے ہیں۔ انسانوں میں سے ایسے بے داغ اوصاف سوائے انبیاء کرام اور رسل عظام کے نہیں ہو سکتے ہیں تو انہوں نے اپنے اماموں کو انبیاء کرام ﷺ کی ذوات مقدسہ و معصومہ پر قیاس کر کے کہنے لگے کہ ہمارے بارہ امام بھی معصوم ہیں۔ شاہاش.....

این کار از تو آید و مردان چنین کنند

قرآن کریم میں جو لفظ خلیفہ امام یا خلافت و امامت وارد ہوا ہے اور وہ لفظ خلافت حضرت آدم علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے تو کہتے ہیں بس بس ہماری خلافت اور امامت "بارہ اماموں کی امامت" ثابت ہوگئی۔ حالانکہ شیعہ حضرات آدم علیہ السلام کو بھی معصوم نہیں مانتے ہیں: شیعہ حضرات آدم علیہ السلام کی خلافت سے کس طرح اپنی خلافت مراد لیتے ہیں اور آدم علیہ السلام کو کس طرح غیر معصوم مانتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

عن علی علیہ السلام قال: بینما أنا أمشی مع النبی فی بعض طرقات المدینة إذ لقینا شیخ طوال کث اللحية بعید ما بین المنکبین فسلم علی النبی ورحب به ثم التفت إلی فقال: السلام علیک یا رابع الخلفاء ورحمة الله وبرکاته، ألیس كذلك هو یارسول الله؟ فقال له رسول الله: ہلی ثم مضی فقلت: یارسول الله ما هذا الذی قال لی هذا الشیخ و نصدیقک له؟ قال: أنت كذلك والحمد لله، إن الله عز وجل قال فی کتابہ: "إنی جاعل فی الأرض خلیفۃ" والخلیفۃ المجمعول فیہا آدم علیہ السلام، وقال عز وجل: "یاد اود انا جعلناک خلیفۃ فی الأرض فاحکم بین الناس بالحق" [سورۃ ص: ۲۶-۲۷] فهو الثانی، وقال عز وجل حکایۃ عن موسی حین قال لہارون علیہ السلام: "اخلفنی فی قومی وأصلح" [سورۃ الاعراف: ۱۴۳] فهو ہارون إذا استخلفہ موسی فی قومه وهو

الثالث، وقال عز وجل "وأذان من الله ورسوله إلى الناس يوم الحج الأكبر" [سورة التوبة: ٣] و كنت أنت المبلّغ عن الله عز وجل وعن رسوله، وأنت وصي ووزير وقاضي ديني والمؤدي عني، وأنت مني بمنزلة هارون من موسى إلا أنه لانبئ بعدى، فأنت رابع الخلفاء كما سلم عليك الشيخ، أولا تدري من هو؟ قلت: لا، قال: ذاك اخوك الخضر عليه السلام فاعلم۔ [تفسير نور الثقلين، ج ١، ص ٦٧، ص ٦٨]

ترجمہ و مفہوم: "حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ہم دونوں مدینہ کی گلیوں سے گزر رہے تھے پس اچانک ایک بوڑھے شیخ نے ہم سے ملاقات کی جس کی قامت بلند اور گھنی داڑھی تھی اور کندھوں سے دور فاصلے پر اس نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا اور اسے خوش آمدید کہا، اس شخص نے میری طرف دیکھتے ہوئے مجھے یوں کہا اے چوتھے خلیفہ! اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تجھ پر، اس شخص نے رسول اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، کیا ایسا نہیں ہے؟ اے اللہ کے رسول؟ پس رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا کہ ایسا ہی ہے "یعنی علی رضی اللہ عنہ کے چوتھے خلیفہ ہیں، پھر وہ شخص چلا گیا۔ علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یہ کیا ہے؟ یعنی یہ شخص کون ہے؟ جس نے میرے ساتھ گفتگو کی اور آپ ﷺ نے اس گفتگو کی تصدیق فرمائی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، شکر الحمد للہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ آپ اسی طرح "چوتھے خلیفہ" ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب

مقدس میں فرمایا ہے:

"انسی جاعل فی الأرض خلیفۃ" کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔" اور واقعی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس زمین میں خلیفہ بنایا اور اللہ رب العزت نے فرمایا "یاد اود إنا جعلناک خلیفۃ فی الأرض فاحکم بین الناس بالحق" اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں نائب بنایا ہے لہذا لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کرنا، یہ دوسرا خلیفہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام سے کہا: "تم میری قوم میں میرے خلیفہ بنو، اصلاح کرتے رہنا۔ پس یہ ہارون خلیفہ بنا اور یہ تیسرا خلیفہ ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے "وأذان من الله ورسوله الى الناس يوم الحج الأكبر" اور یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن تمام لوگوں کے لیے اعلان (کیا جاتا) ہے۔"

اور آپ ﷺ ہی "اے علی رضی اللہ عنہ" مبلغ ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ کے رسول کی طرف سے اور آپ ﷺ ہی میرے وصی ہیں اور میرے وزیر ہیں اور میرے "لائے ہوئے" دین کے قاضی ہیں اور میری طرف سے ادا کرنے والے آپ ہی ہیں اور آپ مجھ سے بمنزلہ ہارون و موسیٰ کے ہیں مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے پس آپ ﷺ چوتھے خلیفہ ہیں جیسا کہ سلام کیا تجھے اس بوڑھے نے۔ اے علی! آپ اس بوڑھے کو نہیں جانتے ہیں کہ وہ کون ہیں؟ علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں انہیں نہیں جانتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، وہ آپ کے بھائی حضرت خضر علیہ السلام ہیں، پس جان لو۔ [تفسير نور الثقلين، ج ١، ص ٦٤، ص ٦٨]

مذکورہ بالا روایت کی حقیقت

شیعہ حضرات کی منقولہ روایت وضعی اور من گھڑت ہے۔
پچھلے سال کشمیر میں ایک ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے یہ بات کی کہ قمری صاحب میرا ایک شیعہ دوست ہے پڑھا لکھا، میں نے اسے کہا کہ یا آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلا فصل مانتے ہو اور تینوں خلفاء ”ابوبکر و عمر و عثمان“ سے انکار کرتے ہو، یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ وہ ہنس کر مجھے کہنے لگا کہ یا رکون کہتا ہے کہ ہم علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلا فصل خلیفہ مانتے ہیں؟ ہم تو علی رضی اللہ عنہ کو ہی چوتھا خلیفہ تسلیم کرتے ہیں۔

میں نے ڈاکٹر صاحب کو کہا کہ اس نے تقیہ کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کیسے تقیہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ آپ شیعوں کے عقائد سے واقف کار نہیں ہیں، اس نے چوتھے خلیفہ ماننے کا جو جملہ استعمال کیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ پہلا خلیفہ آدم علیہ السلام ہیں اور دوسرا خلیفہ داؤد علیہ السلام ہیں اور تیسرا خلیفہ ہارون علیہ السلام ہیں اور چوتھا خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں وہ اس ترتیب سے چوتھے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مانتے ہیں۔ مذکورہ بالا روایت میں تینوں آیات کے مصداق حضرت آدم علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام قطعی طور پر درست اور سچے خلفاء ہیں لیکن قرآن کریم کی چوتھی آیت سے چوتھا خلیفہ ثابت کس طرح ہے؟ نہ کوئی نام اور نہ ہی کوئی نشان مذکورہ بالا روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل پر دلالت کرنے والی آیت کوئی پوری آیت نہیں ہے بلکہ آیت کریمہ کا ایک ٹکڑا ہے۔ پوری آیت کریمہ کا پس منظر اس طرح ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ فَإِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَ

إِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ [التوبة: 3]

ترجمہ: ”یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن تمام لوگوں کے لیے اعلان (کیا جاتا) ہے کہ ”اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بری الذمہ ہیں۔ لہذا اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر تم اعراض کرو تو خوب جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔“ اور (اے نبی) ان کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجیے۔“

مشرکین سے اعلان برأت

رمضان ۸ ہجری میں مکہ فتح ہو گیا تو مسلمانوں پر سے وہ پابندیاں از خود اٹھ گئیں جو مشرکین مکہ نے مسلمانوں کے بیت اللہ شریف میں داخلہ، عبادات، طواف اور حج و عمرہ پر لگا رکھی تھیں۔

۸ ہجری میں تو مسلمان حج کر ہی نہ سکے کیونکہ فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین اور طائف سے واپس مدینہ پہنچنے تک اتنا وقت نہ رہا تھا کہ مسلمان حج کے لیے مدینہ سے آتے۔ ۹ ہجری میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حج کے لیے بھیجا اور سیدنا ابوبکرؓ کو اس قافلہ حج کا امیر مقرر کر دیا۔ ابھی تک اللہ تعالیٰ کی طرف مشرکوں کے داخلہ پر کوئی پابندی عائد نہ کی گئی تھی۔ لہذا اس حج میں مشرکین بھی شریک تھے۔ مسلمانوں نے اپنے طریقہ پر حج ادا کیا اور مشرکین نے اپنے طریقہ پر۔ سیدنا ابوبکرؓ کی روانگی کے بعد اس سورہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ جن کی بنا پر مشرکین سے صرف بیت اللہ شریف میں داخلہ پر ہی پابندی نہ لگائی گئی بلکہ ان سے برأت کا اعلان کیا گیا۔ اس اعلان کی اہمیت کے پیش نظر آپ ﷺ نے بہتر سمجھایا، مدینہ میں موجود

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو یہ مشورہ دیا کہ یہ اعلان آپ کے کسی قریبی رشتہ دار کی طرف سے ہونا چاہیے جو مشرکوں کی نگاہ میں آپ ہی کے قائم مقام سمجھا جاسکے چنانچہ ان آیات کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی بھیج دیا کہ وہ حج کے اجتماع عظیم میں ان آیات کا اعلان کر دیں جیسا کہ درج ذیل احادیث سے واضح ہوتا ہے: ①..... کعبہ کا ننگے طواف کرنا: سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس حج میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دسویں تاریخ کو دوسرے منادی کرنے والوں کے ساتھ مجھے بھی بھیجا تا کہ یہ منادی کریں کہ ”اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ ہی کوئی ننگا ہو کر طواف کرے۔“ حمید بن عبد الرحمن (ایک راوی) کہتے ہیں کہ (ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو روانہ کرنے کے بعد) (آپ ﷺ نے ان کے پیچھے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی روانہ کیا اور انہیں بھی حکم دیا کہ سورہ برأت (کافروں کو) سنا دیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی ہمارے ساتھ منیٰ میں برأت کی منادی کی اور کہا کہ ”اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کو نہ آئے اور نہ ہی کوئی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔“ [بخاری، کتاب التفسیر]

اعلان برأت کی چار دفعات

زید بن یثیعؓ کہتے ہیں کہ ہم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حج میں تمہیں کیا پیغام دے کر بھیجا گیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ چار باتیں۔ ایک یہ کہ کوئی شخص ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ دوسرے جس کافر کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کا معاہدہ صلح ہے، وہ مدت مقررہ تک بحال رہے گا اور تیسرے جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ان کے لیے چار ماہ کی مدت ہے یا تو وہ اسلام لے آئیں اور وہ جنت میں داخل ہوں گے یا پھر یہاں سے چلے جائیں اور چوتھے یہ کہ اس سال کے بعد مشرک اور مسلمان

(حج میں) جمع نہ ہوں گے۔“ [ترمذی، ابواب التفسیر]

افسانوی روایت

شیعہ حضرات کے پیشرو واعظین اور ذاکرین نے مذکورہ بالا روایت کو توڑ مروڑ کر کے ایک نیا افسانہ گھڑ لیا جو وہ اپنی مجالس عزائم میں عام لوگوں کو داستان گوئی کی شکل میں سناتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے پہلے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حج کی آیات کی تبلیغ کا پیغام دینے کے لیے بھیجا، بعد میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے بھائی علی رضی اللہ عنہ کو سورہ برأت کی آیات دے کر فرمایا آپ جائے اور ان آیات کا پیغام پہنچائے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ملاقات ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے وہ آیات چھین کر ابو بکرؓ سے کہا کہ آپ اس کے لائق نہیں اس حکم کو پہنچانے کا حقدار میں ہی ہوں۔ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ کو چند آیات کی تبلیغ کرنے کی اجازت نہیں وہ مسلمانوں کے خلیفہ کیسے بن سکتے ہیں؟ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اعلان برأت کا پیغام پہنچایا اور امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اعلان برأت کا پیغام پہنچایا، یہاں تو خلافت فصل کی بات ہی نہیں ہے۔

شیعیت کے ہاں آدم علیہ السلام کی عصمت یا معصیت؟

قال ابو عبد الله عليه السلام اصول الكفر ثلاثة الحرص والاستكبار والحسد فاما الحرص فإن آدم حين نهى من الشجرة حمله أن أكل منها وأما الاستكبار فابليس حيث أمر بالسجود فأبى فأما الحسد فبأن آدم حيث قتل أحدهما صاحبه۔ [اصول کافی، ۵۱۷]

ترجمہ: ”امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ کفر کے اصول تین ہیں، حرص،

تکبر اختیار کرنا اور حسد کرنا۔ حرص کا کفر آدم علیہ السلام میں، جس وقت اسے درخت سے منع کیا گیا پس کھالیا اس میں سے اور تکبر ابلیس میں، جب اسے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اس نے انکار کیا اور جو کفر حسد تھا، وہ آدم علیہ السلام کے بیٹے قاتل قاتیل میں تھا۔“

آدم علیہ السلام میں جو حسد کی چنگاری تھی وہ کس راستے سے داخل ہوئی؟

اے آدم وحواء نظر نہ کنید بسوئے نورہا و حجت ہای من بدیدہ حسد پس شمارا پائین میفرستم از جوار خود و بر شما میفرستم خواری خود را پس و سوسہ کرد شیطان ایشان را و فریب داد۔ و بریں داشت کہ آرزوئے منزلت آنها بکنید پس نظر کرد بسوئے ایشان بدیدہ حسد پس باین نسبت ایشان را بخود نگذاشت و یاری و توفیق خود را از ایشان برداشت۔

[حیات القلوب، ج ۱، ص ۵۰]

ترجمہ: ”اے آدم وحواء! پختن پاک کے نور اور ان حجتوں کو حسد کی آنکھ سے مت دیکھیں پس تمہیں اپنے جوار رحمت سے نیچے بھیج دوں گا اور تم پر اپنی ذلت و رسوائی مسلط کر دوں گا، پس شیطان نے انہیں فریب دے کر و سوسہ میں ڈالا اور و سوسہ یہ تھا کہ ان پاک ہستیوں کے مقام و مرتبہ کی آرزو کیجیے، پس ان دونوں نے حسد کی آنکھ سے ان ”ذوات مقدسہ“ کو دیکھا تو اس وجہ سے آدم وحواء جنت سے نکال کر اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد اور توفیق کو اٹھا کر بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔“

بسند معتبر از امام باقر علیہ السلام منقول است کہ اگر آدم گناہ نمی کرد هیچ مؤمنی گناہ نمی کرد اگر حق تعالیٰ توبہ آدم علیہ السلام را قبول نمی کرد توبہ هیچ گناہ گارے را قبول نمی کرد۔

[حیات القلوب، ج ۱، ص ۵۱]

”سند معتبر کے ساتھ امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ اگر آدم گناہ نہ کرتا تو کوئی مؤمن بھی گناہ نہ کرتا اگر اللہ تعالیٰ آدم کی توبہ قبول نہ فرماتا تو کسی گناہ گار کی توبہ قبول نہ فرماتا۔“

واین از آدم پیش از پیغمبری بود و این نیز گناہ بزرگ نہ بود کہ آن مستحق دخول جہنم شود بلکہ از گناہائے کوچک بخشنده شدہ بود کہ بر پیغمبران جائز است از آنکہ وحی بر ایشان نازل شود۔

[حیات القلوب، ج ۱، ص ۵۳]

ترجمہ: ”اور یہ ”گناہ“ آدم کی پیغمبری ملنے سے پہلے تھا اور یہ گناہ بھی کوئی اتنا بڑا گناہ نہیں تھا کہ جو جہنم میں داخل ہونے کا استحقاق رکھتا تھا بلکہ یہ گناہ چھوٹے گناہوں میں سے تھا جو قابل بخشش تھا کہ یہ گناہ وحی نازل ہونے سے پہلے پیغمبروں کے لیے جائز ہوا کرتا ہے۔“

قارئین کرام نے شیعہ حضرات کی تینوں روایتیں پڑھ لیں، پہلی روایت میں یہ گل افشانی ہے کہ آدم علیہ السلام میں حرص کا کفر موجود تھا اور دوسری روایت میں حسد کا کفر بھی موجود تھا۔ یعنی آدم علیہ السلام کی ذات میں تین اصول کفر میں سے ”العیاذ باللہ“ دو

اصول کفر پائے جاتے تھے جن کا ارتکاب بھی آدم علیہ السلام نے کیا تھا تو پھر آدم علیہ السلام کیسے معصوم ہوئے؟ ارتکاب کفریات کے ہوتے ہوئے کائنات کا کوئی بھی مذہب اسے معصوم نہیں ٹھہرا سکتا۔

شیعہ حضرات نقل کفر کفر نباشد کس طرح آدم علیہ السلام کی خلافت حقہ کو تسلیم کرتے ہیں؟ اور کیونکر ان کی خلافت حقہ پر قیاس کر کے اپنے اماموں کی امامت اور خلافت ثابت کرتے ہیں؟ اگر تمہارے نزدیک آدم علیہ السلام معصوم نہیں ہیں کہ ان میں دو اصول کفر ”حرص و حسد“ بھی پائے جاتے ہیں اور ان سے گناہ بھی سرزد ہو جاتے ہیں تو آپ لوگوں کی دلیل خلافت کیسی؟ اور آدم علیہ السلام کی عدم عصمت سے آپ کے اماموں کی عصمت کیسی؟

پھر دوسری روایت میں مرکز معصیت، گناہوں کی ابتداء نقطہ آغاز کا محور حضرت آدم علیہ السلام کی ذات گرامی کو ٹھہرایا گیا کہ اگر آدم گناہ نہ کرتا تو آج کوئی بھی مومن ”شیعہ حضرات کا مومن“ گناہ کا ارتکاب نہ کرتا۔ پھر تم نے تیسری روایت میں یہ ثابت کر دیا کہ ہمارے امام تو معصوم ہیں ان سے چھوٹے بڑے گناہ ہو ہی نہیں سکے، البتہ تمام پیغمبروں سے ”العیاذ باللہ“ گناہ صادر ہوتے رہتے ہیں اور پھر اپنی پھیلائی ہوئی گندگی کو منہ میں ڈال کر یہ کہا کہ یہ کوئی بڑا گناہ نہیں تھا بلکہ وحی آنے سے پہلے اس قسم کے گناہ پیغمبروں سے صادر ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ جائز ہے۔

ان کفریہ عقائد کے برخلاف اہل سنت والجماعت کا متفقہ علیہ عقیدہ ہے کہ انبیائے کرام و رسل عظام، تمام کے تمام معصوم ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام لوگوں کے لیے اشاعت توحید اور تبلیغ رسالت کی خاطر انہیں منتخب کیے جاتے ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے معصوم وحی آتی ہے وہ گناہوں سے پاک ہوتے

ہیں۔ نبوت سے پہلے یا بعد، وحی آنے سے پہلے یا بعد ان ذوات مقدسہ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا وہ قبل النبوة اور بعد النبوة دونوں حالتوں میں معصوم ہوتے ہیں۔

آیت استخلاف اور موعودہ خلافت

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ [النور: ۵۵]

”تم میں سے جو مومن ہیں اور نیک کام کرتے ہیں ان سے اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ انہیں زمین میں ایسے ہی خلافت عطا کرے گا جیسے تم سے پہلے لوگوں کو عطا کی تھی اور ان کے اس دین کو مضبوط کرے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ان کی حالت خوف کو امن میں تبدیل کر دے گا۔ پس وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔“

صحابہ کرامؓ سے خلافت ارضی اور دین کے استحکام کا وعدہ الہی اس آیت میں منکم سے اور اس سے پہلے آیات میں منافقین مدینے کے ذکر سے صاف طور پر واضح ہوا ہے کہ یہ وعدہ صحابہ کرامؓ کی جماعت سے کیا جا رہا ہے اور جب یہ سورت نازل ہوئی اس وقت تک مسلمان تنگدستی کی زندگی بسر کر رہے تھے، فتح خیبر کے بعد مسلمانوں کی معیشت میں صرف اس حد تک آسودگی آئی تھی کہ

مہاجرین نے جو باغ اور کھجوروں کے درخت معاہدہ مواخات کے تحت انصار سے مزارعت پر لیے تھے وہ انہوں نے واپس کر دیئے تھے اور جنگ احزاب سے پہلے تک مسلمانوں کی نوخیز ریاست مدینہ کی یہ حالت تھی کہ وہاں ہر وقت کفار کے حملے سے خوف و ہراس کی فضا چھائی رہتی تھی۔ جنگ احزاب کے خاتمہ پر البتہ رسول اللہ ﷺ نے یہ ضرور فرمایا تھا کہ آج کے بعد کفار ہم پر چڑھائی کرنے کے لیے نہیں آئیں گے، بلکہ اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے۔ مگر مدینہ سے باہر عرب میں لوٹ مار کا بازار گرم رہتا تھا اور کوئی شخص یا کوئی قافلہ خیر خیریت سے سفر نہ کر سکتا تھا۔ اس آیت میں تو اللہ تعالیٰ نے صرف ایسے خوف و ہراس کے خاتمہ کی خوشخبری دی اور رسول اللہ ﷺ نے خوف کے علاوہ تنگدستی کے خاتمہ کی بھی خوشخبری دی جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہے:

تنگ دستی اور بد امنی کے خاتمہ کی شہادت

عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ ایک دن میں آپ ﷺ کے پاس بیٹھا تھا کہ دو آدمی آئے۔ ایک تنگی معیشت کی شکایت کرتا تھا اور دوسرا ہزنی کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”عنقریب ایسا امن ہوگا کہ یہاں سے جانے والا قافلہ بغیر کسی محافظ کے جائے گا اور اے عدی بن حاتم! کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ میں نے کہا نہیں البتہ اس کی خبر لی ہے۔“ فرمایا: اگر تمہاری عمر زیادہ ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک عورت حیرہ سے چل کر کعبہ کا طواف کرے گی لیکن اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔“ میں نے دل میں سوچا: قبیلہ بنو طے کے لیڈرے جنہوں نے تہلکہ مچا رکھا ہے اس وقت کہاں جائیں گے؟ ”اور قیامت نہیں آئے گی کہ ایک شخص اپنا صدقہ لے کر چکر لگائے کہ اسے کوئی لینے والا مل جائے لیکن اسے کوئی لینے والا نہیں ملے گا اور تم لوگ کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے۔“

میں نے کہا: ”کسریٰ بن ہرمز؟“ آپ ﷺ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا اور اے عدی! اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو ضرور تم ایسے شخص کو دیکھو گے جو مٹھی بھر سونا یا چاندی لے کر ایسے آدمی کی تلاش میں نکلے گا جو اسے قبول کر لے لیکن اسے ایسا کوئی آدمی نہ ملے گا۔“ [بخاری کتاب الزکوٰۃ، باب الصدقة قبل الرد]

سیدنا عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پھر میں نے حیرہ سے چل کر کعبہ کا طواف کرنے والی عورت کو دیکھا جو اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتی تھی اور میں خود ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کیے۔ [بخاری، کتاب المناقب]

ان حالات میں ایسی پیش گوئی مسلمانوں کے لیے ایک عظیم خوشخبری تھی چنانچہ اس خوشخبری کا کچھ حصہ تو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی پورا ہو گیا۔ فتح مکہ اور بالخصوص اعلان برأت کے بعد عرب بھر سے لوٹ مار کی وارداتیں ختم ہو گئیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آسودگی بھی میسر آ گئی مگر عرب سے باہر ابھی تک خوف و ہراس، لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کی فضا قائم تھی۔ جو خلفائے راشدین کے زمانہ میں پوری ہوئی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فی الواقع اتنی آسودگی ہو گئی کہ ایک شخص اپنی زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے نکلتا تو اسے کوئی مستحق زکوٰۃ شخص نہیں ملتا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو نظام خلافت قائم کیا۔ وہی اللہ کے ہاں پسندیدہ دین ہے اور اللہ نے اسی دین کو ان کے لیے پسند فرمایا تھا، یہ نظام خلافت اس قدر مضبوط ہو گیا تھا جس کی تمام روئے زمین پر دھاک بیٹھ گئی تھی۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے رسولوں یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسے وعدہ اور پکی خوشخبری کے بعد بھی ان کا ساتھ نہ دے اور کفر و نفاق کی راہ اختیار کر لے تو ایسے لوگ یقیناً بدکردار ہیں، یا خلفائے راشدین کی خلافت قائم ہونے اور دین کے مضبوط ہونے کے بعد بھی جو شخص اس

بات کا انکار کرے کہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختیار کردہ دین اللہ کا پسندیدہ دین نہیں تھا تو ایسے لوگ یقیناً فاسق اور کافر ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ، لیستخلفتم میں، استخلاف، یعنی خلیفہ بنانے کو حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے اور مہاجرین و اولین میں سے بعض کو اپنا جانشین بنانے کو وعدہ فرمایا ہے یعنی مہاجرین و اولین کو۔ بعد ہلاکت مشرکین، خطہ عرب میں صرف جگہ دینے ہی کا نہیں بلکہ ان میں سے بعض کو خلیفہ اور بادشاہ بنانے کا وعدہ بھی فرمایا ہے کیونکہ استخلاف کے معنی بادشاہ بنانا بھی ہیں۔ اگر کسی گروہ میں سے ایک شخص کو بادشاہ بنا دیا جائے تو اس کا فائدہ سارے گروہ کو پہنچتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و اولین کو وعدہ دیا کہ ان میں سے بعض یکے بعد دیگرے خلیفہ بنائے جائیں گے کیونکہ ان میں سے خلیفہ اور بادشاہ بنائے بغیر ظہور معانی تمکین و استحکام دین اسلام و تبدیلی خوف بالامن محالات عادیہ سے ہے۔

قال صلی اللہ علیہ وسلم الْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتِلُ مِنْ وَرَائِهِ۔

یعنی بادشاہ رعایا کے بچاؤ کے لیے سپر ہے۔

شیعہ حضرات سوال وارد کرتے ہیں کہ خلافت شیخینؓ کے لیے کوئی نص یا نص حدیث نہیں۔ اگر کوئی نص ہے تو انصار کے ایک گروہ نے بیعت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے انکار کیوں کیا؟ اور اپنے لیے مدعی خلافت کیسے ہوئے؟

کیا یہ لوگ آیت استخلاف سے ناواقف تھے؟ اگر نص ہوتی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جانب سے گروہ انصار کو مِّنَا أَحِبُّرَ وَمِنْكُمْ أَمِيرٌ (ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے) کیوں جواب دیا جاتا؟

الجواب الصواب بعون اللہ الوہاب

ایک نص کیا بلکہ بکثرت نصوص قرآنیہ و احادیث نبویہ نہ صرف خلافت شیخین بلکہ خلافت خلفاء اربعہ علیہم الرضوان پر شاہد ہیں مگر چونکہ نصوص قرآنیہ میں شخصی طور پر کسی کے نام گرامی کی تخصیص نہ تھی۔ صرف کلی طور پر اوصاف جمیلہ کا ذکر تھا لہذا بوجہ نامعلومی شخصیت بوقت وصال نبوی ﷺ باہمی تخالف پیدا ہوا۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ان نصوص اور ان میں مندرجہ اوصاف سے مراد اور ان کا مصداق خلفاء اربعہ ہی ہیں اور انہی کے لیے آنحضرت ﷺ کے بعد مندرجہ خلافت پر بٹھلانے کا وعدہ منجانب اللہ فرمایا گیا ہے۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ کی مراد اور مصداق نصوص پر سب سے اول پہنچنے والے اور اوصاف کلیہ سے مصداق شخصیت کا پتہ لگانے والے خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔

چنانچہ نوح البلاغہ میں ہے کہ جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جنگ عراق میں بنفس نفیس شریک ہونے کے لیے مشورہ لیا تو ہر ایک اہل الرائی کی رائے لینے کے بعد انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل فرمایا اور دار الخلافہ کی میں دائرہ قطب کی طرح جبر ہے۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

إِنَّ هَذَا الْأَمْرَ لَمْ يَكُنْ نَصْرَتَهُ وَلَا خِذْلَانَهُ بِكَثْرَةِ وَلَا قَلَّةِ
وَهُوَ دِينُ اللَّهِ الَّذِينَ أَظْهَرَهُ وَجَنَدَهُ الَّذِي أَعَزَّهُ وَأَيَّدَهُ وَطَلَعَ
حَيْثُ طَلَعَ وَنَحْنُ عَلَى مَوْعُودٍ مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ مَنُحْزِعُهُ وَعَدَهُ وَ
نَاصِرُ جَنَدِهِ وَمَكَانُ الْقِيمِ بِالْأَمْرِ مَكَانُ النِّظَامِ مِنَ الْعِزِّ
بِحِمْمِهِ وَيَضْمُهُ۔ فَإِذَا انْقَطَعَ النِّظَامُ تَفَرَّقَ الْعِزُّ وَذَهَبَ ثَمَّ لَمْ

يجتمع بهذا فيره أبداً - والعرب اليوم وإن كانوا قليلاً فهم
كثيرون بالاسلام عزيزون بالاجتماع فكن قطباً
واستدر الرحي بالعرب واصلهم دونك نار الحرب فانك ان
شخصت من هذه الأرض استقضت عليك العرب من اطرا
فها واقطارها حتى يكون ماتدع ورائك من العورات اهم
إليك مما بين يديك ان الاعاجم أن ينظروا إليك غدا يقولوا
هذا أصل العرب فاذا اقتطعتموه استرحتم فيكون ذلك أشد
بكلبهم عليك وطمعهم فيك فاما ما ذكرت من مسير القوم
إلى قتال المسلمين فإن الله سبحانه هوا كره لمسيرهم منك
وهو أقدر على تغييره ما يكره وأما ما ذكرت من عدد هم فإننا
لم تكن نقاتل في مامعنى بالكثرة و انما كنا نقاتل بالنصر
والمعونة: [تهج البلاغة]

”اے عمرؓ، جہاد فی سبیل اللہ کی جیت یا ہار لشکر اسلام کے کم یا زیادہ
ہونے پر موقوف نہیں۔ دین اسلام خدائی دین ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے
سب ادیان پر غالب کیا ہے اور لشکر اسلام خدائی لشکر ہے جس کو اللہ تعالیٰ
نے مہیا فرمایا اور اس کی امداد فرمائی اور جس حد تک اسے پہنچنا اور ظاہر
ہونا تھا وہ پہنچا اور ظاہر ہوا اور ہم (مہاجرین و انصار) منجانب اللہ وعدہ
نصرت دیئے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا اور اپنے
لشکر کو امداد دینے والا ہے۔ والی امر (خلیفہ) بمنزلہ رشتہ جواہر ہوتا ہے۔
وہ جواہر کو جمع کرنے والا اور باہم ملانے والا ہوتا ہے۔ اگر رشتہ ٹوٹ

جائے تو جواہر جدا جدا ہوتے ہیں۔ پس وہ نظام درہم برہم ہو جاتا ہے
اور پھر کبھی اپنے اطراف کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔ آج کے دن عرب
اگرچہ قلیل ہیں مگر بوجہ اسلام کثیر ہیں اور باہمی اتفاق کی وجہ سے عزیز اور
غالب ہیں۔

پس اے عمرؓ، تو چکی کے قطب کی طرح اپنے مرکز پر قائم رہ اور یہیں
بیٹھ کر چکی کو پھرا اور اپنے تئیں بچا کر اعداء کو جنگ کی آگ سے جلا
دے۔ اگر تو بذات خود عرب سے نکل کر عراق گیا تو مخالف عرب لوگ تجھ
پر سب اطراف سے ٹوٹ پڑیں گے اور تمہاری توجہ بجائے سامنے دشمن کو
دیر کرنے کے اُن عربوں شرارتوں کے دفعیہ اور مٹانے کی طرف لگ
جائے گی اور اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ عجی لوگ کل کو اگر تجھے وہاں
دیکھیں گے تو کہیں گے یہ عربوں کی جڑ ہے۔ اسے کاٹو گے تو آرام پاؤ
گے اور یہ چیز تمہارے خلاف ان کے حرص اور طمع میں شدت پیدا کرنے
میں بہت مدد دے گی اور تو نے مسلمانوں پر اُن کے چڑھ آنے کا جو ذکر
کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بات کو تم سے بھی زیادہ وہ ناپسند فرماتا ہے اور
مکروہ کے دفعہ کرنے پر وہ خود بہت قادر ہے اور جہاں تک اُن کی
کثرت کا سوال ہے۔ پس تحقیق ہم اہل اسلام عہد نبوی ﷺ میں لشکر
کثیر کے ساتھ نہیں لڑتے تھے بلکہ ہم خدائی امداد اور اعانت کے ساتھ
لڑتے تھے۔“

مذکورہ بالا قول مرتضویؒ میں جملہ ذیل کہ ”ہم منجانب اللہ وعدہ دیئے گئے
ہیں“ خاص طور پر قابل غور اور محل استدلال ہے۔ ان کا اشارہ سورہ نور کی آیت

استخلاف کی طرف تھا جس میں اللہ تعالیٰ اُن مہاجرین و اولین کے لیے، جو اس سورہ نزول کے وقت موجود تھے، خلافت کا، اور دین اسلام کو جو اس کا پسندیدہ دین ہے محکم کرنے کا اور ادیان باطلہ پر غالب بنانے کا اور انہیں بے غمی سے دین اسلام پر عمل کرنے کا وعدہ فرما چکا ہے۔

سوال شیعہ حضرات کے تمام مفسرین نے آیت استخلاف کے مصداق شخصہ صرف اور صرف بارہ اماموں کو ٹھہرایا گیا اور ساتھ دعویٰ کرتے ہیں کہ آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خلافت راشدہ دینے کا وعدہ جو فرمایا ہے وہ ہمارے بارہ امام ہیں جو موعودہ خلافت کا استحقاق رکھتے ہیں۔

جواب پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلافت راشدہ دینے کا وعدہ مہاجرین و اولین سے فرمایا ہے اور وصف ہجرت کا خاصہ حسب ترتیب و اراک و صدیق و عثمان و عمر فاروق و علی المرتضیٰ علیہ السلام میں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہی چاروں کو یکے بعد دیگرے خلافت راشدہ کا پاکیزہ منصب عطا فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے۔ اِن السَّالِیْخِ الْمِیْعَادِ ”بے شک اللہ تعالیٰ اپنے کیے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔“ دوسری بات یہ ہے کہ آیت استخلاف کے مصداق سوائے حضرت علی علیہ السلام کے باقی گیارہ امام، ہرگز نہیں بن سکتے ہیں اور نہ خلافت راشدہ کا استحقاق رکھتے ہیں کیونکہ آیت استخلاف میں سب سے پہلا وصف، وصف ایمان ہے ”وَعَدَالِلِ الدِّیْنِ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ“ وعدہ کر لیا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں، یعنی ایمان لانے والوں سے خلافت راشدہ دینے کا وعدہ کیا گیا ہے اور شیعہ حضرات کے نزدیک یہ بات عقائد ضروریہ میں سے ہے اور علی الاعلان کہتے ہیں کہ

ہمارے کسی امام اور خلیفہ نے ایمان نہیں لایا ہے بلکہ وہ پیدائشی طور پر مؤمن ہوتے ہیں یعنی انہیں ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور ان کے نزدیک ایمان لانا ایک عیب اور عمل فحش سمجھا جاتا ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے خلافت دینے کا وعدہ ان افراد سے فرمایا ہے جنہوں نے ایمان کی گلی میں قدم رنجہ فرمایا ہے۔ چنانچہ اہلسنت والجماعت کے نزدیک یہی چار حضرات ایمانی گلی سے گزر کر حقداران ایمان، اور آیت استخلاف کے مصداق بن کر خلافت راشدہ موعودہ کے پاکیزہ منصب پر فائز ہو گئے۔ بنا بریں ہمارا نظریہ خلافت راشدہ آیت استخلاف کے عین مطابق اور موافق ہے اور شیعہ حضرات کا دعویٰ منصب خلافت راشدہ کے مطابق ہرگز نہیں۔

سوال شیعہ حضرات کی طرف سے یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت علی علیہ السلام نے خود اپنی خلافت قائم کرنے کا دعویٰ کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد متصل خلیفہ حضرت علی علیہ السلام تھے۔ جن الفاظ میں حضرت علی علیہ السلام نے اظہار خلافت کا دعویٰ کیا تھا وہ مندرجہ ذیل الفاظ و کلمات ہیں۔ اَنَا عَبْدُ اللَّهِ وَاُخْرُ سَوَّلَ اللَّهِ، میں خدا کا بندہ ہوں اور اللہ کے رسول کا بھائی ہوں۔ اَنَا اَحَقُّ لِهٰذَا الْاَمْرِ مِنْكُمْ لَا اُبَايِعُكُمْ وَاَنْتُمْ اَوْلٰی بِالْبِیْعَةِ لٰی۔ ”میں بہ نسبت تمہارے خلافت رسول اللہ ﷺ کا زیادہ مستحق ہوں۔ میں تمہاری بیعت نہیں کروں گا بلکہ تم کو میری بیعت کرنی چاہیے۔“

جواب شیعہ حضرات کی کتابوں میں مستند اور معتبر روایتوں سے یہ ثبت شدہ بات ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے خلفائے ثلاثہ علیہ السلام کی خلافت راشدہ تسلیم بھی کیا ہے اور ان خلفائے ثلاثہ علیہ السلام کی بیعت بھی فرمائی ہے۔

ایک دفعہ ام المؤمنین دختر عمر زوجہ مصطفیٰ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا پریشان و اندوہ میں بیٹھیں تھیں، رسول اللہ ﷺ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا چہرہ پڑھ لیا، فراست نبوت سے ادراک کر کے اندیشہ غم ختم کرنے کی خاطر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ اَبَا بَكْرٍ يَلِي الْخِلَافَةَ بَعْدِي ثُمَّ بَعْدَهُ اَبُو بَكْرٍ فَقَالَتْ مَنْ اَنْبَاءُكَ
هَذَا قَالَ نَبَاُنِي الْعِلْمُ الْخَبِيرُ۔ [تفسیر القمی ۳۵۴۔ تفسیر مجمع البیان،
ج ۵، ص ۳۱۴۔ تفسیر صافی ص ۵۲۳]

”بے شک ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے بعد متصل ”بلا فصل“ خلیفہ ہوں گے ان کے بعد آپ کے ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ“ والد خلیفہ ہوں گے: سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں آپ ﷺ کو یہ خبر کسی نے دی ہے؟ فرمایا مجھے اس علیم وخبیر ”جاننے والا اور آگاہ کرنے والا اللہ“ نے بتلادیا۔“
حضرت شیخین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ موعودہ کو شیخین کے منکروں نے بھی تسلیم کر لی۔

باقی بیعت کے معاملے میں شیعہ حضرات کی کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جوں ہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے برضا و رغبت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ ثُمَّ تَنَاوَلَ يَدَ اَبِي بَكْرٍ فَبَايَعَهُ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے برضا و رغبت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کر لی۔

[احتجاج طبری، ص ۵۲]

اس کے ساتھ ساتھ دنیا کے شیعیت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کو تسلیم کرتی ہے لیکن ساتھ یہ کہتی ہے کہ جبراً اور زبردستی بیعت لی گئی ہے۔ خلافت راشدہ

موعودہ کی بیعت کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ جب تنہائی میں چلے گئے تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ هل بايعته؟ قال نعم يا اسامه۔ [احتجاج طبری، ص ۵۶]

کیا آپ ﷺ نے بیعت کر لی ہے۔ اس ”ابوبکر رضی اللہ عنہ“ کی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا، ہاں اسامہ میں نے بیعت کر لی۔

نہج البلاغہ میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام پر جو مکتوب تحریر فرمایا، اس مکتوب میں خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خلافت و امامت اور مہاجرین و انصار کی آپس میں مشاورت تسلیم کر کے خلافت راشدہ موعودہ کی تصدیق و توثیق فرمائی۔

ومن كتاب له عليه السلام الى معاوية: إنه بايعني القوم الذين بايعوا ابابكر وعمر وعثمان على ما بايعوهم فلم يكن للشاهد أن يختار ولا للغائب أن يرد، وإنما الشورى للمهاجرين والانصار فإن اجتمعوا على رجل وسموه إماما كان ذلك لله رضى۔ فإن خرج من امرهم خارج بطعن أو بدعة ردوه إلى ما خرج منه، فإن أبى قاتلوه على أتباعه غير سبيل المؤمنين وولاه الله ماتولى۔ [مجمع البلاغة، ص ۶۴۳۔ ۶۴۴]

”معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے نام مکتوب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے جن لوگوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی، انہوں نے میرے ہاتھ پر اسی اصول کے مطابق بیعت کی جس اصول پر وہ ان کی بیعت کر چکے تھے اور اس کی بنا پر جو حاضر ہے اسے پھر نظر ثانی کا

حق نہیں، اور جو بروقت موجود نہ ہو، اسے رد کرنے کا اختیار نہیں، اور شوریٰ کا حق صرف مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہما کو ہے، وہ اگر کسی پر ایک کر لیں اور اسے خلیفہ سمجھ لیں تو اسی میں اللہ کی رضا و خوشنودی سمجھی جائے گی۔ اب جو کوئی اس کی شخصیت پر اعتراض یا نیا نظریہ اختیار کرتا ہوا الگ ہو جائے تو اسے وہ سب اسی طرف واپس لائیں گے، جدھر سے وہ منحرف ہوا ہے اور اگر انکار کرے تو اس سے لڑیں کیونکہ وہ مؤمنوں کے طریقے سے ہٹ کر دوسری راہ پر ہولیا ہے اور جدھر وہ پھر گیا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اسے اُدھر ہی پھیرے گا۔“

سوال

دین اسلام اور بالخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دشمنوں کو جواب دینا آسان ہوتا ہے لیکن جب اپنے گھر کے لوگ بگڑ جائیں اور یہ کہہ دیں کہ خلافت راشدہ ”حق چار یار رضی اللہ عنہم“ کا نعرہ لگانا بدعت ہے۔ ایسے افراد کا کیا علاج ہے؟

۱۳/۲۰۰۶ دسمبر بروز بدھ منڈی بہاؤ الدین بوساں سکھا، بھائی شاہ صاحب کے پاس گیا، بھائی شاہ صاحب نے بتلایا کہ ایک مؤحد نے تقریر فرمائی ہے کہ خلافت راشدہ حق چار یار کا نعرہ لگانے والے خود شیعہ ہیں بلکہ شیعہ سے بھی بڑے ہیں۔ ”العیاذ باللہ“ مقرر صاحب کا دعویٰ یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام کے تمام ہیں۔ جن لوگوں نے یہ تخصیص کی وہ شیعوں سے کم نہیں ہیں!

الجواب الصواب بعون اللہ الوہاب

محترم قارئین! علامہ خالد محمود صاحب اس وقت کے ایک عظیم سکاں ہیں دارالعلوم دیوبند کے خراج ہیں انہوں نے خلافت راشدہ کے عنوان پر کچھ تحریر فرمائی ہے لیکن مذکورہ سوال کا جواب ان شاء اللہ ذرا تفصیل سے دوں گا تاکہ دشمنانِ حق

کرام رضی اللہ عنہم پر بھی واضح ہو جائے کہ ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں مگر شائستگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے دلائل کو زیر قلم لاؤں گا۔

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

امام اہلسنت علامہ عبدالشکور لکھنوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام میں مہاجرین و انصار کا مرتبہ باقی صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ ہے اور مہاجرین رضی اللہ عنہم و انصار میں اہل حدیبیہ کا مرتبہ سب سے بڑھ کر ہے اور اہل حدیبیہ میں اہل بدر اور اہل بدر میں چاروں خلفاء کرام کا رتبہ سب سے زیادہ ہے اور چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مرتبہ سے فائق ہے۔ چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کا افضل امت ہونا خلافت کی وجہ سے نہیں ہے۔ اگر بالفرض بجائے ان کے دوسرے حضرات خلافت کے لیے منتخب ہو جاتے تو بھی یہ حضرات افضل امت مانے جاتے۔ [منقول از خلفائے راشدین]

ناظرین کرام! خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار مسلسل اور بلا فصل از نبوت جانشینوں کا تذکرہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد خلفائے راشدین و مہدیین کے طریقوں کو لازم پکڑنا۔ سو امت مسلمہ شروع سے ہی خلافت راشدہ کو تتمہ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتی آئی ہے۔ یہ راشدین و مہدیین کون ہیں؟ سلف کی اصطلاح میں حضرات شیخین ”سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر رضی اللہ عنہما“ اور حضرات ختمین ”حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما“ ہیں۔ ان سب کی خلافت ایک دوسرے سے بلا فصل مسلسل تھی۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چوبیس سال کے فصل سے قائم نہیں ہوئی پہلے

خلفاء رضی اللہ عنہم کے تسلسل سے بلا فصل قائم ہوئی اہل سنت کے ہاں چوبیس سال بلا فصل خلافت کا عقیدہ بالکل غلط ہے۔ ہمارے اہل سنت والجماعت کے بعض حضرات کہتے ہیں کہ سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا شمار بھی خلیفہ راشد ”پانچویں خلیفہ راشد“ میں داخل ہے وہ بھی خلفائے راشدین میں سے تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا چھ ماہ کا دور خلافت ان تیس سالوں میں داخل ہے۔ جسے خلافت نبوت کہا جاتا ہے یہ تیس سال خلافت علی منہاج النبوة میں داخل ہیں اور ہم بجا طور پر انہیں خلافت راشدہ میں تسلیم کرتے ہیں لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ چونکہ خلافت سے دستبردار ہو گئے تھے اور خلیفہ نہ رہے تھے اس لیے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم صرف چار ہی رہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔ العبرة بالخواتیم۔ کہ دین میں آخر کے حالات کا اعتبار ہوتا ہے۔

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اگر قیص خلافت اتار دیتے تو خلافت راشدہ کی اصطلاح حضرات شیخین تک محدود رہتی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دستبرداری ایک تاریخی سنگ میل ہے۔ جس نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے لیے ایک حد فاصل قائم کر دی ہے۔ خلیفہ راشد وہ ہے جس کی وفات خلافت پر ہوئی ہو یہ خلافت تامہ ہے۔ خلافت راشدہ خلافت کاملہ کی ایک صفت ہے جن علماء نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ان خلفاء رضی اللہ عنہم میں شمار کیا ہے سو وہ صرف اس لیے کہ ان کے دور خلافت راشدہ کے تیس سالوں میں داخل ہے۔ ورنہ انہیں اس سے انکار نہیں کہ

اصطلاحاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم پر پہلے چار بزرگ ہی ہیں۔ امام نووی رضی اللہ عنہ خلافت راشدہ کی تفصیل اس طرح لکھتے ہیں: فانہ لم یکن فی تلثین سنة إلا۔ الخلفاء الراشدون الأربعة والأشهر التي بویع فیہا الحسن بن علی۔

[شرح صحیح مسلم ج ۲، ص ۱۱۹]

ترجمہ: ”ان تیس سالوں میں صرف چار خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی مدت خلافت ہے“ اور وہ ”چھ مہینے“ جن میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی تھی اس میں داخل ہیں۔ دیکھیے اس میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کو تو خلافت راشدہ میں شمار کیا گیا ہے لیکن انہیں خلیفہ راشد کہہ کر پانچ خلفائے راشدین نہیں بتلائے گئے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم صرف ان چار کو ہی کہا ہے۔ جس طرح ہدایت کا تقابل ضلالت اور گمراہی سے ہے رشد کا تقابل غوایت ہے۔

﴿وان یروا سبیل الرشید لایتخذوه سبیلاً وان یروا سبیل الغی یتخذوه سبیلاً﴾ [الاعراف:.....]

ترجمہ: ”اگر وہ دیکھیں رستہ رشد کا تو وہ اسے راہ نہیں بناتے اور دیکھیں رستہ غوایت کا تو اسے ٹھہرا لیتے ہیں راہ۔“

خلفائے راشدین و مہدیین وہ بلند پایہ انسان تھے جنہیں خداوند کریم جانشینان رسالت کے طور پر کام کرنے کے لیے چنا تھا۔ سوان کے خلافتی فیصلے ہر بھول اور بھٹک سے محفوظ رہے یہ حضرات خود تو معصوم نہ تھے لیکن ان کا دور خلافت بلاشبہ اللہ کی حفاظت کے سائے میں گزرا تھا اور یہ بات بلاشبہ غلط ہے کہ اس دور میں جاہلیت

کی دبی چنگاریاں پھر سے چمک اٹھی تھیں، حضور ﷺ کے فیض رسالت سے جاہلیت کی آگ بجھی تھی دبی نہ تھی۔ چنگاری پھر سے تب سلگتی ہے جب پہلے سے پوری بجھی نہ ہو۔ اپنی ذات اور اپنے اعمال میں تو سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، راشدین ہیں: اولئک ہم الراشدون، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و اہل بیت رضی اللہ عنہم عظام تمام کے تمام راشدین ہیں۔ [الحجرات] لیکن حکومتی ذمہ داریوں کو رشد و ہدایت سے نبھانے اور ہر ایک کو اس کا حق دلانے میں جس حسن تدبیر اصابت رائے اور جرأت مندانہ عزم کی ضرورت ہو سکتی ہے ضروری نہیں کہ ملت کا ہر نیک فرد اس سے اسی طرح عہدہ برآ ہو جس طرح حضرات خلفائے راشدین عزائم امور میں ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوئے۔ میدان جہاد میں ہر جانباز مومن انتہائے اخلاص سے لڑتا ہے لیکن کمانڈ کرنے، کام کو ترتیب دینے اور فوجوں کو لڑانے کے لیے جس حسن تدبیر اصابت ظن اور جرأت مندانہ اقدام کی ضرورت ہوتی ہے کیا یہ ضروری ہے کہ ہر لڑنے والے جانباز میں یہ صفات اس طرح موجود ہوں جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ ابو عبیدہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت خالد بن ولید میں تھیں اور وہ ہر میدان میں اللہ کی تلوار بن کر چمکتے تھے۔ اگر ایک صحابی رضی اللہ عنہ ایک درجے میں ہوتا تو حضور ﷺ کو اتنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہوتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مانگ کر لینے کی کیا ضرورت تھی؟

خدا کی زمین پر خدا کی ایسی بادشاہت قائم کرنا جیسی اس کی بادشاہت آسمانوں پر ہے یہ ہمت اور سعادت جن بزرگوں کے نام لکھی تھی وہ خلفائے راشدین ہیں یہ نہ صرف راشدین ہیں بلکہ مہدیین بھی تھے اور حضور ﷺ نے خود خبر دی تھی کہ آپ ﷺ کے جانشین و مہدیین دونوں صفتوں والے ہوں گے۔ یہ نہیں ہوگا کہ

آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی امت آپ ﷺ کے رستے سے بھٹک جائے، رشد و ہدایت کا تسلسل سے قائم رہنا آپ نے اس کی خبر دی تھی اور تاریخ گواہ ہے کہ پھر ایسا ہی ہوا اور خلفائے راشدین رشد و ہدایت کے ماہتاب بن کر چمکے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

من يعش منكم بعدى فسیری اختلافاً كثيراً فعليکم بستی
وسنة الخلفاء الراشدين المہدیین۔ [سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۶۳۵]
ترجمہ: ”تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہا بہت سے اختلاف دیکھے گا۔ سو تم میرے طریقے اور خلفائے راشدین و مہدیین کے طریقوں کو لازم پکڑنا۔“

حافظ جلال الدین سیوطی مرقاة الصعود میں لکھتے ہیں:

هذا من الأخبار بالغیب من خلافة الائمة أربعة ابی بکرو
عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم۔

ترجمہ: ”یہ حدیث ائمہ اربعہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی ایک غیبی خبر تھی۔“

یعنی آپ نے اس میں بتلایا ہے کہ آپ کے بعد آپ کا نظام جاری رہے گا۔ آپ کے جانشین آپ کے مطابق چلیں گے وہ راشدین و مہدیین ہوں گے اور دنیا نے دیکھا کہ واقعی آپ کے بعد خلفائے راشدین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے مشن کے مطابق چلے اور چاروں ایک دوسرے سے مسلسل تھے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ان چار حضرات کا شیخیں

”حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور ختین“ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ و حضرت علی رضی اللہ عنہ کے الفاظ سے ذکر کرتے ہیں۔

من علامات السنة والجماعة تفصيل الشيخين و محبة الختین۔

[ماخوذ از مکتوبات امام ربانی جلد اول، ص ۳۳۰]

ترجمہ: ”اہل سنت والجماعت کی مسلکی علامت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کو جمع امت پر افضل جاننا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دل سے پسند کرنا ہے۔“

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی افضلیت قطعی درجے کی ہے اور یہ تمام صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہے اور تواتر سے منقول ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت یہ بھی برحق ہے لیکن یہ تواتر سے منقول نہیں ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام امت سے افضل ہیں۔

لیکن ان کی فضیلت بھی تواتر سے منقول نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ادوار میں مسلمانوں میں جو باہمی اختلافات چلے ان میں کدورتوں اور اختلافات کو برسر طاق رکھتے ہوئے ان کی محبت اور ان کی حضور خاتم النبیین سے دامادی کی نسبت اہل حق کے عقیدے کا مرکزی نقطہ ہے۔ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ ان دونوں حضرات کی محبت کو اسی طرح واجب قرار دیتے ہیں جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پوری امت پر افضلیت کے قائل ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی یہ تعبیر صرف چاروں کو آگے لارہی ہے۔

خلفائے راشدین میں اگر کوئی پانچواں نام بھی ہوتا تو اسے بھی اس ترتیب میں

افضلیت ملتی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ محدثین نے ان چار حضرات کو فضائل و مناقب میں اسی ترتیب سے ذکر کیا ہے اور کوئی سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو یہاں پانچویں نمبر میں ذکر نہیں کرتا ان کی فضیلت اور شان حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جس میں خلافت کا کوئی موضوع نہیں ہاں یہ صحیح ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں اور امت میں دوبارہ جوڑ پیدا کرنے میں آپ کا ایک نمایاں کردار ہے اور اس معنی کے اعتبار سے بھی آپ سید ہیں۔ پوری قوم کے سردار ہیں۔

محدثین کرام کی روش

دوسری صدی ہجری کی شہادت آپ کے سامنے آچکی ہے اگلے محدثین اس باب میں کس طرح چلے ہیں اس کے لیے تیسری صدی کے اکابر محدثین کو دیکھیے۔ یہ صحیح البخاری کا کتاب المناقب سامنے ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب کے ابواب مسلسل ہیں اور اسی ترتیب سے ہیں ان کے بعد مناقب جعفر بن ابی طالب کا باب ہے۔ اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مناقب ہیں۔ سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ پانچویں خلیفہ راشد ہوتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے مناقب کا باب ہوتا۔ صحیح مسلم کو لیجیے اس کی کتاب الفضائل میں چاروں خلفائے راشدین کے ابواب فضائل مسلسل ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد پھر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے فضائل کا باب ہے پھر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ کے فضائل ہیں پھر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کے فضائل ہیں اور ان کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل کا ذکر ہے۔ جامع ترمذی کے ابواب المناقب میں

خلفائے اربعہ کے مناقب اسی ترتیب سے ہیں، پھر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص کے مناقب کا بیان ہے۔ حضرات حسنین کریمین کے مناقب اور بھی آگے جا کر ہیں۔ یہ تیسری صدی ہجری کے محدثین کا تذکرہ کوئی محدث حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متصل سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا تذکرہ نہیں کرتا۔ اب کیسے باور کیا جائے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ پانچویں خلیفہ راشد ہیں۔ آئیے چوتھی صدی میں چلیں امام طحاوی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

ونبت الخلافة بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم أولاً لأبي بكر الصديق رضي الله تعالى عنه و تفضيلاً له وتقديماً له على جميع الأمة ثم لعمر بن الخطاب ثم لعثمان ثم لعلي بن أبي طالب وهم الخلفاء الراشدون والائمة المهديون۔

[شرح عقيدہ طحاوی]

ترجمہ: ”حضور ﷺ کے بعد پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت کرتے ہیں، بایں طور کہ آپ رضی اللہ عنہ تمام امت پر فضیلت اور تقدیم حاصل ہے اور پھر یہ خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے لیے ثابت کرتے ہیں پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے اور پھر حضرت علی بن ابی طالب کے لیے ثابت کرتے ہیں اور یہی خلفائے راشدین اور ائمہ مہدیین ہیں۔“

اب آپ ہی بتائیے یہاں ان چاروں کے بعد پانچواں نام کہاں ہے؟ خلفائے راشدین کیا یہی چاروں اصحاب نہیں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت کے دن تھے لیکن آپ کی خلافت سے علیحدگی آپ کو خلفائے راشدین کی فہرست میں نہ لاسکی اور امت نے صرف انہی چار کو اس

عنوان میں تسلیم کیا ہے۔ امام ابوالحسن الاشعری رضی اللہ عنہ (۳۲۴ھ) بھی لکھتے ہیں: ونتولى سائر أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ونكف عما شجر بينهم وندين الله بأن الائمة الأربعة خلفاء راشدون مهديون لا يوازيهم في الفضل غيرهم۔

[كتاب الابانة ص ۲۴، مطبوعه رياض]

ترجمہ: ”اور ہم سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتے ہیں اور ان میں جو اختلافات ہوئے ہیں ان سے اپنی زبان اور قلم کو روکتے ہیں اور ہم خدا تعالیٰ کے حضور اقرار کرتے ہیں کہ یہ چاروں ائمہ ہی خلفائے راشدین و مہدیین تھے کوئی ان کی فضیلت میں ان سے برابری نہیں کر سکتا۔“

اب پانچویں صدی میں چلیے امام غزالی (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:

ان الامام الحق بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم ابوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي رضي الله عنهم۔ [احياء العلوم]
ترجمہ: ”آنحضرت ﷺ کے بعد امام برحق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ اللہ تعالیٰ ان چاروں سے راضی ہوا۔“

فاما الخلفاء الراشدون فهم افضل من غيرهم وترتيبهم في الفضل عنداهل السنة كترتيبهم في الامامة وقد اجمعوا على تقديم أبي بكر ثم نص ابوبكر على عمر ثم اجمعوا بعده على عثمان ثم علي رضي الله عنهم وليس يظن منهم

الخیانة فی دین الله لغرض من الأغراض۔

[الاقتصاد فی الاعتقاد، ص ۱۴۰]

ترجمہ: ”پس خلفائے راشدین دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فضیلت میں برتر ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک خلافت کی ترتیبی رفعت و عظمت میں اور اہل سنت نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع کیا ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عثمان اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ راضی ہوا ان چاروں سے۔ اور کوئی فرد بشر ان چاروں کی ذوات مقدسہ پر گمان نہیں کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں انہوں نے کسی دنیاوی غرض سے کوئی خیانت کی ہو۔ صحابہ کرام دنیاوی اغراض حاصل کرنے سے کوسوں دور تھے۔“

سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اگر پانچواں خلیفہ راشد مانا جائے تو ان کی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بھی افضلیت ماننا پڑے گی۔

اب چھٹی صدی میں چلیے اب ہم آپ کو چھٹی صدی میں لے چلتے ہیں، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (۵۶۱ھ) لکھتے ہیں:

وأفضل هؤلاء العشرة الأبرار الخلفاء الراشدون الأربعة الأخيار
وأفضل الأربعة ابوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي رضي الله تعالى
عنهم ولهمؤلاء الأربعة الخلافة بعد النبي صلى الله عليه وسلم
ثلثون سنة۔

ترجمہ: ”ان دس نیک افراد میں سے سب سے اچھے اور افضل خلفائے

راشدین ہیں اور ان چار میں سب افضل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا اور ان چاروں نے تیس سال خلافت کی۔“

چھٹی صدی کی شہادت

قاضی عیاض مالکی (۵۴۴ھ) بھی آنحضرت ﷺ سے چار اصحاب کا لفظ نقل کرتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان چاروں بزرگوں کا ذکر بایں طور کہ یہ ایک ہیں اور مسلسل ہیں ان میں عام تھا یہ صحابہ میں افضل ترین امت تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔

ان الله اختار اصحابي على جميع العالمين سوى النبيين
والمرسلين واختار لي منهم أربعة ابوبكر وعمر وعثمان و
عليًا فجعلهم خير اصحابي وفي اصحابي كلهم خير۔

[الشفاء، ج ۲، ص ۱۱۹]

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کو جملہ جہانوں پر سوائے نبیوں اور رسولوں کے برگزیدہ کیا اور ان میں سے میرے لیے چار کو چن لیا یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اللہ نے ان کو میرے لیے بہترین ساتھی بنایا اور ویسے میرے سب صحابہ میں خیر ہے۔“

امام فخر الدین رازی (۴۰۴ھ) بھی آیت استخلاف کا مصداق صرف چار حضرات کو بیان کرتے ہیں۔ صحابہ میں سے جن حضرات کو حکومت کرنے کا موقع ملا ان میں صرف یہی چار تھے کہ اس آیت کے نزول کے وقت ایمان لائے ہوئے تھے۔ آپ تفسیر کبیر آیت استخلاف کی تشریح میں لکھتے ہیں:

دلت الآية على امامة الائمة الاربعة وذلك لانه تعالى وعد الله الذين امنوا منكم وعملوا الصالحات من الحاضرين في زمان محمد صلى الله عليه وسلم وهو المراد بقوله ليستخلفنهم في الارض۔

ترجمہ: ”یہ آیت چار خلفاء کی امامت ثابت کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ ان لوگوں سے کیا تھا حضور ﷺ کے سامنے اس وقت موجود تھے اور ایمان لائے ہوئے تھے اور انہوں نے نیک اعمال (ہجرت) کیے تھے۔ خدا تعالیٰ کا یہ کہنا کہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا اس سے مراد یہی لوگ ہیں۔“

ثبت بهذا صحة امامة الائمة الاربعة وبطل قول الرافضة۔ الطاعنين على أبي بكر وعمر و عثمان وعلي وبطلان قول الخوارج الطاعنين على عثمان وعلي۔

ترجمہ: ”اس آیت سے چاروں ائمہ کی امامت صحیح ثابت ہوتی ہے اور رافضی جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر زبان کھولتے ہیں۔ ان کی بات باطل ٹھہرتی ہے اور خارجی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر زبان کھولتے ہیں ان کی بات بھی باطل قرار پاتی ہے۔“

ساتویں صدی کی شہادت

امام نووی (۷۶۶ھ) اس دور کے جلیل القدر محدث ہیں۔ آپ نے حدیث کہ میرے بعد خلافت میں سال تک رہے گی کا اعتبار کیا ہے اور تیس سالہ خلافت سے

مراد خلافت علی منہاج النبوة ہے یہ واقعی تیس تک رہی۔ اس میں خلفائے راشدین کا لفظ صریح لفظوں میں ان حضرات کے لیے خاص کرتے ہیں اور تیس کی گنتی پوری کرنے کے لیے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اشہر خلافت ”چھ ماہ“ کو ان میں جمع کرتے ہیں مگر پانچ خلفائے راشدین نہیں بتلاتے:

فانه لم يكن في ثلثين سنة إلا الخلفاء الراشدون الاربعة والأشهر التي بويع فيها الحسن بن علي۔

اللہ نے آیت وعد الله الذي امنوا منكم وعملوا الصالحات۔ النور میں جن لوگوں کو خلافت پر لانے کا وعدہ کیا تھا، وہ اس نے پورا کیا انہیں اس دین میں تمکین دی جو اس نے ان کے لیے پسند کیا ان کے خوف کو امن میں بدلا۔ وہ اللہ کی عبادت میں لگے رہے انہوں نے شرک سے اپنے آپ کو بچائے رکھا۔ اتنی نعمتیں ان پر برسائیں۔ اب جو ان پر ان انعامات کا انکار کرے ان سے بڑا فاسق اور ظالم کون ہوگا۔ ساتویں صدی کے جلیل القدر امام ابوالبرکات (۷۶۰ھ) لکھتے ہیں:

اول من كفر هذا النعمة قتلة عثمان فاقتلوا بعدما كانوا اخواناً و زال عنهم الخوف والآية أوضح دليل على صحة السلفاء الراشدين رضي الله عنهم لأن المستخلفين الذين امنوا وعملوا الصالحات هم هم۔

[مدارك التنزيل ص ۵۲۰، طبع لبنان]

ترجمہ: ”سب سے پہلے اس نعمت کی جن لوگوں نے ناشکری کی وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھنے والے قاتلین ہیں انہوں نے مسلمانوں کے بھائی بھائی ہو جانے کے خانہ جنگی کی اور آیت استخلاف

خلفائے راشدین کی صحت خلافت کی بڑی واضح دلیل ہے کیونکہ خلافت پانے والے جو اس وقت ایمان لا چکے تھے اور نیک عمل تھے یہی لوگ تو تھے۔ کیا یہاں کسی پانچویں خلیفہ راشد کا ذکر ہے؟ کیا آیت استخلاف صرف ان چار حضرات کو ہی اس وعدے کا مصداق نہیں ٹھہراتی۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۱ھ) لکھتے ہیں:

هذه الآية تتضمن خلافة ابی بکر وعمر و عثمان و علی لأنهم اهل الايمان وعملوا الصالحات وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الخلافة بعدی ثلثون سنة وإلى هذا القول ذهب ابن العربي فی احكامه واختاره۔

[تفسیر قرطبی، ج ۲، ص ۲۹۷]

ترجمہ: ”کہ آیت استخلاف صرف ان چاروں حضرات کو ہی متضمن ہے یہی لوگ نزول آیت کے وقت ایمان لائے ہوئے تھے اور یہی اسلام کے لیے قربانیاں دے چکے تھے اور اس کی تائید حضور ﷺ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ خلافت علی منہاج العبوة تیس سال تک رہے گی۔“

آٹھویں صدی کی شہادت

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ دمشقی (۷۷۴ھ) ان حضرات کا تذکرہ کرتے ہوئے جن پر اللہ تعالیٰ نے وعدہ استخلاف پورا کیا لکھتے ہیں:

وقد وجد منهم اربعة على الولاء وهم ابو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي رضي الله عنهم ثم كانت بعدهم فترة ثم

وجد منهم من شاء الله۔ [تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۳۰۱]
ترجمہ: ”اور چار ان میں سے علی الاتصال خلافت پر پائے گئے اور وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر ان کے بعد یہ اتصال رک گیا پھر ان میں وہ لوگ بھی پائے گئے جو حکماً ان میں شامل نہیں۔“

حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آخر الخلفاء الراشدین لکھتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ان دنوں خلفائے راشدین میں شمار نہ کیا جاتا تھا۔ خلافت راشدہ انہی حضرات کے لیے موعود تھی جو آیت استخلاف کے نزول کے وقت مشرف باسلام ہو چکے تھے اور اعمال صالحہ ہجرت وغیرہ کر چکے تھے۔

وعلى آخر الخلفاء الراشدين الذين ولايتهم خلافة نبوة

ورحمة۔ [منہاج السنة ج ۴، ص ۱۲۱]

ترجمہ: ”اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آخری خلیفہ راشد تھے۔ جن کی سلطنت نبوت اور رحمت کی خلافت تھی۔“

خطیب تبریز (۷۴۳ھ) مؤلف مشکوٰۃ نے بھی دور اول کے محدثین کے طریقے پر چاروں خلفائے راشدین کے مناقب علی الترتیب ذکر کیے ہیں۔ پھر عشرہ ہشرہ کے مناقب لائے ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلفائے راشدین کے ساتھ نہیں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

نویں صدی کی شہادت

علامہ ابن ہمام (۸۶۱ھ) کی جلالت قدر اور شان اجتہاد سے کون واقف نہیں

اگر اس موضوع میں کچھ بھی اختلاف کی گنجائش ہوتی آپ سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ضرور پانچویں خلیفہ راشدین کے طور پر ذکر کر دیتے اور آپ کے تفردات میں ایک اور اضافہ ہو جاتا لیکن آپ نے سرمواس میں اختلاف کی گنجائش نہیں پائی۔ آپ نے فرمایا:

ان الخليفة الحق بعد محمد صلى الله عليه وسلم ابو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي والتفضيل على هذا الترتيب۔

ترجمہ: ”بے شک خلیفہ برحق جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ ہیں پھر عثمان رضی اللہ عنہ ہیں پھر علی رضی اللہ عنہ ہیں اور اسی ترتیب پر ان چاروں خلفائے کرام کی فضیلت و عظمت ہے۔“

اب آئیے آپ کو ذرا دسویں صدی میں لے چلیں امام سیوطی (۹۱۱ھ) کی عبارت مرقات الصعود کی آپ نے ملاحظہ فرمائی ہے:

گیارہویں صدی کی شہادت

حضرت امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی رحمہ اللہ (۱۰۳۵ھ) عقائد اہلسنت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ امام برحق و خلیفہ مطلق بعد از خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد از ان حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد از ان حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد از ان حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ است رضوان اللہ علیہ وافضلیت ایشان بہ ترتیب خلافت است افضلیت

حضرات شیخین باجماع صحابہ و تابعین ثابت شدہ است: [مکتوبات ج ۲، ص ۱۳۰]

ترجمہ: ”امام برحق اور جسے حضور ﷺ کا خلیفہ کہا جاسکے وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے بھی راضی ہوا۔ ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے بھی راضی ہوا۔ ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا آپ کے شامل حال ہو، ان حضرات کی افضلیت ان کی ترتیب کے مطابق ہے ہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی افضلیت قطعی ہے۔ جو امت پر صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہے یہ جو فرمایا کہ ائمہ برحق کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے۔ اسے آپ نے دوسرے مقام پر خلفائے راشدین کے عنوان سے ذکر کیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ عقائد اہل سنت میں خلفائے راشدین یہی ہیں۔“

حضرت امام ربانی لکھتے ہیں:

وترتيب درمیان خلفائے راشدین ترتیب خلافت است۔

[مکتوبات جلد اول، ص ۳۲۹]

ترجمہ: ”خلفائے راشدین کے مابین افضلیت خلافت کی ترتیب سے ہے۔“

سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو آپ نے اس ترتیب میں ذکر نہیں کیا، باوجودیکہ آپ کے ایام خلافت تیس سال میں شمار پاتے ہیں درواقع خلافت راشدہ کے دن

تھے مگر چونکہ یہ خلافت کاملہ نہ تھی، آپ ﷺ اس سے دستبردار ہو گئے تھے اس لیے خلفائے راشدین کی اصطلاح انہی چار تک محدود رہی اور جب اس کے ساتھ آیت اختلاف کو ملائیں تو یہ الہی فیصلہ اور کھل کر سامنے آتا ہے کہ خلفائے راشدین وہی ہیں جن پر اس آیت میں دیا گیا وعدہ پورا ہوا اور وہی سابقین اولین تھے جو ہجرت کر کے مدینہ آئے اور نزول آیت کے وقت اسلام لائے ہوئے تھے۔

محدث شہیر ملا علی قاری رحمہ اللہ (۱۰۱۴ھ) خلفائے اربعہ کا تعارف ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

فیل ہم الخلفاء الأربعة ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم لأنه علیہ الصلوٰۃ والسلام قال الخلافة بعدی ثلاثون سنة وقد انتھی۔ بخلافة علی کرم اللہ وجہہ۔

[مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۲، ص ۲۴۲]

ترجمہ: ”کہا گیا وہ خلفائے اربعہ ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا خلافت میرے بعد تیس سال تک رہے گی اور خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ختم ہوئی۔“

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) بھی لکھتے ہیں:

و مراد بخلفائے راشدین خلفائے اربعہ داشتہ اند

اب آپ ہی کہیں ان چار کے ساتھ کیا کسی پانچویں کا ذکر ہے؟ سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جلالت قدر سے کسی کو انکار نہیں لیکن آپ رضی اللہ عنہ خلافت سے دستبردار ہو گئے تھے۔

بارہویں صدی کی شہادت

مجدد مائتہ دوازدہم حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رقمطراز ہیں:
وابوبکر صدیق امام حق بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ عنہم ثم تم الخلافة۔ [تفہیمات الہیہ، ج ۱، ص ۱۴۸]

”آنحضرت ﷺ کے بعد امام برحق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور پھر خلافت راشدہ اپنے انتہا کو جا پہنچی۔“

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

وآنچه متصل وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واقع شد خلافت خلفائے اربعہ بود پس خلافت ایشان خلافت نبوت و رحمت باشد۔ [ازالۃ الخفاء، ج ۲، ص ۴۰۲]

ترجمہ: ”جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے متصل بعد عمل میں آئی وہ خلفائے اربعہ کی خلافت تھی۔ سوان چاروں کی خلافت، خلافت نبوت و رحمت شمار ہوتی ہے۔“

تیرہویں صدی کی شہادت

حضرت امام شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ (۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:
وبالجملة نزد اہلسنت از مقررات است کہ امامت حقہ بلاشبہ تاسی سال امتداد یافت وبصلح امام حسن کہ ہانزدہم ماہ جمادی الاولیٰ در ۴۱ھ چہل و یک بوقوع

آمد انقطاع پذیرفت و نزد ایشان ترتیب خلافت بروجہ حق و صواب است تقدیم ماحقہ التاخیر در آن رہ نیافتہ پس بعد از رحلت پیغمبر ابوبکر صدیق امام برحق بود۔ [تحفہ اثنا عشریہ، ص ۱۸۳]

ترجمہ: ”اہل سنت کے ہاں یہ طے شدہ عقائد میں سے ہے کہ امامت حقہ (خلافت راشدہ) بلاشبہ تیس سال تک ہی گئی اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح جو ۱۶ھ ۱۵ جمادی الاولیٰ کو ہوئی پر ختم ہو گئی۔ اہل سنت کے ترتیب خلافت حق و صواب پر واقع ہوئی ہے جس کی فضیلت بعد میں ہوا سے پہلے خلیفہ بنادیا جائے یہ بات ہرگز نہیں ہوئی پس حضور ﷺ کی وفات کے بعد امام برحق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہوئے ہیں۔“

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خلافت دستبردار ہونے کی ایک یہ وجہ بھی آپ نے لکھی ہے۔

حضرت امام دانستہ بود کہ زمان خلافت منقضی شدہ..... اگر من متصدی ریاست خواہم شد چوں مقدر نیست منتظم نخواہد شد..... از ریاست آن وقت کنارہ گرفت و تفویض امر بمعاونی نمود کہ لائق ریاست آن وقت بود۔

[تحفہ اثنا عشریہ، ص ۱۸۳]

ترجمہ: ”حضرت امام جانتے تھے کہ خلافت کی تیس سالہ مدت ہو چکی ہے..... اگر میں مزید خلافت کے درپے رہوں چونکہ تقدیر کا فیصلہ ہے سلطنت ایک نہ ہو سکے گی..... آپ نے اس وقت خلافت سے کنارہ کشی

کر لی اور سلطنت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی کیونکہ اس وقت قیادت کے لائق آپ ہی تھے۔“

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث کہ خلافت نبوت تیس سال تک رہے گی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو معلوم تھی اور وہ جانتے تھے کہ اب تیس سال پورے ہو گئے ہیں۔ وہ درپے خلافت نہ رہے۔ دستبردار ہو گئے اور اس مدت میں سال میں صرف چار حضرات ہی کامل خلیفہ ہوئے اور فضیلت بھی صرف انہی چار میں ترتیب وار دائرہ ہوئی اور امت نے بالاتفاق انہیں خلفائے راشدین کہا اور جو ان چار کو مانے اسے اہل سنت ٹھہرایا:

کسی نے نہ کہا کہ پانچویں درجے کی فضیلت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ہے اور یہ کہ خلفائے راشدین پنجتن ہیں۔ تیرہویں صدی کے آخر میں حضرت مولانا احمد سہارنپوری (۱۲۹۷ھ) اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۹۷ھ) اپنے اسلاف کی راہ پر چلے ہیں اور آیت استخلاف کا مصداق انہوں نے بھی چار خلفائے راشدین کو ہی قرار دیا ہے۔ سہارنپوری صاحب لکھتے ہیں:

وفی شرح السنة قال ابو منصور البغدادی اصحابنا مجمعون علی ان افضلهم الخلفاء الأربعة علی الترتیب المذكور ثم

تمام العشرة ثم اهل البدر۔ [حاشیہ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵۰۵]

ترجمہ: ”ابو منصور بغدادی کہتے ہیں ہمارے اصحاب کا اجماع ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب افضل علی الترتیب خلفائے اربعہ ہیں پھر عشرہ مبشرہ اور پھر اہل بدر۔ اللہ ان سے راضی ہوا۔ غور کیجیے خلفائے اربعہ کے بعد عشرہ مبشرہ کا درجہ ہے۔“

محدث سہارنپوری تیرہویں صدی کے اواخر میں ابو منصور بغدادی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس امت میں افضل ترین حضرات خلفائے اربعہ ہوئے ہیں۔ کوئی شخص پانچ خلفاء کا تذکرہ نہیں کرتا اور کوئی شخص اس کا مدعی نظر نہیں آتا کہ جو خلیفہ خلافت چھوڑ دے۔ تاریخ اسے خلفائے کالمین کی جگہ دے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اجوبہ اربعین، ص ۱۸۳ پر لکھتے ہیں:

اہل سنت گو سب کو خلیفہ کہیں پر خلیفہ برحق اور خلیفہ راشد چار کو سمجھتے ہیں۔ یہاں برحق سے مراد خلافت موعودہ ہے جس کا اس وقت کے مومنین کو وعدہ دیا گیا تھا۔ وہ انہی چار کو ملی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ملی تو تھی لیکن وہ ایک علاقائی امارت تھی اپنے عہد میں پوری اسلامی مملکت اسلامی کے لیے نہ تھی۔

تاہم آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کو پورا نہ کر سکے اور اس سے دستبردار ہو گئے۔ ان ایام کو خلافت راشدہ میں شمار کرنے کے باوجود خلفائے راشدین چار ہی ذکر کیے جاتے ہیں اور پانچواں نام ان سے علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

خلفائے راشدین تو ان کے نزدیک (اہل سنت کے نزدیک) پانچ ہیں چار یار اور ایک امام حسن رضی اللہ عنہ۔ دیکھیے یہاں چار کا لفظ ان کے لیے یکجا ذکر کیا ہے اور پانچویں خلیفہ بایں طور ان سے ملحق ہیں کہ ان کے ایام خلافت بھی راشدہ میں شمار ہیں۔

چودہویں صدی کی شہادت

(۱۳۲۹ھ) مولانا احمد رضا خان کے مدرسہ منظر الاسلام بریلی کا پہلا سالانہ جلسہ ۱۳۲۹ھ میں ہوا۔ مولانا کے معتمد خصوصی قاضی خلیل الدین نے جو حافظ تخلص کرتے تھے، مولانا کے سامنے خلفائے راشدین کے حضور یہ نذرانہ پیش کیا۔

ہیں ارکان اسلام اصحاب چاروں
کہ چاروں نے ترتیب سے کی خلافت
و صدیق و فاروق و عثمان و حیدر
جو پیر و ہو سب کا وہ ہے اہلسنت

[آئینہ پیغمبر ص ۱۸۹]

اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ خلفائے اربعہ کی پیروی کا اقرار اہل سنت کا ہمیشہ سے امتیازی نشان رہا ہے۔ مفتی اعظم اقلیم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمام مسلمانوں کے اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام بنائے گئے۔ اس لیے یہ خلیفہ اول ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دوسرے خلیفہ ہوئے۔ ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تیسرے خلیفہ ہوئے۔ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ ہوئے۔ ان چاروں کو خلفائے اربعہ اور خلفائے راشدین اور چار یار کہتے ہیں۔

[تعلیم الاسلام حصہ ۳ ص ۱۸]

چاروں حضرات حق کا نشان بنے

ابھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے کہ تشیع اور خوارج کے فتنے اٹھ کھڑے ہوئے تھے یہود نے ابتدا میں تشیع کو صرف سیاسی جماعت کی شکل دی تھی لیکن خوارج شروع ہی سے ایک مذہبی اختلاف لے کر اٹھے تھے ان دنوں اہل حق انہی چار حضرات کی عقیدت سے پہچانے جاتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن خباب (۳۷ھ) کو خارجیوں نے گھیر لیا اور پوچھا من انت

تو کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں صحابی رسول عبد اللہ بن خطاب ہوں انہوں نے پھر ان سے چاروں کے بارے میں پوچھا۔ حافظ ابن اثیر لکھتے ہیں:

فسئلوه عن أبي بكر وعمر وعثمان وعلي-

[اسد الغابۃ: ج ۳، ص ۱۵۰]

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن خطاب نے چاروں کے خیر ہونے کی شہادت دی۔ انہوں نے اس پر انہیں قتل کر دیا۔“

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں اہل حق کا نشان ان چاروں کی عقیدت تھی۔ اسلام کی یہ چودہ صدیوں کی شہادت آپ کے سامنے ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ خلافت راشدہ حق چار یار کا نعرہ لگانا بدعت ہے وہ خود غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں۔ جب سچ پر ان کا نعرہ یعنی مولا نافع لاں زندہ باد تو وہ بڑے خوش ہو جاتے ہیں۔

جواز نعرہ کی ابتدا کہاں سے؟

ایک موقع پر ابوسفیان جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے جنگ احد کے بعد اس نے پکار کر پوچھا محمد ﷺ ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے اشارہ فرمادیا، کوئی جواب نہ دے۔ پھر اسی طرح ابن ابی قحافہ ابوبکر صدیق ابن خطاب ”عمر فاروق رضی اللہ عنہ“ کو پکارا۔ اور جب جواب نہ ملا تو پکار کر کہا، سب مارے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا۔ بولے دشمن خدا غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو محفوظ رکھا ہے جو تجھے رسوا کریں گے۔

پھر ابوسفیان نے نعرہ لگایا۔ اعلیٰ ہبل، ہبل (بت کا نام) اونچا رہے (تیری جے ہو) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جواب دو۔ ”اللہ اعلیٰ و اجل“ خدا سب سے اونچا اور سب سے بڑا ہے۔

پھر ابوسفیان نے پکارا، لانا العزى ولا عزی لكم ہمیں عزی (بت کا نام) نصیب ہے تمہارے پاس عزی نہیں (تم عزی کی حمایت سے محروم ہو) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جواب دو۔ اللہ مولا نا ولا مولى لكم۔ اللہ ہمارا مددگار ہے تمہارا کوئی مددگار نہیں۔ جب خلفائے راشدین کے دشمن باطل نعرے لگاتے رہتے ہیں تو ہم بھی جوابی نعرے لگاتے رہتے ہیں اور اثبات خلافت راشدہ کا اظہار اپنے اجتماعات میں کرتے رہتے ہیں ایک دفعہ آپ بھی نعرہ لگائیں۔ خلافت راشدہ حق چار یار!

مسئله التبرء

اس آدمی کا حکم جو اللہ تعالیٰ، قرآن، رسول اور صحابہ کرامؓ کو گالی دیتا ہے
①..... جو اللہ تعالیٰ کو گالی دے:

جاننا چاہیے کہ یہ موضوع بھی اتنا اہم ہے جس کے بیان کرنے کے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں کیونکہ بعض لوگ ایسے بھی زمین کی پشت پر بستے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی، دشمنی، استہزاء، نقائص اور گالی تک بک جاتے ہیں۔ تو پھر ضروری ہے کہ ایسے کافر اور مرتد لوگوں کی بھی شریعت محمدیہ میں جو سزا مقرر ہے اس کی نشاندہی کی جائے۔ تو جس کے انسان پر اتنے انعامات اور عطیات ہیں کہ اگر انہیں کوئی شمار کرنے لگ جائے تو اس کا دماغ چکر جائے گا اور پھر اگر ان میں سے کسی ایک کا ہی حق ادا کرنے کے لیے اپنی پوری زندگی کا ایک ایک لمحہ اسی کے لیے وقف کر دے تو پھر بھی ادا نہیں کر سکے گا تو اسی وجہ سے ذیل میں ایسے کافر و ظالم کی شرعی سزائے متعلق جو جو اہل علم کے بیانات ہیں وہ ملاحظہ فرمائیں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کا بیان ہے:

لا خلاف ان سب اللہ من المسلمین کافر حلال الدم .

[الشفاء ص ۵۸۲]

ترجمہ: ”یہ اہل علم کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جو مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ کو گالی دے وہ کافر ہے اور اس کا خون بہانا حلال ہے۔“
شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بیان ہے:

فان كان مسلماً وجب قتله بالاجماع لأنه بذلك كافر مرتد
وأشوأ من الكافر . [الصارم المسلول ص ۵۳۶]

ترجمہ: ”اگر وہ مسلمان ہے تو اس کا بالاجماع قتل کرنا واجب ہے کیونکہ وہ کافر اور مرتد ہے بلکہ کافر سے بھی برا ہے۔“

تو ایسا شخص کافروں سے بھی بڑا ہے کیونکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرتے ہیں اگرچہ ان کا اعتماد باطل ہے مگر اللہ تعالیٰ کو وہ بھی گالی اور اس کے ساتھ استہزاء نہیں کرتے۔ تو یہ بھی جاننا کہ ایسے شخص کی توبہ کی قبولیت کے بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ ابن القاسم نے (مالک رحمہ اللہ) سے بیان کیا ہے:

من سب اللہ تعالیٰ من المسلمین قتل ولم يستتب إلا أن
یکون افتراء علی اللہ بارتدادہ إلى دین دان به أظہرہ
فیستتاب وإن لم یظہرہ لم یستتب . [الشفاء ص ۵۸۳]

ترجمہ: ”جس نے مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ کو گالی دی تو اسے باوجود توبہ کرنے کے بھی قتل کیا جائے مگر یہ کہ اپنے ارتداد کے ساتھ جس دین کو اس نے اپنا کر اللہ تعالیٰ پر افتراء کیا تھا اس کا وہ اظہار بھی کرے ورنہ اگر اظہار نہ کیا تو توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔“

ابو محمد بن ابی زید سے حکایت بیان کی گئی ہے کہ اس نے ایک ایسے آدمی کے متعلق فتویٰ دیا:

لعن رجلاً ولعن اللہ فقال انما أردت ان العن الشیطان فزل
لسانی فقال یقتل بظاہر کفرہ ولا یقبل عذرہ واما فیما بینہ
وبین اللہ تعالیٰ فمعذرة . [الشفاء ص ۵۸۴]

ترجمہ: ”جس نے کسی آدمی کو گالی دی تو اس نے جواب میں اللہ تعالیٰ پر لعنت کی پھر اس نے اقرار کیا کہ میرا ارادہ تو شیطان پر لعنت کرنے کا تھا مگر میری زبان پھسل گئی (تو ابوزید) نے فرمایا چونکہ اس کا کفر ظاہر ہے لہذا اس کی بنا پر اسے قتل کیا جائے گا اور کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔“

باقی یہ اپنے اور اپنے اللہ کے درمیان معذور ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بیان

ان کا بیان ہے کہ ایسے شخص کی توبہ کے قبول ہونے میں ہمارے اصحاب نے اختلاف کیا ہے کہ مرتد کی طرح اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے اور پھر اگر سلطان کے پاس پہنچ کر حد ثابت ہونے سے پہلے توبہ کا اظہار کیا تو اس کا قتل ساقط ہو سکتا ہے یا نہیں۔ (تو اس میں دو قول ہیں)

پہلا قول:

پہلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو گالی دینا رسول ﷺ کو گالی دینے کے مترادف ہے جس میں دو طرح کے بیان ہیں۔ پہلا یہ کہ جس میں امام احمد رحمہ اللہ اور متاخرین کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں کوئی ایسی بات کرے جو اس کی شان ربوبیت اور الوہیت کے خلاف ہے تو اسے قتل کر دیا جائے اگرچہ وہ کافر ہے یا مسلمان۔ چنانچہ اہل مدینہ کا بھی یہی ہی موقف ہے اور جن کا خیال ہے کہ ایسے آدمی کا قتل کرنا واجب ہے تو وہ توبہ کے ساتھ اس کے قتل کرنے کی حد گرا بھی دیتے ہیں لیکن اہل مدینہ کا مشہور قول یہ ہے کہ توبہ کے ساتھ بھی اس کا قتل ساقط نہیں ہوگا اکثر اہل علم کا یہ خیال ہے کہ بس جو اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں سے گالی دے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ مسلمان کو قتل کرنے کے بارے میں جو اہل

مدینہ کا قول لیا گیا ہے تو اسی طرح ذمی کے بارے میں بھی لیا گیا ہے کہ اگر ذمی اللہ تعالیٰ کو گالی دے تو اسے بھی قتل کر دیا جائے باقی جب اُن پر قدرت حاصل کر لی جائے تو پھر اگر وہ توبہ کا اظہار کرے تو یہ خلاف محل ہے۔

دوسرا بیان کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کو گالی کے علاوہ (اے بیٹے) تجھے کس نے پیدا کیا، کے الفاظ کہہ دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو ایک شخص (عبداللہ ثانی) کا بیان ہے کہ ایسے آدمی کے بارے میں میرے والد سے پوچھا گیا۔ تو انھوں نے فرمایا: ایسا آدمی مرتد ہے پھر میں نے پوچھا اس کو قتل کر دیا جائے تو انھوں نے فرمایا ہاں اُس کی گردن ماری جائے۔

[الصارم المسلول ص ۵۴۶]

دوسرا قول:

دوسرا یہ کہ وہ مرتد کی طرح ہے لہذا اگر وہ توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب کا بھی یہی موقف ہے اور اگر دیکھا جائے تو دلائل نقلیہ بھی اسی موقف پر دال ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے کہ نصاریٰ نے کہا: إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ”بیشک اللہ تینوں کا تیسرا ہے۔“ اور پھر حدیث قدسی میں بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

شَتْمَنِي ابْنُ آدَمَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ذَلِكَ فَاِمَّا شَتْمُهُ اِيَّايَ فَقَوْلُهُ اَنْ

لِي وَلِدَا وَاَنَا الْاَحَدُ الصَّمَدُ . [مشکوٰۃ شریف]

”مجھے ابن آدم گالی دیتا ہے حالانکہ یہ اس کے لیے لائق نہیں اور میری تکذیب بھی کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے لائق نہیں۔ تو اس کی گالی دینا تو اس طرح ہے کہ میرا لڑکا ثابت کرتا ہے حالانکہ میں ایک ہوں، بے

نیاز ہوں۔“ تو پھر بھی ان تمام کو اللہ تعالیٰ خود ہی فرما رہا ہے۔
أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لَهُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ

[المائدہ: ۷۴]

ترجمہ: ”کیا پس وہ اس کے بعد جو بھی اللہ تعالیٰ سے بخشش اور اس کی طرف توبہ نہیں کرتے اور اللہ تو بہت ہی بخشنے والا مہربان ہے۔“

اور حدیث سے بھی یہی چیز ثابت ہے کہ اگر آدمی کے گناہ زمین بھری ہوئی کہ مانند ہوں تو اگر وہ توبہ کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔ بشرطیکہ جب اُسے ہوش آجائے اور وہ اس فعل بد پر اس قدر نادم ہو کہ اس کی چیخیں نکل جائیں اور ابر رحمت کی طرح آنسو بھی ٹپکنے لگیں۔ تو پھر ایسے آنسو ضرور اللہ تعالیٰ کے غصے کو ٹھنڈا کر دیں گے۔ اور یہ بھی جاننا کہ بعض اہل علم نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے میں فرق بھی کیا ہے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔ بعض نے اس کی یہ وجہ لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو گالی دینا یہ ایک کفر کا ارتکاب کرنا ہے جس کا نقصان اُسی کہنے والے کی طرف ہی پلٹتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عزت و وقار اور اس کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آتا اور پھر اس کو تکلیف دینے کے مترادف ہے اور پھر حقوق العباد کے اعتبار سے بھی رسول ﷺ کا اُس سے بدلہ لینے کا حق بنتا ہے۔ جو صرف توبہ سے ساقط نہیں ہو سکتا اور اگر اُسے چھوڑ دیا گیا تو لوگوں کے دلوں میں نبی ﷺ کی حرمت میں فرق آجانے کا خدشہ ہے اور مزید دین میں فساد پیدا ہو جانے کا بھی الارم ہے۔ [الصائم المسلول ص ۵۴۸]

اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کرنے والے کا حکم

اسی طرح جس آدمی کا سینہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں تنگ ہو چکا ہے اور وہ

بیماری یا صحت میں واضح یا کنایہ بعض ایسے الفاظ کہہ جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے عدالت کے خلاف ہیں۔ تو ایسے شخص کے بارے میں بھی ایک اچھا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ اپنے الفاظ پر مصر رہا اور توبہ کی طرف نہ آیا تو پھر ایسے آدمی کو قتل کر دینا چاہیے ورنہ اگر توبہ کر لے تو پھر اُسے کچھ نہ کہا جائے جس طرح کہ ایک مرتبہ قرطبہ کے فقہاء کا (ہارون بن حبیب) کے متعلق جو عبد الملک فقیہ کا بھائی تھا اختلاف ہوا کہ اس کے متعلق کیا ہونا چاہیے؟ کیونکہ (ہارون) نے اپنی بیماری سے اٹھنے کے بعد یہ الفاظ کہے تھے۔

لَوْ قَتَلْتُ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ لَمْ اسْتَوْجِبْ هَذَا كَلَّهُ

”اگر میں ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیتا تو ان تمام تکلیفوں میں نہ پھنستا۔“

(ابراہیم بن حسین فقیہ) نے جب سنا تو اس کے قتل کا فتویٰ دیا کیونکہ یہ کلمہ بھی انہیں الفاظ کے مترادف ہے جن کلمات میں اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم اور زیادتی کی نسبت ہوتی ہے۔ مگر اُس کے بھائی (عبد الملک بن حبیب، ابراہیم بن حسین بن عاصم اور سعید بن سلیمان قاضی) نے فتویٰ دیا کہ اس جملے میں اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت واضح نہیں ہے اس لیے اس کے قتل کا فتویٰ مسترد کیا جائے۔ توبہ بعد میں (عبد الرحمن بن حکم) جو اس وقت امیر تھا تو اُس نے اسی (ہارون) کو جس کی زبان سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و عدالت کے خلاف اور بھی الفاظ سنے گئے تھے قتل کر کے تمام فقہاء کے سامنے سولی پر لٹکا دیا تھا۔

اسی طرح (ابن حبیب و اصغ خلیل) جو قرطبہ کے فقہاء سے تھا اُس نے ایک ایسے آدمی کے بارے میں قتل کا فتویٰ دیا، جس کا بکواس یہ تھا کہ وہ ایک دن باہر گیا تو

اُس کو بارش نے پکڑ لیا تو اس نے کہا (بَدَأَ الْخَزَارُ يُرْشُ جلودہ) بھیگے پن والی شروع ہو گئی جس نے اُس کے جسم کو تر کر دیا ہے۔

اُس آدمی کا حکم جو قرآن پر طعن کرتا ہے

اس دورِ حاضر میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں کہ باطل کے داعی اور قرآن پر طعن و تشنیع کی آوازیں کتے ہیں اور ایسی ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے کوئی دلیل تک نازل نہیں کی جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو سیدھے سادھے مسلمان ہیں ان کو قرآن سے بدظن کر کے کافر بنا دیں۔ تو ضروری تھا کہ ایسے لوگوں کو ضربِ کاری لگا کر ان کا دماغ بھی درست کر دیا جائے اور بتا دیا جائے کہ قرآن کی ایک ایک آیت من جانب اللہ اور محکم ہے آج تک کوئی ادیب اس کی صرف ایک آیت کی بھی نظیر پیش نہیں کر سکا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ [البقرة: ۲۳]

ترجمہ: ”پس اگر تم (قرآن پر طعن) کرنے میں سچے ہو تو اس جیسی کوئی ایک سورت تلاؤ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ تم (اپنے مددگار بھی بلا لو۔)“
دوسری آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الزَّالِكِ آيَةُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ۝ [یونس: ۲]

”یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔“ تیسری آیت:

الرَّكِتُ أَخْكَمْتُ إِلَهُهُ ثُمَّ فَصَّلْتُ مِنْ لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ

[ہود: ۱۱]

”یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں ثابت کی گئی ہیں اور حکمت اور خبر رکھنے

والے کی طرف سے کھول کر بیان کی گئی ہیں۔“ چوتھی آیت:

الْم . تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ . [لقمان: ۲]

”یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔“

توضیح:

یعنی آیتیں ایسی پختہ اور اٹل ہیں جن میں کوئی عیب اور نقص نہیں ہے اور نہ ہی یہ تورات اور انجیل کی طرح مجموعی اعتبار سے منسوخ ہیں۔ تعارض سے بھی بالاتر ہیں اور ان کا مفہوم بھی ایسا واضح اور نکھرا ہوا ہے کہ جن میں سے کسی ایک میں بھی ابہام اور پیچیدگی نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے کہ جتنی بھی آسمانی کتابیں ہیں وہ تمام اس چیز سے آدمی کو باور کرتی ہیں کہ انسان کی ابتدا کفر و شرک اور فرقہ بندیوں سے نہیں ہوئی بلکہ تمام لوگ ایک ہی دین تو حید پر تھے اور یہ کفر و شرک اور اختلافات جو پیدا ہوئے ہیں تو یہ صرف شیطان کے اکسانے اور اس کے بہکانے کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ آسمانی کتاب نے کسی ایسی چیز کی اجازت نہیں دی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَانزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ . [البقرة: ۲۱۳]

ترجمہ: ”لوگ ایک امت تھے (تو جب انہوں نے اختلاف کیا) تو اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو مبشر اور منذر کی حیثیت سے بھیج دیا اور ان کے ساتھ کتاب بھی حق کے ساتھ نازل کی تاکہ لوگوں نے جس میں اختلاف کیا ہے ان کے درمیان فیصلہ کر دیں۔“ سورہ یوسف میں ہے:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا

الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ . [یوسف: ۳]

ترجمہ: ”ہم آپ کے پاس یہ قرآن بھیج کر ایک بہترین انداز میں واقعہ سنارہے ہیں جو کہ اس سورت کے اترنے سے پہلے آپ اُس سے بے خبر تھے۔“

جاننا چاہیے کہ یہاں (القصص) یہ (قصّ یَقْصُصُ) کا مصدر ہے (قصہ کی حق نہیں جیسا کہ عوام نے سمجھا ہوا ہے تو اسی بنا پر اس کا معنی ہوگا کہ ہم آپ پر یہ واقعہ بہترین انداز میں بیان کر رہے ہیں۔ اور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس طرح کہ آپ ﷺ اپنے ہر خطبے میں پڑھا کرتے تھے:

فإن خير الحديث كتاب الله وخير الهدي هدي محمد صلى الله عليه وسلم.

یقیناً تمام کتابوں سے بہتر کتاب اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور تمام طریقوں سے بہتر محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ تو اب وہ شخص جو قرآن کو اپنا ہدف بناتا ہے اور آپ ﷺ کی حدیث پر بھی عیب لاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے (احسن القصص) اور (احسن الحدیث) کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ آپ ﷺ کی حدیث بھی کہ جس کو (فخر الحدیث) کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ تو ایسے ظالم کے بارے میں قاضی عیاض رحمہ اللہ کا بیان ہے:

قاضی عیاض رحمہ اللہ کا بیان

جس نے قرآن کو ہلکا سمجھا یا اس میں صرف ایک آیت کی کمی یا زیادتی کی یا کسی حکم کا انکار کیا یا کسی خبر کا انکار کیا یا کوئی ایسی چیز ثابت کی جس کی قرآن نے نفی کیا یا کسی ایک ہی آیت کا انکار کر دیا تو تمام اہل علم کے نزدیک وہ کافر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ

کا ارشاد ہے:

إنه لكتاب عزيز لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من حكيم حميد . [حم سجده: ۴۲]

ترجمہ: ”یقیناً وہ کتاب عزت والی ہے جس کے نہ آگے سے جھوٹ آ سکتا ہے اور نہ ہی پیچھے سے آ سکتا ہے کیونکہ یہ تعریف کیے گئے اور عزت والے کی طرف سے اتاری گئی ہے۔“

چنانچہ اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: الْمَرَاءُ فِي الْقُرْآنِ كُفْرٌ . [ابوداؤد واحمد]

ترجمہ: ”قرآن میں شک کرنا کفر ہے۔“

اور ”المراء“ کا معنی جھگڑا کرنا بھی ہے۔ تو ایسے شخص کے بارے میں آپ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے:

مَنْ جَحَدَ آيَةً مِنْ كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَقَدْ حَلَّ ضَرْبُ عُنُقِهِ . [الشفاء ج ۲ ص ۶۴۷]

ترجمہ: ”جس نے مسلمانوں میں سے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی کسی ایک آیت کا انکار کیا تو اس کی گردن مار دینا جائز ہے۔“

مزید قاضی عیاض رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اسی طرح اگر کسی آدمی نے تورات اور انجیل کا انکار کیا یا ان دونوں کو ہلکا سمجھا ان کو گالی دی اور یا ان پر لعنت کی تو وہ بھی کافر ہے۔

[الشفاء ج ۲ ص ۶۴۷]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: (من كفر بحرف فقد كفر به كله) جس نے ایک حرف کا بھی انکار کر دیا تو گویا اُس نے ساری کتاب کا انکار کر دیا۔

اور یہ بھی یاد رکھنا کہ قرآن مجید جو دنیا کے تمام اطراف میں پڑھا جاتا ہے وہ (الحمد لله رب العالمین) سے لے کر (قل اعوذ برب الناس) تک ہے۔ لہذا اس میں اگر کسی آدمی نے جان بوجھ کر کسی آیت کو بدل دیا یا کسی حرف کو بدل دیا، کوئی حرف زیادہ کر دیا یا کم کر دیا تو وہ تمام اہل علم کے نزدیک کافر ہے۔

اسی بنا پر امام مالک رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ ہے کہ جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دی وہ قتل کیا جائے کیونکہ اُس نے قرآن کی مخالفت کی ہے قرآن تو ان کی تعریف اور بریت بیان کر رہا ہے اور یہ ظالم ان کی مذمت کر رہا ہے تو گویا کہ ایسے ظالم نے قرآن کی تکذیب کر دی ہے۔ [الشفاء ج ۲ ص ۶۳۷]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

من كفر بآية من القرآن فقد كفر به كله .

[رواه عبد الرزاق انظر الشفاء ج ۲ ص ۶۳۹]

ترجمہ: ”جس آدمی نے قرآن کی ایک آیت کا انکار کر دیا تو گویا اس نے پورے قرآن کا انکار کر دیا۔“
اصح بن فرج کا بیان ہے:

من كذب ببعض القرآن فقد كذب به كله ومن كذب به فقد كفر به ومن كفر به فقد كفر بالله . [الشفاء ج ۲ ص ۶۳۹]

ترجمہ: ”جس نے بعض قرآن کی تکذیب کی گویا کہ اس نے سارے کی تکذیب کی اور جس نے تکذیب کی تو گویا اس نے اس کا انکار کر دیا اور جس نے انکار کر دیا تو گویا کہ اُس نے اللہ تعالیٰ کا انکار کر دیا۔“

نبی کریم ﷺ کو گالی اور ان کی توہین کر دینے کی سزا

جناب محمد رسول اللہ ﷺ ایسے امام الانبیاء ہیں کہ جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو اندھیرے سے نکال کر نور کی طرف لایا ہے اور انہی کے ذریعے ایسی سعادتوں سے نوازا ہے جو کہ کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آ سکتیں تو ہمارے واجبات تو یہ ہیں کہ ہم ایسے نبی ﷺ کی توقیر اور عزت کو دلوں کی گہرائیوں میں جگہ دیں اور آپ ﷺ کی تعلیمات عالیہ کو عام کریں تو اس کے برعکس وہ جو آپ ﷺ پر آوازیں کستا ہے اور پھر آپ ﷺ کی تعلیمات عالیہ کو ختم کرنے کے درپے ہوتا ہے تو پھر ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم ایسے بد بخت کی خبر لیں اور اس کو ہمیشہ کی نیند سلا دیں کیونکہ ظاہر ہے کہ بذات خود اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتر کر یہ کام نہیں کرنا بلکہ یہ ہمارا فرض ہے اور وہ ہمیں دیکھتا ہے کہ ہم کہاں تک اس کا حق ادا کرتے ہیں اور کہاں تک سوئے ہوئے ہیں۔ ورنہ اس کی پاؤں تو اس قدر ہے کہ اگر وہ چاہے تو ایک ہی لمحہ میں ایسے لاکھوں جہان بدل کر رکھ دے جیسا کہ اللہ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلْيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾

[الحديد: ۲۵]

ترجمہ: ”اور تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ کون ہے جو اس کی اور اس کے رسول کی بغیر دیکھے مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تو بہت زور آور اور غالب ہے۔“
تو وہ شخص جو نبی ﷺ کو گالی دیتا ہے اور نبی کریم ﷺ پر عیب لگاتا ہے تو اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اسے قتل کر دینا چاہیے کیونکہ اس نے نبی کریم ﷺ کو

اذیت دی ہے اور ایسی اذیت دے دی ہے کہ جس سے آدمی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا﴾ [الاحزاب: ۵۷]

ترجمہ: ”یقیناً جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دیتے ہیں تو ان پر اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں لعنت کی اور ان کے لیے عذاب بھی ذلیل کرنے والا تیار کیا ہے۔“

﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [توبہ: ۶۱]

ترجمہ: ”اور وہ لوگ جو اللہ کے رسول ﷺ کو اذیت دیتے ہیں تو ان کے لیے (تکلیف دینے والا عذاب ہے)۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا
لِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [البقرة: ۱۰۳]

ترجمہ: ”اے مومنو! (راعنا، نہ کہو بلکہ) انظرنا، کہو اور سنو (اور یاد رکھو) کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے تکلیف دینے والا عذاب تیار کیا ہے۔“

مختصر توضیح

اس آیت کریمہ میں اللہ نے مسلمانوں کو سمجھایا ہے کہ تم (راعنا) مت کہو جس کا معنی ہے کہ آپ ہماری طرف متوجہ ہوں ہماری رعایت کریں، لیکن یہودیوں نے اس کلمہ کو بطور گالی کے استعمال کرنا شروع کر دیا اور وہ اسے زبان سے دبا کر (راعینا) کہنے لگے یعنی اے ہمارے چرواہے اور پھر اس (راعنا) کا معنی عبرانی زبان میں احمق کا بھی ہے تو اس انتباہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو (انظرنا)

پڑھنے کی تعلیم دی تاکہ یہودیوں نے آپ ﷺ کی توہین کرنے کا جو معمولی سا سوراخ نکالا ہے تو وہ بھی ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے تو معلوم ہوا کہ خود اللہ تعالیٰ بھی آپ ﷺ کی عزت و توقیر کا کتنا خیال رکھتا ہے اور جو ظالم ایسا راستہ ڈھونڈتا ہے تو اس کا بھی کتنی جلدی سے سدباب کر دیتا ہے تو وہ لوگ جو ہر وقت اسی گھات میں رہتے اور انگلیں لگاتے ہیں تو ان کے متعلق بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُتِلَ الْخَوَاصُّونَ﴾ [الذاریات: ۱۰]

ترجمہ: ”انگل لگانے والے تباہ کر دیئے گئے۔“

﴿قَتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ [منافقون: ۳]

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے، کہاں بہکے جا رہے ہیں۔“

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ
بَيْنَهُمْ﴾ [نساء: ۶۵]

ترجمہ: ”اے نبی ﷺ! پس تیرے رب کی قسم ہے کہ وہ اس وقت تک مومن نہیں ہیں جب تک کہ وہ اپنے جھگڑوں میں آپ ﷺ کو حاکم نہ مانیں۔“

مختصر توضیح

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے فیصلے کے خلاف اگر ذرہ برابر بھی کسی شخص کے دل میں تنگی پائی گئی تو وہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا کیونکہ آپ ﷺ کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے جو ہر طرح کی تنقید اور نظر ثانی سے بالاتر ہے تو آپ ﷺ کا فیصلہ ماننا تو درکنار بلکہ کسی کو یہ بھی اجازت نہیں کہ وہ اپنی آواز کو آپ ﷺ کی آواز سے اونچا کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا

تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿٢﴾ [الحجرات: ٢]

ترجمہ: ”اے مومنو! تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے اونچا مت کرو اور نہ ہی تم اس کے ساتھ پکار کر بات کرو جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کر لیا کرتے ہو (ورنہ ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال غارت ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔“

غور و فکر کرنے کا مقام ہے کہ جو چیز آدمی کے اعمال کو برباد کرتی ہے وہ شرک، بدعت اور کفر ہے تو جو شخص جان بوجھ کر اپنی آواز کو نبی ﷺ کی آواز سے اونچا کرتا ہے تو ایسا شخص بھی کفر کو پہنچ جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من سب نبيا فاقتلوه ومن سب اصحابي فاضربوه۔ [رواه الطبرانی]

”اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نبی ﷺ کو گالی دی اس کو قتل کر دو اور جس نے میرے صحابی رضی اللہ عنہ کو گالی دی اس کو مارو۔“

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے (کعب بن اشرف) کو قتل کرنے کا حکم دیا اور یہ اس کو یہودیت اور شرک کرنے کی بنا پر قتل نہیں کیا گیا بلکہ یہ آپ ﷺ کو گالی کی صورت میں ایذا دیتا تھا، اسی طرح (ابو رافع) یہودی کو بھی آپ ﷺ نے اسی وجہ سے قتل کرنے کا حکم دیا جیسا کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔

كان يؤذي رسول الله صلى الله عليه وسلم ويعين عليه۔

[الشفاء، ج ٢، ص ١٨٨]

ترجمہ: ”وہ اللہ کے رسول ﷺ کو تکلیف دیتا تھا اور آپ ﷺ کے خلاف غیروں کو بھڑکاتا تھا تو اسی طرح آپ ﷺ نے کفار سے بھی ان لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا جو آپ ﷺ کو گالی اور تکلیف دیا کرتے تھے جیسا کہ (نضر بن حارث) عقبہ بن ابی معیط کو قتل کر دیا گیا تو انہی میں سے ایک جماعت کو فتح مکہ سے پہلے اور بعد میں بھی آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کو بھی قتل کر دیا جائے تو ان میں وہی بچا تھا، جس پر قدرت پانے سے پہلے ہی وہ اسلام کی طرف پلٹ آیا تھا ورنہ دوسروں کو قتل کر دیا گیا تھا۔ اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

أن أعمى كانت له أم ولد على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم تكثر الوقعة في رسول الله صلى الله عليه وسلم تشتمه فقتلها الأعمى فذكر ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فقال النبي صلى الله عليه وسلم اشهد أن دمها هدر۔

[الشفاء، ج ٢، ص ١٨٨]

ترجمہ: ”آپ ﷺ کے زمانہ میں ایک نابینا آدمی تھا اس کی ام ولد تھی جو آپ ﷺ کے بارے میں کثرت سے واقعہ ہوتی اور آپ ﷺ کو گالی دیتی تھی (ایک دن ایسا ہوا) کہ اس نابینے نے اس کو قتل کر دیا اور پھر آپ ﷺ کو اطلاع دی تو آپ ﷺ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کا خون رائیگاں ہے۔“

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ان يهودية كانت تشتم النبي صلى الله عليه وسلم وتقع فيه

فخففها حتى ماتت فابطل رسول الله صلى الله عليه وسلم دمها۔ [ابوداؤد، بیہقی، الخصائص الكبرى ج ۲، ص ۲۵۵]

ترجمہ: ”ایک یہودی عورت آپ ﷺ کے بارے میں واقعہ ہوتی اور آپ ﷺ کو گالی دیا کرتی تھی تو ایک آدمی نے اُس کا گلہ گھونٹ کر اس کو مار دیا تو آپ ﷺ نے اس کا خون باطل قرار دیا۔“

اسی طرح مزید ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

هجت امرأة من خطمة (اسم قبيلة) النبي فقال من لي بها فقال رجل من قومها انا يا رسول الله فنهض فقتلها فاخبر النبي عليه السلام فقال لا ينتطح فيها عزرا۔

[الشفاء، ج ۲، ص ۱۹۰]

ترجمہ: ”ایک عورت خطمہ قبیلہ سے آپ ﷺ کی جو بیان کیا کرتی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کون ہے جو میری طرف سے اس کو قتل کرے تو ایک آدمی بولا میں تو وہ اسی وقت اٹھا اور اس کو قتل کر دیا پھر آپ ﷺ کو آ کر اطلاع دی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس میں دو بکریاں نہیں بھڑیں گی (یعنی اس کا قتل مساوی نہیں بلکہ رائیگاں ہے)۔“

حضرت مجاہد سے مروی ہے:

اتى عمر برجل يسب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقتله ثم قال عمر من سب الله او سب احدا من الانبياء فاقتلوه۔

[الصارم المسلول، ص ۱۹۰]

ترجمہ: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی لایا گیا جو اللہ کے رسول

اللہ ﷺ کو گالی دیتا تھا تو آپ ﷺ نے اس کو قتل کر دیا اور پھر یہ بھی کہا کہ جو اللہ تعالیٰ یا نبیوں سے کسی نبی ﷺ کو گالی دے تو اسے قتل کر دو۔“

شیعوں کی گالیاں اور توہین، نبی اکرم ﷺ کے بارے میں کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ اس لیے نبی اکرم ﷺ سے بلند تر ہیں کہ آپ عالم بشر سے بلند تر ایک ہستی ہیں۔ اللہ کی پناہ! اور عملاً ان لوگوں کا یہی عقیدہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أنا وجه الله، وأنا جنب الله، وأنا الأول، وأنا الآخر، وأنا الظاهر، وأنا الباطن، وأنا وارث الأرض، وأنا سبيل الله، وبه عذمت عليه۔ [رجال الكشي ص ۱۸۴]

ترجمہ: ”میں خدا کا چہرہ ہوں، میں خدا کا پہلو ہوں، میں ہی اول ہوں، میں ہی آخر ہوں، میں ہی ظاہر ہوں، میں ہی باطن ہوں، میں ہی زمین کا وارث ہوں، میں خدا کا وہ راستہ ہوں، جس کے ذریعہ اس تک پہنچا جاتا ہے۔“

اس کے علاوہ عیاشی اور حویزی نے اپنی اپنی تفسیروں میں ایک روایت نقل کی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کا مقام نبی اکرم ﷺ سے بلند تر ہے، دونوں مفسر اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

حافظوا على الصلوات والصلوة الوسطى وقوموا لله قانتين۔ ترجمہ: ”نمازوں کی حفاظت کرو اور خصوصاً درمیان والی نماز کی اور اللہ کے سامنے عاجزی سے کھڑے رہو۔“

مذکورہ بالا نمازوں سے مراد کون ہیں؟

رسول اللہ و امیر المؤمنین و فاطمہ و الحسن و الحسين،
و الوسطی امیر المؤمنین۔

[تفسیر العیاشی، ج ۱، ص ۱۲۸، نور الثقلین ج ۱، ص ۲۳۸]

ترجمہ: ”رسول اللہ ﷺ، امیر المؤمنین، فاطمہ اور حسن و حسین ہیں، وسطیٰ
سے مراد امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔“

کیا اس سے بھی زیادہ سرور کائنات اور رسول جن و بشر ﷺ کی توہین کی
جاسکتی ہے؟ ہاں اس سے بھی زیادہ مکروہ اور گھناؤنی وہ روایت ہے جو حویزی نے
صدوق سے نقل کی ہے۔

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لعلي: لو لم أبلغ ما
أمرت به من ولايتك لحبط عملي۔

[تفسیر نور الثقلین، ج ۱، ص ۱۶۵]

ترجمہ: ”رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا، اگر میں تیری ولایت کے
بارے میں وہ چیز نہ پہنچاؤں، جس کا مجھے حکم دیا گیا تو میرے اعمال برباد
کر دیئے جائیں گے۔“

وعن البرسی ورفعنالك ذكرك بعلي صهرك، قرأها النبي
صلى الله عليه وسلم، وأثبتها ابن مسعود و انتقصها عثمان۔

[البرهان في تفسير القرآن، ج ۴، ص ۴۷۵]

ترجمہ: ”برسی بیان کرتا ہے کہ ”یہ آیت یوں تھی“، یعنی ہم نے آپ ﷺ
کا ذکر آپ کے داماد علی کی وجہ سے بلند کر دیا، نبی ﷺ اسے یوں ہی
پڑھا کرتے تھے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح ثابت ہے“

عثمان رضی اللہ عنہ نے اس میں کمی کر دی ہے۔“

نبی اکرم ﷺ کے مقام و مرتبہ کو نیچے دکھاتے ہوئے یوں روایت کرتے ہیں:
عن ابن مسعود خرجت إلى رسول الله صلى الله عليه وآله
وسلم، فوجدته راكعاً وساجداً وهو يقول: اللهم بحرمة
عبدك على اغفر للعاصين من أمتي۔ وقالوا: ان النبي خلق
من نوره السموات والأرض وهو أفضل من السموات
والأرض، ولكن على خلق من نوره العرش والكرسي وعلى
أجل من العرش والكرسي۔

[البرهان في تفسير القرآن، ج ۴، ص ۲۲۶]

”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی
طرف گیا، میں نے آپ ﷺ کو رکوع کرتے اور سجدہ کرتے ہوئے
پایا، آپ ﷺ کہہ رہے تھے: اے اللہ! اپنے بندہ علی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے
میری امت کے گناہگاروں کو بخش دے۔“

اسی پر بس نہیں کہ نبی ﷺ کے نور سے زمین و آسمان پیدا کیے گئے۔ اسی لیے
آپ ﷺ زمین و آسمان سے افضل ہیں، علی رضی اللہ عنہ کے نور سے عرش و کرسی پیدا کیے
گئے، اس لیے علی رضی اللہ عنہ عرش و کرسی سے بھی زیادہ محترم ہیں۔“

عن النبي صلى الله عليه وسلم: لما عرج به إلى السماء رأى
عليها وأولاده قد وصلوا إليها من قبل فسلم عليهم وقد
فارقهم في الأرض۔ وأيضاً عن الصدوق في أماليه، أن
رسول الله قال: لما عرج بي إلى السماء دنوت من ربي حتى

کان بینی وینہ قاب قاسین أو أدنی، قال: یا محمد! من
تجبه من الخلق؟ قلت: یارب! علیا قال: التفت با محمد!
فالتفت عن یساری فاذا علی بن ابی طالب علیه السلام۔

[تفسیر البرهان ج ۲، ص ۴۰۴]

ترجمہ: ”حضور ﷺ کی طرف اس روایت کو منسوب کر کے کہنے لگے۔
”جب آپ ﷺ معراج کی رات آسمانوں پر گئے تو علی رضی اللہ عنہ اور آپ
کی اولاد کو دیکھا تو وہ پہلے سے ہی وہاں پہنچ چکے ہیں، آپ ﷺ نے
انہیں سلام کیا حالانکہ آپ ﷺ انہیں زمین پر چھوڑ کر گئے تھے۔“

ایک اور روایت سنئے، یہ روایت صدوق نے ”امالی“ میں نقل کی ہے، کہتا ہے کہ
رسول اللہ ﷺ نے کہا: جب ”معراج کی رات“ مجھے آسمانوں کی طرف لے جایا گیا
تو میں اپنے رب کے قریب ہوا، حتیٰ کہ میرے اور خدا کے درمیان دو کمانوں یا اس
سے بھی کم فاصلہ رہ گیا، خدا نے فرمایا: اے محمد ﷺ! تو مخلوق میں کس سے محبت کرتا
ہے؟ میں نے کہا: اے رب! علی رضی اللہ عنہ سے، خدا نے فرمایا: ادھر دیکھ اے محمد ﷺ! میں
نے اپنی بائیں طرف دیکھا تو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے۔“
اس سے بھی بڑھ کر ایک اور روایت سنئے، کہتے ہیں کہ حضور ﷺ سے
پوچھا گیا:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: خاطبتنی بلغة علی بن
ابی طالب حتی قلت: أنت خاطبتنی أم علی؟

[کشف الغمہ، ج ۱، ص ۱۰۶]

ترجمہ: ”معراج کی رات آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ سے کس کی

زبان میں باتیں کیں؟ آپ ﷺ نے کہا: مجھ سے میرے رب نے علی
بن ابی طالب کی زبان میں خطاب کیا۔ حتیٰ کہ میں کہنے لگا: یا اللہ! تو مجھ
سے مخاطب ہے یا علی؟“

مئی نے بھی اپنی تفسیر میں رسول اللہ ﷺ کی توہین میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہ
ایک من گھڑت قصہ بنا کر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر رہا ہے۔

ان رسول اللہ ”کان بمکة، لم یحسر علیہ أحد لموضع ابی
طالب، واغروا به الصبیان، وکان إذا خرج رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم یرمونه بالحجارة والتراب، فشکی ذالک
إلی علی علیہ السلام۔ فقال: بأبی انت وأمی یا رسول اللہ!
إذا خرجت فأخرجنی معک، فخرج رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ ومعہ امیر المؤمنین علیہ السلام، فکان یقضہم فی
وجوہہم وأنا فہم وأذانہم۔

[تفسیر القمی ج ۲، ص ۱۱۴]

ترجمہ: ”آپ ﷺ مکہ میں تھے، ابو طالب کی وجہ سے کوئی
آپ ﷺ کو کچھ کہنے کی جسارت نہیں کرتا تھا۔ بچے آپ ﷺ کو تنگ
کیا کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ جب نکلتے تو یہ آپ ﷺ پر مٹی اور سنگ
پھینکا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے شکایت کی۔ علی نے کہا،
یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! جب
آپ ﷺ نکلیں تو میں آپ ﷺ کے ساتھ جاؤں گا، چنانچہ رسول
اللہ ﷺ نکلے اور امیر المؤمنین بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ بچوں نے

اپنی عادت کے مطابق رسول اللہ سے چھیڑ خانی شروع کی۔ امیر المؤمنین نے بچوں پر حملہ کر دیا۔ آپ ﷺ نے ان کے چہروں، ناک اور کانوں پر کاٹنا شروع کر دیا۔
اور تفسیر نور الثقلین والے نے کہا:
انه هو الذي وقى رسول الله يوم الغار۔

[تفسیر نور الثقلین ج ۲، ص ۲۱۹]

ترجمہ: ”آپ ﷺ ہی نے رسول اللہ ﷺ کو ہجرت کے دن بچایا تھا۔“
دیکھیے کتنی بری تعبیر اختیار کی ان لوگوں نے، کس طرح اس نبی ﷺ کی، اس عظیم بہادر، نڈر، شہسوار اور سپہ سالار کے سردار کی توہین کر رہے ہیں؟ درحقیقت علی ہی سب کچھ ہیں، محمد ﷺ کو صرف اس لیے رسول بنایا تھا کہ آپ لوگوں کو علی کی طرف بلائیں، ورنہ علی کے مقابلے میں بذات خود آپ ﷺ کچھ بھی نہیں۔ یا اللہ اس کو اس توہین پر ہمیں معاف فرما۔

عن جعفر أنه قال: عرج بالنبی علیہ السلام إلى السماء مائة وعشرين مرة مامن مرة إلا وقد أوحى الله فيها إلى النبی صلی الله علیه وسلم بالولاية لعلی أكثر ما أوصاه فی سائر الفروض۔ ”مقدمة البرهان“ ص ۲۲۔ وأيضاً ”ان جبریل أتى النبی صلی الله علیه وآله وقال: يا محمد! ربك يقرئك السلام ويقول: فرضت الصلوة ووضعها عن المريض، وفرضت الصوم ووضعته عن المريض والمسافر، وفرضت الحج ووضعته عن المقل المدقع وفرضت، الزكوة ووضعها

عمن لا يملك النصاب، وجعلت حب علي بن ابي طالب عليه السلام ليس فيه رخصة۔ ”مقدمة البرهان“، ۲۲۔
و كذبوا على الله عز وجل أنه قال: عن علي بن ابي طالب حجتی على خلقی، ونوری فی بلادی، وأمينی على علمی، لا أدخل النار من عرفه وإن عصاني، ولا أدخل الجنة من أنكره ولو أطاعني۔ [البرهان، مقدمه ص ۲۲]

ترجمہ: ”جعفر کی یہ روایت ابن بابویہ قمی اور دوسرے واسطوں سے بھی یہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک سو بیس مرتبہ آسمانوں پر تشریف لے گئے، ہر مرتبہ اللہ نے نبی ﷺ کی طرف علی کی ولایت کی وحی کی، اتنی مرتبہ علی کی ولایت کی وحی کی کہ اور کسی فرض کی تاکید نہیں کی گئی۔ ایک روایت اور سنئے: جبریل نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے، اے محمد! تیرا رب تجھے سلام کہہ رہا ہے اور کہتا ہے، نماز فرض کی گئی اور مریض کو رخصت دے دی گئی۔ روزہ فرض کیا گیا اور مریض و مسافر کو رخصت دے دی گئی، حج فرض کیا گیا اور کمزور اور تنگدست کو معاف کر دیا گیا، زکوٰۃ فرض کی گئی اور اس آدمی سے معاف کر دی گئی جو نصاب کا مالک نہ ہو، لیکن علی بن ابی طالب ﷺ کی محبت میں کوئی رخصت اور چھوٹ نہیں۔“

اللہ تعالیٰ کی طرف اس جھوٹ کو منسوب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ علی بن ابی طالب میری مخلوق پر میری حجت ہے، میرے شہروں میں میرا نور ہے، میرے علم کا امین ہے، جس نے اسے پہچانا، اگرچہ میری نافرمانی کی، میں اسے دوزخ میں نہیں

ڈالوں گا۔ جس نے اس کا انکار کیا، خواہ میری اطاعت کی، میں اسے جنت میں نہیں داخل کروں گا۔“

انبیائے کرام کی توہین

قارئین کرام! ان لوگوں نے اس قسم کی بکواسات اور نازیبا باتیں صرف رسول اللہ ﷺ ہی کی شان میں نہیں کیں بلکہ اللہ کے تمام رسولوں اور نبیوں کے بارے میں یہ لوگ اس قسم کی، بلکہ اس سے بھی زیادہ گستاخانہ اور اہانت آمیز باتیں کرتے ہیں۔ کس قدر جرات ہے کہ حضرت موسیٰ اور خضر علیہ السلام کی توہین و تحقیف کرتے ہوئے بھی نہیں ڈرتے، کہتے ہیں کہ جعفر کا علم موسیٰ علیہ السلام اور خضر سے بھی زیادہ تھا۔ کلینی سیف تمار سے نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

کنا مع ابی عبد اللہ علیہ السلام جماعة من الشيعة في الحجرة فقال: علينا عين؟ فالتفتنا يمنة ويسرة، فلم نر أحداً، فقلنا: ليس علينا عين، فقال: ورب الكعبة! ورب الكعبة! ثلاث مرات. لو كنت بين موسى والخضر لأخبرتتهما أنني أعلم منهما، ولأنبئتهما بما ليس في أيديهما۔

[اصول کافی، کتاب الحجۃ، ج ۱، ص ۲۶۱]

ترجمہ: ”ہم شیعہ کی ایک جماعت کے ساتھ ایک کمرے میں ابو عبد اللہ علیہ السلام کے پاس موجود تھے، آپ نے کہا: ہم پر کوئی جاسوس ہے؟ ہم نے دائیں بائیں دیکھا، ہمیں کوئی نظر نہیں آیا، ہم نے کہا، ہم پر کوئی جاسوس نہیں، آپ نے کہا، رب کعبہ کی قسم، رب کعبہ کی قسم! تین دفعہ آپ نے یوں ہی کہا: اگر میں موسیٰ اور خضر کے پاس موجود ہوتا تو انہیں

بتا دیتا کہ میں ان دونوں سے زیادہ علم رکھتا ہوں، میں انہیں کچھ بتا دیتا جو ان کی دسترس سے باہر ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور اولوالعزم رسولوں کی توہین کرتے ہوئے ان لوگوں نے ایک عجیب و غریب قصہ گھڑ لیا ہے، کہتے ہیں:

ان علیا لما ولد، ذهب رسول الله صلى الله عليه وسلم إليه ولكنه رآه مائلا بين يديه، واضعاً يده اليمنى في أذنه اليمنى وهو يؤذن ويقيم بالحنيفية، ويشهد بوحداية الله وبرسالته وهو مولود ذلك اليوم، ثم قال الرسول الله: أقرأ؟ فقال له: إقرأ۔ لقد ابتدا بالصحف التي أنزلها الله عز وجل على آدم، فقام بها شيث فتلاها من أول حرف فيها إلى آخر حرف فيها، حتى لو حضر بها شيث لأقرله إنه أحفظ له منه، ثم قرأ توراة موسى، حتى لو حضره موسى لأقربانه أحفظ لها منه، ثم قرأ زبور داود، حتى لو حضره داود لأقربانه أحفظ لها منه، ثم قرأ انجيل عيسى، حتى لو حضره عيسى لأقربانه أحفظ لها منه، ثم قرأ القرآن، فوجدته يحفظ كحفظي له

الساعة من غير أن أسمع منه آية۔ [روضة الواعظین، ص ۸۴]
ترجمہ: ”جب علی رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو رسول اللہ ﷺ آپ کے پاس آ گئے، دیکھا کہ علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہیں، دایاں ہاتھ دائیں کان پر رکھا ہوا ہے اور اذان دے رہے ہیں، پوری یکسوئی سے کھڑے ہیں، اللہ کی وحدانیت اور آپ ﷺ کی رسالت کا اقرار

کر رہے ہیں، حالاں کہ آپ ﷺ اسی دن پیدا ہوئے تھے، پھر رسول اللہ ﷺ سے پوچھنے لگے، میں پڑھوں؟ آپ ﷺ نے کہا، پڑھ۔ اس کے بعد پورا قصہ سنئے اور سر دھنیے، ”آپ ﷺ ان صحائف سے پڑھنا شروع کیا جو خدائے بزرگ و برتر نے آدم پر نازل کیے تھے، اس کے بعد شیث پر نازل ہونے والے صحائف شروع سے لے کر آخر تک حرف بحرف پڑھ دیئے، اگر شیث بھی موجود ہوتے تو اقرار کر لیتے کہ آپ ﷺ کو یہ صحائف زیادہ یاد ہیں، پھر موسیٰ کی تورات پڑھی، اگر موسیٰ بھی موجود ہوتے تو تسلیم کر لیتے کہ آپ ﷺ کو تورات زیادہ یاد ہے، پھر داؤد کی زبور پڑھی، اگر داؤد خود بھی موجود ہوتے تو تسلیم کر لیتے کہ آپ ﷺ کو زیادہ یاد ہے، پھر عیسیٰ کی انجیل پڑھی، اگر عیسیٰ بھی موجود ہوتے تو تسلیم کر لیتے کہ آپ ﷺ کو انجیل زیادہ یاد ہے۔ پھر قرآن پڑھا، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کو بھی قرآن اتنا ہی یاد ہے جتنا اس وقت تک مجھے یاد تھا، باوجودیکہ آپ ﷺ نے مجھ سے قرآن کی ایک آیت بھی نہیں سنی تھی۔“

کبرت کلمۃ تخرج من افواہهم ان یقولون لا کذباً۔
”یہ بات جو ان کے منہ سے نکلی ہے بہت بڑی ہے۔ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔“

کہتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک پکارنے والا پکارے گا:

أین خلیفۃ اللہ فی أرضہ؟ فیقوم داؤد النبی علیہ الصلوۃ والسلام، فیأتی النداء من عند اللہ عزوجل: لسنّا إلیک أردنا،

وإن كنت لله خلیفۃ، ثم ینادی (مناد) أین خلیفۃ اللہ فی أرضہ؟ فیقوم امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ الصلوۃ والسلام، فیأتی النداء من قبل اللہ عزوجل: یامعشر الخلائق! هذا علی بن ابی طالب خلیفۃ اللہ فی أرضہ، وحجتہ علی عبادہ۔ [کشف الغمۃ، ج ۱، ص ۱۴۱]

ترجمہ: ”کہاں ہے وہ جو زمین پر خدا کا خلیفہ تھا؟ داؤد نبی ﷺ اٹھیں گے، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئے گی، اگرچہ آپ بھی خلیفہ ہیں، لیکن اس سے آپ مراد نہیں، پھر پکارنے والا پکارے گا، کہاں ہے وہ جو زمین پر خدا کا خلیفہ تھا؟ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب ﷺ اٹھیں گے، خدائے بزرگ و برتر سے ندا آئے گی، اے لوگو! یہ ہیں علی بن ابی طالب جو زمین پر خدا کے خلیفہ اور اس کے بندوں پر خدا کی حجت تھے۔“
حویزی نے اپنی تفسیر میں ایک روایت نقل کی ہے کہ عبداللہ بن عمر، امام زین العابدین کے پاس آئے اور پوچھا:

دخل عبداللہ بن عمر علی زین العابدین، فقال، یا ابن الحسین! أنت الذی تقول: إن یونس بن متی إنما لقی من الحوت مالقی، لأنه عرضت علیہ ولایۃ جدی، فتوقف عندها؟ قال: بلی! شکلتک أمک قال: فأرنی آیۃ ذلك إن كنت من الصادقین؟ فإذا لشد عینیہ بعصاۃ وعینی بعصاۃ، ثم أمر بعد ساعة بفتح أعیننا، فذا نحن علی شاطئ البحر نضرب أمواجہ، فقال ابن عمر: یاسیدی! دمی فی رقتک،

اللہ اللہ فی نفسی، فقال ہنیئة وأریہ إن كنت من الصادقین؟ ثم قال: فاطلع الحوت رأسہ من البحر مثل جبل العظیم وهو یقول: لیک لیک یا ولی اللہ! فقال: من أنت؟ قال: حوت یونس یا سیدی! قال: ایتنا بالخبر؟ قال: یا سیدی! إن اللہ تعالیٰ لم یبعث نبیاً من آدم إلی أن صار جدک محمد إلا وقد عرض علیہ ولایتکم أهل البیت، فمن قبلها من الانبیاء سلم وتخلص، ومن توقف عنها وتعتتها فی حملها لقی مالمقی آدم من المصیبة، ومالمقی نوح من الغرق ومالمقی ابراهیم من النار، ومالمقی یوسف من جب ومالمقی ایوب من البلاء، ومالمقی داؤد من الخطیئة إلی أن بعث اللہ یونس فأوحی اللہ إلیہ أن یا یونس! تول امیر المؤمنین۔

[تفسیر نور الثقلین، ج ۳، ص ۴۳۵]

ترجمہ: ”اے ابن الحسین! کیا آپ نے کہا ہے کہ یونس بن متی کو مچھلی کے پیٹ میں اس لیے ڈال دیا گیا تھا کہ آپ پر میرے دادا کی ولایت پیش کی گئی تھی تو آپ نے اسے قبول کرنے میں توقف کیا تھا؟ آپ نے کہا: ہاں، تیری ماں تجھے روئے، اس نے کہا، اگر آپ سچے ہیں تو مجھے کوئی نشانی دکھائیے۔ آپ نے اپنی اور میری آنکھوں پر پٹی باندھنے کا حکم دیا، تھوڑی دیر کے بعد ہمیں آنکھیں کھولنے کا حکم دیا، اچانک ہم نے دیکھا کہ ہم ٹھٹھیں مارتے سمندر کے کنارے کھڑے ہیں، ابن عمر نے کہا، میرے آقا! میرا خون آپ کی گردن پر، میرے بارے میں خدا

سے ڈریئے، آپ نے کہا، آرام و سکون کے ساتھ، اگر تو سچا ہے تو؟ پھر کہا: اے مچھلی! کہتا ہے کہ: سمندر سے ایک مچھلی کا سر نمودار ہوا، گویا ایک بہت بڑا پہاڑ ہے، وہ کہہ رہی تھی، اے اللہ کے ولی میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، آپ نے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میرے آقا! اللہ تعالیٰ نے آدم سے لے کر تیرے دادا محمد تک کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس پر تم اہل بیت کی ولایت نہ پیش کی گئی ہو۔ ان انبیاء میں سے جس نے ولایت کو تسلیم کر لیا وہ محفوظ رہا اور چھٹکارا پا گیا۔ جس نے توقف کیا، اسے تسلیم کرنے میں پس و پیش کی، اسے امتحان میں ڈال دیا گیا۔ اسی وجہ سے آدم کو مصیبت میں مبتلا کیا گیا، اسی وجہ سے نوح کو طوفان میں مبتلا کیا گیا، اسی وجہ سے ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا، اسی وجہ سے یوسف کو کنویں میں پھینکا گیا، اسی وجہ سے ایوب کو امتحان میں ڈالا گیا، اسی وجہ سے داؤد سے غلطی سرزد ہوئی، تا آنکہ خدا نے یونس کو مبعوث کیا اور اس کی طرف وحی کی کہ اے یونس! امیر المؤمنین کی ولایت تسلیم کر لے۔“

نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والے اور توہین کرنے والے کا شرعی حکم قاضی عیاض رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور مجھے توفیق دے کہ آپ اس چیز کو غور سے سمجھیں کہ جو آپ ﷺ کو گالی دیتا ہے یا آپ ﷺ پر عیب لگاتا ہے یا آپ ﷺ کے نسب اور نفس پر کوئی نقص ظاہر کرتا ہے یا آپ ﷺ کے دین پر یا آپ ﷺ کی عادت پر یا بطریق گالی آپ ﷺ کی کسی کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے یا اس کو سامنے لاتا ہے یا آپ ﷺ کے مرتبہ میں کمی کرتا ہے اور یا آپ ﷺ پر غیض و غضب کا اظہار کرتا ہے تو یہ تمام چیزیں، فہو سباب لہ والحکم فیہ حکم

السبب يقتل كما سنبينه إن شاء الله۔ آپ ﷺ کو گالی دینے کا مترادف ہیں، تو ایسی باتیں کہنے والے آدمی کا بھی وہی حکم ہے جو گالی دینے والے کا حکم ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ اس کو واضح کر دیں گے۔ پھر آگے فرماتے ہیں: کہ اسی طرح وہ آدمی بھی جو آپ ﷺ پر لعنت کرتا ہے یا آپ ﷺ پر بدعا کرتا ہے یا آپ ﷺ کا نقصان کرنے کی تمنا کرتا ہے یا بطریق مذمت کے آپ ﷺ کے منصب کی طرف کسی ایسی چیز کی نسبت کرتا ہے جو وہ آپ کے منصب کے شایان شان نہیں یا پیار کی جہت سے آپ ﷺ کے ساتھ کھیلتا اور فحش قسم کی آپ ﷺ کے متعلق بات کرتا ہے یا آپ ﷺ پر مصائب اور جو بڑے بڑے اونچے آزمائشی دور آئے ان میں جو عوارض بشریہ کی بنا پر آپ ﷺ کی طرف نسبت کرتا ہے تو یہ تمام چیزیں آپ ﷺ کو گالی دینے کے مترادف ہیں جس پر تمام اہل علم کا آپ ﷺ کے زمانہ سے لے کر آج تک اتفاق ہے اور پھر آگے ان کا بھی کہ جن کو اللہ تعالیٰ اس زمین کا وارث بنائے گا۔“ [الصفاء، ج ۲، ص ۲۷۳-۲۷۴]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بیان

كل من شتم النبي صلى الله عليه وسلم أو تنقصه مسلماً كان أو كافراً فعليه القتل وأرى أن يقتل ولا يستتاب۔

[الصارم المسلول، ص ۵۲۵]

ترجمہ: ”جو نبی ﷺ کو گالی دے یا آپ ﷺ کا قدر گھٹائے تو خواہ وہ مسلمان ہے یا کافر تو اس کو قتل کرنا ہے اور میری بھی یہی رائے ہے کہ باوجود توبہ کرنے کے بھی اسے قتل کر دیا جائے۔“

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بیان

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کسی آدمی نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے متعلق کوئی ایسی بات کہی کہ جس میں گالی کی تصریح نہیں تعریض ہے تو وہ بھی تصریح کی مانند ہے اور ہمارے اصحاب تو اس میں بھی اختلاف نہیں کرتے کہ جس نے آپ ﷺ کی والدہ پر تہمت لگائی تو یہ بھی آپ ﷺ کو گالی دینے کے مترادف ہے بلکہ گالی سے بھی زیادہ قبیح ہے کیونکہ ایسے شخص نے آپ ﷺ کے نسب پر عیب لایا تو جمہور کا بھی یہی موقف ہے کہ ایسے شخص کو بھی قتل کر دیا جائے۔

[الصارم المسلول، ص ۵۲۵]

امام مالک رحمہ اللہ کا بیان

ابن القاسم نے مالک رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے:

من سب النبي صلى الله عليه وسلم قتل ولم يستتب۔
ترجمہ: ”جس نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی تو اسے باوجود توبہ کرنے کے بھی قتل کر دیا جائے۔“

ابن القاسم رحمہ اللہ کا بیان

شتمه أو عابه أو تنقصه فانه يقتل كالذنديق وقد فرض الله

توقيره۔ [الصارم المسلول، ص ۵۲۵]

ترجمہ: ”جس نے آپ ﷺ کو گالی دی یا آپ ﷺ پر عیب لگایا یا آپ ﷺ کا قدر گھٹایا تو وہ زندیق کی طرح ہے اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ آپ ﷺ کی عزت کرنا اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دی ہے۔“

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بیان

فیمن تنقصہ وبریء بہ أو کذبہ فانہ مرتد۔

ترجمہ: ”جس نے آپ ﷺ کا قدر گھٹایا یا ایسی بات کہی جس سے آپ ﷺ بری ہیں اور یا آپ ﷺ کی تکذیب کی تو وہ مرتد ہے۔“

امام شافعی رحمہ اللہ کا بیان

کل من تعرض لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بما فیہ استہانۃ فهو کالسب الصریح فان الاستہانۃ بالنبی کفر وھل یتحتم قتله أو یسقط بالتوبۃ۔

ترجمہ: ”ہر وہ آدمی جو اللہ کے رسول ﷺ کے متعلق ایسی بات کرتا ہے جس میں قباحت ہے تو وہ صریح گالی کی مانند ہے کیونکہ ایسی قبیح بات آپ ﷺ کے متعلق کرنی کفر ہے اور پھر کیا ایسے آدمی کو قتل کرنا لازمی ہے یا توبہ سے گرجاتا ہے تو اس بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔“

ابوبکر رحمہ اللہ بن منذر کا بیان

أجمع عوام أهل العلم علی أن من سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقتل۔

ترجمہ: ”اہل علم کی کثیر جماعت اس پر جمع ہے کہ جس نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی اس کو قتل کر دیا جائے۔“

پھر آگے فرماتے ہیں کہ مالک بن انس رحمہ اللہ، لیث رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ، اسحاق

بن راہویہ، خراسان کے عالم ۲۳۸ھ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے کہ ایسے آدمی کو باوجود توبہ کرنے کے بھی قتل کر دیا جائے، تو ابوبکر صدیق رحمہ اللہ کا قول بھی اسی چیز کا تقاضا کرتا ہے۔

محمد بن سحون کا بیان

أجمع العلماء أن شاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المتنقص لہ کافر والوعید جار علیہ بعذاب اللہ لہ وحکمہ عند الأمة القتل ومن شک فی کفرہ وعذابہ کفر۔ [الشفاء، ج ۲، ص ۴۸۴]

ترجمہ: ”اس پر علماء کا اجماع ہے کہ جو نبی کریم ﷺ کو گالی دیتا ہے یا آپ ﷺ کا قدر گھٹاتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید جاری ہے اور امت مسلمہ کے نزدیک اس کا قتل کرنا اور جس نے اس کے کفر اور عذاب میں شک کیا تو یہ بھی کفر ہے۔“

عبداللہ بن حکیم کا بیان

من سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم من مسلم أو کافر قتل ولم یستب۔

ترجمہ: ”جس نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی خواہ وہ مسلمانوں سے ہے یا کافروں سے تو اسے باوجود توبہ کے بھی قتل کیا جائے۔“

اس آدمی کا حکم جو انبیاء سے کسی نبی یا فرشتے کو گالی دے

آپ حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو تمام انبیاء اور فرشتوں کا بھی بغیر کسی استثنیٰ کے حکم دیا ہے کہ ان تمام کی توقیر کی جائے چنانچہ اگر کسی نے کسی

نبی یا فرشتے کی تکذیب کی یا گالی دی تو وہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے آپ ﷺ کو گالی دی یا آپ ﷺ کی تکذیب کی ہے کیونکہ قرآنی نصوص بھی اسی پر دلالت ہیں کہ اس باب میں تمام انبیاء اور فرشتوں کا آپس میں کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾ [النساء: ۱۵۰]

ترجمہ: ”یقیناً جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور ارادہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے درمیان فرق کریں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم بعض پر تو ایمان لائیں گے اور بعض کے ساتھ کفر کریں گے اور یہ بھی ارادہ رکھتے ہیں کہ ان دونوں میں بچ کی راہ اختیار کریں گے تو یہ ہی پکے کافر ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔“

دوسری آیت خداوند تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ﴾ [البقرة: ۱۳۶]

ترجمہ: ”تم کہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس پر بھی جو ہمارے طرف اور جو ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کی طرف اتارا گیا ہے اور اس پر بھی کہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام

اور تمام انبیاء اپنے رب کی طرف سے دیئے گئے ہیں اور ان میں سے ہم کسی کے درمیان فرق بھی نہیں کرتے۔“

تیسری آیت کریمہ میں فرمایا ہے:

﴿كُلُّ أَمْنٍ بِاللَّهِ وَمَلَنَّاكَ وَكُتِبَ لَهُ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ﴾ [البقرة: ۲۸۵]

ترجمہ: ”ہر ایک اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا (تو اس بارے میں) ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق بھی نہیں کرتے۔“

مختصر توضیح

ان تینوں آیات کا پس منظر بالکل واضح ہے کہ کسی آدمی میں یہ حرکت نہیں ہونی چاہیے کہ وہ کسی نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا نبی ماننے کسی کو نہ ماننے اور کسی کو عزت کرے اور کسی کی نہ کرے اور اسی طرح کسی فرشتے کو ماننے کسی کو نہ ماننے تو یہ مجمل ایمان لانا ہے کیونکہ اب آپ ﷺ ہی آخری نبی ﷺ ہیں جس کے بعد کوئی نبی نہیں اور کتاب بھی آخری ہے جس کے بعد کوئی کتاب نہیں تو جس نے اب قرآن کے ایک حکم کو جھٹلایا تو اس نے گویا کہ پورے قرآن کو جھٹلادیا ہے۔

اہل علم کے بیانات

اس بارے میں (ابن القاسم، ابن الماجشون، ابن الکریم، واصبغ، اور (سحنون) کا بیان ہے:

من شتم الأنبياء أو أحد منهم أو تنقصه قتل ولم يستب ومن سبهم أهل الذمة قتل إلا أن يسلم۔ [الشفاء، ج ۲، ص ۶۴۲]

ترجمہ: ”جس نے انبیاء اُن میں سے کسی ایک کو گالی دی یا اس کا قدر گھٹایا تو اسے باوجود توبہ کرنے کے بھی قتل کیا جائے اور اگر اہل ذمہ سے ان کو کسی نے گالی دی تو اسے بھی قتل کیا جائے۔ اِلا یہ کہ وہ مسلمان ہو جائے۔ (سحون) نے (ابن القاسم) سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اگر کسی یہودی یا عیسائی نے نبیوں کو گالی دی تو اس کی بھی گردن مار دی جائے اِلا یہ کہ وہ مسلمان ہو جائے۔ قطبہ کے قاضی سعید رحمہ اللہ بن سلیمان کا فتویٰ ہے۔“

من سب الله وملائكته قتل۔

جس نے اللہ تعالیٰ یا فرشتوں کو گالی دی تو اسے قتل کر دیا جائے۔ قاضی سحون رحمہ اللہ کا بھی بیان ہے۔

من شتم ملكاً من الملائكة فعليه القتل۔

[الصارم المسلول ص ۵۶۰]

ترجمہ: ”جس نے کسی فرشتے کو گالی دی تو اس کو قتل کرنا ہے۔“

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بیان

والحكم في سائر الأنبياء كالحكم في سب نبينا۔

ہمارے نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کی سزا وہی ہے جو تمام انبیاء کو گالی دینے کی سزا ہے۔ پھر آگے فرماتے ہیں کہ جو انبیاء کرام قرآن مجید میں مذکور ہیں یا حدیث میں مذکور ہیں یا جس کے متعلق بھی ہمارا غالب گمان ہے کہ یہ نبی ہوا ہے اگرچہ اس کی تفصیل ہمیں نہیں ملتی تو ان کو گالی دینے کا بھی وہی حکم ہے جو ہمارے نبی کریم ﷺ کا ہے کیونکہ اس باب میں تمام انبیاء کرام مساوی ہیں اور عموماً ان تمام انبیاء کرام پر ایمان لانا اور خصوصاً اُن تمام پر بھی جن کا ذکر کتاب و سنت میں آچکا ہے

واجب ہے لہذا ان عام اور خاص میں سے جو بھی کسی ایک کو گالی دیتا ہے تو اگر وہ مسلمان ہے تو مرتد ہو جائے گا اور اگر وہ اہل ذمہ سے ہے تو اس کے مقابلہ میں اتر آنا ہوگا۔ الصارم المسلول ص ۵۶۰ (نوادر) میں حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ حضرت جبریل سے یہ خطا ہو گئی کہ انہوں نے وحی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لانی تھی لیکن غلطی سے آپ ﷺ پر لے آیا تو ایسا شخص اگر توبہ کر لے تو فیہا ورنہ اُسے قتل کر دیا جائے۔ [الصارم المسلول ص ۵۶۰]

اس کا حکم جو صحابہ و اہل بیت کو گالی دے

شیعہ حضرات کی طرف سے اہل بیت کی توہین

اہل بیت، خواہ وہ نبی ﷺ کے اہل بیت ہوں یا علی کے اہل بیت ہوں، کوئی بھی ان کی بدزبانیوں اور ان کے اندر کی خباثت اور ضمیر کی ذلالت کی وجہ سے، ان کے گستاخانہ قلم سے محفوظ نہیں رہا۔ اُن لوگوں نے اہل بیت کی بھی اسی طرح توہین کی جس طرح نبیوں اور رسولوں کی توہین کر چکے ہیں، حضور ﷺ کے والد محترم کے سگے بھائی اور آپ کے چچا حضرت عباس کی توہین کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

ان الآية: فلبئس المولى ولبئس العشير: نزلت فيه:

[رجال کشی ص ۵۴]

ترجمہ: ”برا دوست اور برا ہے خاندان، آپ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔“

اور اسی طرح یہ دونوں آیتیں

ومن كان في هذه أعمى فهو في الآخرة أعمى وأضل سبيلاً.

وقول الله عز وجل: ولا ينفعكم نصحي إن أردت أن أنصح لكم: نزلنا فيه: [رجال الكشي ص ۵۲]

ترجمہ: ”پہلی آیت“ اور جو اس دنیا میں اندھا ہے، وہ آخرت میں بھی اندھا اور زیادہ گمراہ ہوگا۔ ”دوسری آیت“ اور تمہیں میری نصیحت فائدہ نہیں دیتی، اگر میں تمہیں نصیحت کرنے کا ارادہ کروں۔“ بھی آپ ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائیوں، سرداران بنی ہاشم، عامل علیؓ عبد اللہ بن عباس اور آپ کے بھائی عبید اللہ بن عباس کے بارے میں کہتے ہیں:

إن أمير المؤمنين قال: اللهم العن ابني فلان . يعني عبد الله وعبيد الله . وأعم أبصارهما كما أعميت قلوبهما الأجلين في رقبتي، واجعل عمي أبصارهما دليلاً على عمي قلوبهما .

[رجال الكشي ص ۵۲]

ترجمہ: امیر المؤمنین نے کہا تھا: یا اللہ فلاں آدمی کے دونوں بیٹوں پر لعنت کر ”حاشیہ میں وضاحت کی گئی ہے“ کہ اس سے مراد عبد اللہ اور عبید اللہ ہیں۔ ”یا اللہ جس طرح ان کے دل اندھے ہیں، ان کی آنکھیں بھی اندھی کر دے۔ ان کی موت میری گردن پر۔ ان کی آنکھوں کے اندھے پن کو ان کے دل کے اندھے پن کی دلیل بنادے۔“

علیؓ کے سگے بھائی عقیل بن ابی طالب کے بارے میں علی بن ابی طالب کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، آپ ﷺ نے اپنے مددگاروں اور ساتھیوں کی کمی کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا:

ولم يبق معي من أهل بيتي أحد أطول وأقوى، أما حمزة فقتل يوم أحد، وجعفر يوم موته، وبقيت بين خلفين خائفين ذليلين حقيرين، العباس وعقيل: [مجلس المؤمنین ص ۷۸]

ترجمہ: ”میرے اہل بیت میں میرے اس وقت قوت اور وجاہت والا کوئی نہیں بچا، حمزہ جنگ احد میں شہید کر دیئے گئے، جعفر بھی اپنی موت کے دن مار دیئے گئے، اور اب میں دو ذلیل، حقیر اور ڈرپوک آدمیوں، عباس اور عقیل کے درمیان زندہ رہ گیا ہوں۔“

اسی جیسی روایت کلینی نے محمد باقر سے نقل کی ہے، کہتا ہے کہ

وبقي معه رجلان ضعيفان، ذليلان، حديثا عهد بالاسلام - عباس وعقيل -

”آپ (علی) کے ساتھ صرف دو کمزور اور ذلیل اور بے کس آدمی رہ گئے، جنہوں نے نیا نیا اسلام قبول کیا تھا، عباس اور عقیل۔“

یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ عباس و عقیل اور آپ دونوں کی اولاد کا شمار نبی کریم کے اہل بیت میں ہوتا ہے۔ آیت اللہ علامہ اربلی نے اس بات کو تسلیم کیا ہے، کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جب پوچھا گیا تھا کہ

من أهل بيتك؟ قال: آل علي، وآل جعفر، وآل عقيل، وآل

عباس - [كشف الغمہ ج ۱، ص ۴۳]

ترجمہ: ”آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا تھا، آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل عباس۔“

حضور ﷺ پر نور کے بیٹے کی توہین

ان لوگوں نے ایک جھوٹی کہانی بیان کی ہے جس میں حضور ﷺ کے بیٹے کی شان میں، فاطمہ کے بیٹے اور آپ کے پوتے کے مقابلے میں توہین کی گئی ہے۔ بتایا گیا ہے کہ حضور ﷺ کے بیٹے کی شان فاطمہ کے بیٹے سے کمتر تھی۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان جالساً وعلیٰ فخذہ الأیسر ابراہیم ولدہ، وعن یمینہ حسین حفیدہ، وکان یقبل ہذا تارۃ وذاک تارۃ آخری، فنظر جبریل وقال: إن ربک أرسلنی وسلم علیک، وقال: لا یجتمع ہذان فی وقت واحد، فاختر أحدهما علی الآخر، وافد الثانی علیہ، فنظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إلی ابراہیم وبکی، ونظر إلی سید الشہداء وبکی، وقال: إن ابراہیم امہ ماریۃ، فان مات لا یحزن أحد علیہ غیری، وأما الحسین فامہ فاطمہ وأبوہ علی فإنه ابن عمی وبمنزلۃ روحی، وإنہ لحمی ودمی۔ فإن مات ابنہ یحزن وتحزن فاطمہ، فخطب جبریل وقال: یا جبریل! أفدیت ابراہیم الحسین، ورضیت بموتہ کی بقی

الحسین ویحیی - [حیات القلوب للمجلسی ص ۵۹۳]

ترجمہ: ”ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے، آپ ﷺ کی بائیں ران پر آپ کے بیٹے ابراہیم اور دائیں ران پر آپ کے پوتے حسین تھے۔ آپ بھی ایک کو چومتے بھی دوسرے کو، جبریل نے یہ دیکھا تو کہا، آپ کے رب نے مجھے بھیجا ہے اور سلام کہا ہے، اور کہا ہے کہ،

ایک ہی وقت میں یہ دونوں نہیں رہ سکتے، آپ ﷺ ایک کو منتخب کر لیجے اور دوسرے کو اس پر قربان کر دیجیے، رسول اللہ ﷺ نے ابراہیم کی طرف دیکھا اور روئے، پھر سید الشہداء کی طرف دیکھا آپ روئے، پھر کہنے لگے: ابراہیم کی والدہ ماریہ ہیں، اگر یہ فوت ہو جائے تو میرے سوا کوئی غمگین نہیں ہوگا، حسین کی والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور والد علی رضی اللہ عنہ ہیں جو میرے چچا زاد بھائی اور میری روح کی طرح ہیں، جو میرے گوشت اور خون کی طرح ہیں، اگر ان کا بیٹا فوت ہو گیا تو وہ بھی غم ناک ہوں گے اور فاطمہ بھی، آپ نے جبریل سے کہا: اے جبریل! میں ابراہیم کو حسین پر قربان کرتا ہوں، حسین کی زندگی و بقا کے لیے مجھے اس کی موت قبول ہے۔“

بیٹیوں کی توہین

نبی کریم ﷺ کی بیٹیوں کی توہین یوں کرتے ہیں کہ آپ کی تینوں بیٹیوں کا آپ کی اولاد ہونا ہی تسلیم نہیں کرتے، کہتے ہیں کہ نبی کریم، اُن (آپ کی بیٹیوں کے) والد نہیں تھے، بلکہ وہ ربیبہ (بیوی کے پہلے شوہر سے اولاد) تھیں۔ شیعہ مصنف آیت اللہ حسن امین کہتے ہیں:

ذكر المؤرخون أن للنبي أربع بنات، ولدى التحقيق في النصوص التاريخية لم نجد دليلاً على ثبوت بنوة غير الزهراء (ع) منهن، بل الظاهر أن البنات الأخريات كن بنات خديجة من زوجها الأول قبل محمد۔

[دائرة المعارف الإسلامية الشيعية ج ۱، ص ۲۷]

ترجمہ: ”مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں،

تاریخی شواہد کے ساتھ میری تحقیق ہے کہ سوائے زہراءؑ کے اور کوئی بیٹی آپ کی اولاد نہیں تھی، ظاہر ہے کہ دوسری بیٹیاں محمد سے پہلے، خدیجہ کے دوسرے شوہر کی بیٹیاں تھیں۔“

حضرت علی المرتضیٰؑ کی توہین

خود حضرت علیؑ کی بھی، جسے یہ لوگ پہلا امام معصوم سمجھتے ہیں، بے حد توہین و تہلیل اور تحقیر کرتے ہیں، آپ کو بزدل و کمزور اور در ماندہ و عاجز ثابت کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ جب ابوبکر صدیقؓ کی بیعت خلافت کی گئی اور علیؑ نے آپ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور بیعت نہ کی، تو ابوبکر صدیقؓ نے آپؑ کی طرف قنفذ کو بھیجا اور کہا

ارجع، فان خرج وإلا فاقطحو عليه بيته، وإن امتنع فاضرم عليهم بيتهم النار، فانطلق قنفذ الملعون، فاقطعهم وأصحابه بغير إذن، وثار على عليه السلام إلى سيفه، فسبقوه إليه وكأثروه، فتناول بعض سيوفهم فألقوا في عنقه حبلاً، وحالت بينه وبينهم فاطمة عليها السلام عند باب البيت، فضربها قنفذ الملعون بالسوط، فماتت حين ماتت وإن في غضلها كمثل الدمع من ضربته لعنه الله، ثم انطلق بعلي عليه السلام يعتل عتلاً - أي يجر جر عنيفا - حتى انتهى به إلى أبي بكر - فنادی على عليه السلام قبل أن يبايع والحبل في عنقه: يا ابن أم! إن القوم استضعفوني وكادوا يقتلونني -

[کتاب سلیم بن قیس ص ۸۵-۸۴]

ترجمہ: ”پلٹ جا، اگر وہ (علیؑ) نکل آئیں تو ٹھیک، ورنہ ان کے گھر میں کود جا، اگر وہ روکیں تو ان کے گھر کو آگ لگا دے، قنفذ ملعون، چلا، وہ اور اس کے ساتھی بلا اجازت آپؑ کے گھر گھس گئے، علیؑ اپنی تلوار کی طرف لپکے، انہوں نے جلدی کی اور آپؑ پر قابو پالیا، کچھ نے اپنی تلواریں پکڑ لیں، ان کی گردن میں رسی ڈال دی۔ فاطمہؑ علیہا السلام دروازے میں ان لوگوں اور علیؑ کے درمیان حائل ہوئیں تو قنفذ ملعون نے آپؑ کو کوڑا مارا، جب آپؑ کی وفات ہوئی تو آپؑ کے بازو پر ایک پھوڑا سا تھا، یہ اسی مار کا اثر تھا، خدا کی لعنت اس پر پھر وہ علیؑ کو گھسیٹتے ہوئے لے چلے اور ابوبکر کے پاس پہنچا دیا۔“

اس کے بعد کہتا ہے کہ ”علیؑ علیہ السلام نے اس حال میں کہ رسی ان کی گردن میں تھی، بیعت کرنے سے پہلے پکارا تھا، ”اے میری والدہ کے بیٹے! بلاشبہ قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور وہ میرے قتل کے درپے ہو گئے۔“

حضرت علی بن ابی طالب کا شیعہ حضرات کے ہاں یہ تخیل ہے، ان کے تصور میں ایک بزدل، ڈرپوک، خوفزدہ اور سہمے ہوئے انسان کا نام علی بن ابی طالب ہے۔ صرف یہی نہیں کہ آپؑ کو بزدل اور ڈرپوک کہا، بلکہ کہتے ہیں کہ اس بزدلی اور خوفزدگی پر رسول اللہ ﷺ کی بیٹی اور آپؑ کی بیوی حضرت فاطمہؑ آپؑ کو ملامت کیا کرتی اور غصے ہوا کرتی تھیں، آپؑ کو بزدلی کے طعنے دیا کرتی تھیں، کہتے ہیں کہ ”جب فاطمہؑ نے صدیق و فاروقؓ سے فدک کا مطالبہ کیا اور اس سلسلے میں آپؑ سے سخت گفتگو کی، تو علیؑ نے بقول ان کے اس جھگڑے میں آپؑ کی کوئی مدد نہیں کی، اس پر فاطمہؑ نے آپؑ سے کہا:

یا ابن ابی طالب! ایشتملت مشیمة الجنین، وقعدت حجرة
الظنین۔

[الأمالی للطوسی ص ۲۵۹۔ حق الیقین للمجلسی ص ۲۰۳-۲۰۴]
ترجمہ: ”اے ابن ابی طالب تو نے اپنے آپ کو چھپا لیا جیسے ماں کے
پیٹ میں بچہ۔“

اس سے بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ ”عمر بن الخطاب آپ کی بیٹی کو ڈانٹتے رہے، اور
آپ انہیں اس ڈانٹ ڈپٹ سے روک تک نہ سکے۔“ کلینی بیان کرتا ہے کہ ابو عبد اللہ
نے ام کلثوم بنت علی کی شادی کے بارے میں کہا تھا کہ

ان ذالك فرج غصبناه۔ [الكافی فی الفروع ج ۲ ص ۱۴۱]

ترجمہ: ”یہ ایسی شرمگاہ ہے جسے ہم سے چھین لیا گیا ہے۔“ اور کہتے ہیں
ان علیاً لم یکن یرید ان یزوج ابنته ام کلثوم من عمر، ولكنه
خاف منه، فوکل عمه عباس لیزوجها منه۔

[حدیقة الشیعة لمقدس الارذبیلی ص ۲۷۷]

ترجمہ: ”کہ علی رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی ام کلثوم کی شادی عمر سے نہیں کرنا چاہتے
تھے، لیکن آپ سے ڈرتے تھے۔ اس لیے آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا عباس
کو وکیل بنایا کہ وہ ام کلثوم کی شادی عمر سے کر دیں۔“

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امارت و خلافت پیش کی گئی تو آپ نے یہ کہہ کر انکار
کر دیا تھا کہ دعونی والتمسوا غیری: ”مجھے چھوڑ دو، کسی اور کو تلاش کرو۔“ مگر یہ
لوگ آپ رضی اللہ عنہ کی طرف جھوٹ منسوب کر کے آپ رضی اللہ عنہ کی توہین کرتے ہیں، آپ
کو اپنے مقام سے فروتر دکھانے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے تصور میں آپ رضی اللہ عنہ

بھی ایک لالچی آدمی تھے جو منصب کے پیچھے دوڑتا ہے اور اس کے لیے ہر تدبیر اور
طریقہ بلا تامل اختیار کر لیتا ہے، جو اپنا مقصود حاصل کرنے کے لیے وہ تمام وسائل
اور ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے جن کی توقع کسی شریف سے نہیں کی جاسکتی، ہاں ہاں!
یہ لوگ آپ رضی اللہ عنہ کو بھی لالچی اور خود غرض اور مفاد پرست بتا رہے ہیں، جو اپنے
مقصود کی خاطر اپنے حسب و نسب بلکہ اپنی بیوی اور اولاد کو بھی استعمال کرتا ہے۔
دیکھیے کس طرح یہ لوگ آپ رضی اللہ عنہ کی توہین کرتے ہوئے اپنی اہم، اور مستند و معتمد
کتابوں میں لکھ رہے ہیں کہ جب ابو بکر کی بیعت ہو چکی اور علی رضی اللہ عنہ کے کانوں میں یہ
خبر پہنچی تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

إن هذا الاسم لا یصلح إلا لی، وسکت عنه یومہ ذالک: فلما
كان اللیل حمل علی فاطمة علیها السلام وأخذ یدیی ابنیه
الحسن والحسین علیها السلام، فلم یدع أحدا من أصحاب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و آلہ اتاہ فی منزله، فناشدہم
اللہ حقہ، ودعاهم إلی نصرته، فاستجاب منهم رجل۔“

[کتاب سلیم بن قیس ص ۸۲-۸۳]

ترجمہ: ”کہ یہ نام (یعنی خلیفہ) تو صرف میرے ہی لیے ہے اور پھر اس
روز اس کے متعلق کچھ نہیں کہا۔“ جب رات ہو گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فاطمہ
علیہا السلام کو سوار کرایا، اور اپنے دونوں بیٹوں حسن و حسین علیہما السلام کا
ہاتھ پکڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و آلہ کے کوئی صحابی نہیں چھوڑا، جس کے گھر آپ
نہ گئے ہوں، انہیں اپنے حق کے لیے خدا کی قسمیں دیں، اپنی مدد کے
لیے پکارا، لیکن ان میں سے کسی آدمی نے آپ کی بات قبول نہ کی۔“

کیا اس سے زیادہ توہین کا تصور کیا جاسکتا ہے کہ علی بن ابی طالب جیسا آدمی اپنی بیوی، بنت رسول کو گدھے پر سوار کرائے، رسول اللہ کے نواسوں کو ساتھ لے اور لوگوں کے دروازوں پر، ایک دریوزہ گر کی طرح ان سے مدد و نصرت اور رحم کی بھیک مانگتا پھرے؟ کتنا گھناؤنا اور بڑا جھوٹ ہے! اسی پر بس نہیں اور بھی سینے:

إِنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَارَايَ خِذْلَانِ النَّاسِ إِيَّاهُ، وَتَرْكِهِمْ
نَصْرَتَهُ وَاجْتِمَاعَ كَلِمَتِهِمْ مَعَ أَبِي بَكْرٍ وَتَعْظِيمَهُمْ إِيَّاهُ لَزِمَ

بیٹہ۔ [کتاب سلیم بن قیس ص ۸۳]

ترجمہ: ”جب علی علیہ السلام نے دیکھا کہ لوگ آپ ﷺ کی مدد نہیں کرتے، آپ ﷺ کو چھوڑ چکے ہیں سب ابوبکر پر متفق ہو چکے ہیں اور ان کی عزت و تعظیم کر رہے ہیں تو آپ اپنے گھر میں پڑے رہنے لگے۔“

ان الفاظ و کلمات پر غور کیجیے، اسی چھوٹی سی عبارت کو بار بار پڑھیے، اس سے معلوم ہو جائے گا کہ حضرت علی ﷺ کے بارے میں ان لوگوں کی آراء کیا ہیں؟ کس طرح یہ لوگ علی ﷺ کی تحقیر و تحقیر کرتے ہیں اور یہ تصور دیتے ہیں کہ علی ﷺ کو سب چھوڑ چکے اور مسترد کر چکے تھے؟ شیعہ حضرات کے محدث عظیم فقیہ اعظم ابن بابویہ قمی نے اپنی کتاب میں اس جیسی بہت سی روایات بیان کی ہیں، اس نے بیان کیا ہے کہ کس طرح علی ﷺ کے تھوڑے سے مددگاروں نے ابوبکر ﷺ کو جواب دیا اور ان کی خلافت و امارت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ بر ملا لوگوں کی موجودگی میں آپ کے خلاف باتیں کیں، جب ابوبکر ﷺ کے ساتھیوں نے سنا تو ان کی طرف آئے:

شاهدین السیوف، وقال قائل منهم۔ واللہ لئن عاذ منکم

أحد، فتكلم بمثل الذي تكلم به لنملأن أسيا فنا منه،
فجلسوا في منازلهم، ولم يتكلم أحد بعد ذلك۔

[کتاب الخصال ج ۲ ص ۴۶۵]

ترجمہ: ”تلواروں کو سونٹتے ہوئے، ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: خدا کی قسم! اگر تم میں سے پھر کسی نے دوبارہ ایسی بات کی تو ہم ان کے خون سے اپنی تلواریں سیراب کریں گے۔ اس کے بعد وہ لوگ ”یعنی علی ﷺ کے ساتھی“ اپنے اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے اور پھر کبھی کسی نے ایسی بات نہیں کی۔“

خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ ﷺ کی شادی کن اوصاف پر؟
جب رسول کریم ﷺ نے حضرت علی ﷺ سے فاطمہ ﷺ کی شادی کرنا چاہی تو فاطمہ نے اس شادی سے انکار کر دیا تھا، کہتے ہیں کہ:

فلما أراد رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يزوجه عات
علي أسير إليها، فقالت: يا رسول الله! أنت أولى بما تری غیر
أن نساء قریش تحدثني عنه أنه رجل دحاح البطن، طويل
الذراعين، ضخيم الكراديس، أنزع، عظيم العينين، لمنكبيه
مشاشا كمشاش البعير، ضاحك السن، لا مال له۔

[تفسير القمي ج ۲، ص ۳۳۶]

ترجمہ: ”جب رسول اللہ ﷺ نے (فاطمہ) کی شادی علی سے کرنے کا ارادہ کیا تو فاطمہ کو بتایا، فاطمہ کہنے لگیں: یا رسول اللہ! آپ کو اپنی مرضی کا زیادہ حق ہے، لیکن قریش کی عورتوں نے مجھے (علی) کے بارے میں بتایا

ہے کہ وہ پھولے پیٹ والا، لمبی لمبی کہنیوں والا، مضبوط جوڑوں والا، کنپٹیوں پر سے گنجا اور موٹی موٹی آنکھ والا ہے، اس کے کندھے اونٹ کے کندھوں کی طرح ٹٹکتے ہیں، ہنسی سے دانت نکلے ہوئے ہیں اور اس کے پاس کوئی مال بھی نہیں۔“

اصفہانی ابن ابی اسحاق سے نقل کرتے ہوئے فاطمہ کا یہ بیان نقل کرتا ہے کہ ”أدخلني أبي المسجد يوم الجمعة، فرفعني، فرأيت علياً يخطب على المنبر شيخاً اصلع، ناتئ الجبهة، عريض ما بين المنكبين، له لحية ملأت صدره، في عينه اطرغشاش“ (یعنی لین فی العین) [مقاتل الطالبین ص ۲۷]

ترجمہ: ”میرے والد نے مجھے جمعہ کے روز مسجد میں داخل کیا، مجھے اٹھایا، میں نے علی کو دیکھا کہ وہ منبر پر بیٹھے خطبہ دے رہے ہیں، وہ ایک بوڑھے اور گنجلے آدمی تھے، سوچی ہوئی پیشانی اور دونوں کندھوں کے درمیان کافی چوڑائی تھی۔ ان کی داڑھی نے ان کا سینہ بھر دیا تھا، ان کی آنکھ میں نرمی (آشوب چشم) تھی۔“

آیت اللہ علامہ اربلی فرماتے ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قم يا بريدة نعود فاطمة، فلما أن دخلنا عليها أبصرت أباهاً دمعت عيناها، قال: ما يبكيك يا بنتي؟ قالت: قلة الطعم، وكثرة الهم، وشدة الغم۔ وفي رواية أخرى قالت: والله! لقد اشتد حزني واشتدت فاقتي، وطال سقمي۔ [كشف الغمة ج ۱، ص ۱۴۹، ۱۵۰]

ترجمہ: ”رسول اللہ ﷺ نے کہا: اٹھ اے بريدة، ہم فاطمہ کے پاس آجائیں گے، ہم آپ کے پاس گئے، آپ نے اپنے والد کو دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، آپ نے پوچھا: میری بیٹی! کس چیز نے تجھے رلا دیا؟ فاطمہ نے کہا: کھانا کم، فکر زیادہ، اور غم بہت ہے۔“

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے کہا: بخدا میرا بہت زیادہ ہو گیا ہے، فاطمہ بہت ہور ہے ہیں اور میری بیماری بڑھ گئی ہے۔“

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شیعہ حضرات سے شاک کیوں؟

قاتلکم اللہ: لقد ملاتم قلبی قیحا، وشحنتم صدري غیظا، وجرعتمونی نغب التهام أنفاساً، وافسدت علی رأی بالعصیان والخذلان حتی لقد قالت قریش: إن ابن ابی طالب رجل شجاع، ولكن لا علم له بالحرب۔ ولكن لا رأی لمن لا يطاع۔ [نهج البلاغة ص ۷۰، ۷۱]

ترجمہ: ”خدا تمہیں موت دے، تم نے میرے دل کو نفرت اور میرے سینے کو غصہ سے بھر دیا۔ تم نے مجھے تہمتوں کے کڑوے گھونٹ پلائے، تم نے میری مرضی کے خلاف نافرمانی اور سرکشی کی، مجھے چھوڑ گئے اور قریش نے یہاں تک کہہ دیا کہ ابن ابی طالب ایک بہادر آدمی ہے لیکن جنگ کرنا نہیں جانتا۔ اس کے بعد کہا، لیکن اس کی کیا مرضی درائے جس کی اطاعت ہی نہ کی جاتی ہو۔“

وقال: ألا وانی قد دعوتکم إلى قتال هؤلاء القوم لیلاً ونهاراً، وسراً وإعلاناً، وقلت لکم: اغزوهم قبل أن یغزوکم،

فوالله ما غزی قوم قط فی عقر دارهم إلا ذلوا۔ فتواکلتهم
وتخاذلتهم حتی شنت الغارات، وملکت علیکم الأوطان۔
وهذا أخو غامد وقد وردت خيله الأنبار، وقد قتل حسان بن
حسان البکری، وأزال خیلکم عن مسالحها، ولقد بلغنی أن
الرجل منهم کان یدخل علی المرأة المسلمة، والأخری
المعاهدة، فینتزع حجلها وقلبها، وقلائدها ورعشها، فامتنع
منه إلا بالاسترجاع والاسترحام۔ ثم انصرفوا وافرین ما نال
رجلاً منهم کلم، ولا أریق لهم دم، فلو أن امرأ مسلماً مات
من بعد هذا أسفاً ما کان به ملوماً، بل کان به عندی جديراً،
فیأعجبا! أعجبا۔ واللہ۔ یمیت القلب ویجلب الهم من
اجتماع هؤلاء القوم علی باطلهم، وتفرقکم عن حقکم!
فقبحاً لکم وترحاً، حین صرتم غرضاً یرمی: یغار علیکم ولا
تغیرون، وتغزون ولا تغزون، ویعص الله وترضون! فإذا
أمرتکم بالیسر إليهم فی أيام الحر قلتم: هذه حمارة القيظ،
أمهلنا یسبح عنا الحر، وإذا أمرتکم بالسیر إليهم فی الشتاء
قلتم: هذه صبارة القر، أمهلنا ینسلخ عنا البرد، کل هذا فراراً
من الحر والقر، فإذا کنتم من الحر والقر تفرون، فانتهم واللہ
من السیف أفر۔ [نهج البلاغة ص ۷۰، ۷۱]

ترجمہ: ”ایک دفعہ کہا: سنو میں نے ان لوگوں سے لڑنے کیے لیے صبح
وشام تمہیں پکارا، چھپ کر اور اعلانیہ تمہیں پکارا، میں نے تمہیں کہا: اس

سے پہلے کہ وہ تم پر حملہ کر دیں، تم ان پر حملہ کر دو، خدا کی قسم کوئی قوم بھی
اپنے گھروں کے آنگن میں نہیں لڑی مگر ذلیل و رسوا ہوئی، تم نے ایک
دوسرے کی مدد نہ کی، ایک دوسرے کو چھوڑ دیا تو دشمن نے تم پر بھرپور حملہ
کر دیا۔ وہ ملکوں کے مالک ہو گئے، تم تلواریں نیام میں ڈالے رہے اور
دشمن کے گھڑسواروں نے تم پر ہلہ بول دیا۔ حسان بن حسان بکری کو مار
ڈالا۔ تمہارے لشکر کو اپنی جگہ سے دور ہٹا دیا۔ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ان
کا کوئی آدمی مسلمان عورت کے پاس جاتا، اس کی پازیب اتار لیتا، اس
کے گلے کا ہار اور کانوں کی بالیاں کھینچ لیتا اور وہ اسے روک نہیں سکتی تھی
بس اس سے رحم کی بھیک مانگتی، وہ مال و دولت لدا نکل جاتا، کوئی آدمی
اسے زخمی نہ کرتا، کوئی اس کا خون نہ بہاتا، کوئی مسلمان عورت اس کے
بعد اگر افسوس سے مرجاتی تو اس کا مرنا اس کے لیے باعث ملامت نہ
ہوتا، بلکہ میرے نزدیک تو اسے مر ہی جانا چاہیے، حیرت ہے، حیرت
ہے۔ خدا کی قسم ان لوگوں کے باطل پر متفق ہونے، تمہارے حق سے دور
ہونے کی وجہ سے دل مر رہے ہیں، غم بڑھ رہے ہیں، تمہارا برا ہو کہ تم
تیروں کی نشانہ گاہ بن گئے، تم پر حملہ کیا جاتا اور تم حملہ نہیں کرتے، تم سے
جنگ کی جاتی ہے اور تم جنگ نہیں کرتے، وہ خدا کی نافرمانی کرتے ہیں
اور تم خوش ہو! میں نے گرمی کے دنوں میں تمہیں ان کی طرف چلنے کا حکم
دیا تو تم نے کہا کہ: اب موسم گرما کی شدید ترین گرمی ہے، ہمیں کچھ
مہلت دے دیجیے کہ گرمی کی شدت میں کمی آجائے، میں نے سردی کے
موسم میں چلنے کا حکم دیا تو تم نے کہا کہ اب موسم سرما کی شدید ترین سردی

ہے، ہمیں کچھ مہلت دیجیے کہ سردی کی شدت میں کمی آجائے، اسی طرح تم ہمیشہ سردی اور گرمی سے بھاگتے ہو تو خدا کی قسم تلواریں سے تو اور زیادہ بھاگو گے۔“

سردارِ کائنات کی بیٹی حضرت فاطمہ کی توہین

رسول اللہ ﷺ کی بیٹی، حسن و حسین کی ماں، علی کی بیوی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا جمعین کی بھی یہ لوگ بے حد توہین کرتے ہیں، آپ کی طرف ایسی ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جو ایک عام مسلمان اور ایمان والی عورت بھی نہیں کر سکتی۔ چہ جائیکہ رسول اللہ ﷺ کی جان کا ٹکڑا اور جنت کی عورتوں کی سردار سے ایسی باتیں سرزد ہوں، کہتے ہیں کہ آپ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی، علی سے برہم رہتی تھیں، ان پر اعتراض کرتی رہتی تھیں اور ان کی معمولی معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتوں کی شکایت بھی حضور اکرم ﷺ سے کیا کرتی تھیں، حتیٰ کہ بقول ان کے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں بھی آپ ان پر اعتراض کیا کرتی تھیں اور حضور سے شکایت کیا کرتی تھیں۔ شیعہ حضرات کے محدث اعظم ابن الفثال نیساپوری بیان کرتے ہیں:

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم غرس لعلی حديقة، فباعها علي، وقسم كل ما أخذ منها علي فقراء المدينة ومساكينها حتى لم يبق درهم واحد - فلما أتى المنزل قالت له فاطمة عليها السلام: يا ابن عم! بعت الحائط الذي غرسه والدي؟ قال: نعم! بخير منه عاجلا وأجلا، قالت: فأين الثمن؟ قال: دفعته إلى اعمى استحييت أن أذلها بذل المسئلة، قالت فاطمة: أنا جائعة، وابناي جائعان، ولا شك

أنك مثلنا في الجوع، لم يكن منه لنا درهم، وأخذت بطرف ثوب علي (ع) فقال علي: فاطمة! خلني، فقالت: لا والله! أويحككم بيني وبينك أبي، فحبط جبريل علي رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا محمدا! الله يقرؤك السلام ويقول: اقرأ عليا مني السلام، وقل لفاطمة: ليس لك أن تضربني علي يدیه - [روضۃ الواعظین ج ۱، ص ۱۲۵]

ترجمہ: کہ رسول اللہ ﷺ نے علی کے ایک باغ میں پودے لگائے تھے، علی نے اسے بیچ ڈالا اور اس کی قیمت لے کر پوری کی پوری مدینہ کے فقیروں اور مسکینوں میں تقسیم کر دی اور اپنے پاس ایک درہم بھی نہیں رکھا۔ جب آپ گھر آئے تو فاطمہ آپ سے کہنے لگیں: اے میرے چچا کے بیٹے! تو نے وہ باغ بیچ ڈالا جس میں میرے والد نے پودے لگائے تھے؟ آپ نے کہا: ہاں! اس سے بہتر چیز کے بدلے میں، اب بھی نفع بعد میں بھی نفع۔ آپ نے پوچھا: قیمت کہاں ہے؟ علی نے کہا: میں نے اسے تقسیم کر دیا ہے، فاطمہ کہنے لگیں: میں بھوکی ہوں، میرے دونوں بیٹے بھوکے ہیں اور کوئی شک نہیں کہ آپ بھی ہماری طرح بھوکے ہیں، اور اس میں سے ایک درہم بھی نہیں بچا، آپ نے علی کے کپڑے کا کنارہ پکڑ لیا، علی کہنے لگے: اے فاطمہ! مجھے چھوڑ دے، آپ کہنے لگیں، خدا کی قسم ہرگز نہیں، میرے اور آپ کے درمیان میرے والد فیصلہ کریں گے، چنانچہ جبریل رسول اللہ کے پاس آئے اور کہا: اے محمد ﷺ! اللہ تجھے سلام کہہ رہا ہے اور کہتا ہے کہ علی کو

میری طرف سے سلام کہہ دے، اور فاطمہ سے کہہ دے کہ تیرے لیے مناسب نہیں ہے کہ تو علی کے ہاتھ روکے۔“

حسن بن علی کی توہین

جس قدر توہین شیعہ حضرات کی طرف سے حضرت حسن کی کی گئی ہے، شاید اور کسی کی اتنی توہین و تحقیر نہ کی گئی ہو، آپ کے والد حضرت علی کی وفات کے بعد لوگوں نے آپ کو آپ کے والد کے جانشین اور اپنا امام بنالیا تھا، لیکن آپ کچھ عرصہ ہی خلیفہ رہے کہ ان لوگوں نے آپ کو بھی اسی طرح چھوڑ دیا تھا جس طرح آپ کے والد کو چھوڑ دیا تھا۔ جس طرح حضرت علی سے لوگوں نے عہد شکنی کی تھی اسی طرح آپ سے بھی غداری کی۔ شیعہ حضرات کے مشہور مؤرخ اعظم علامہ یعقوبی لکھتے ہیں:

وأقام الحسن بعد أبيه شهرين، وقيل: أربعة أشهر، ووجه بعبيد الله بن عباس في اثني عشر ألفاً لقتال معاوية فأرسل معاوية إلى عبيد الله بن عباس فجعل له ألف ألف درهم، فسار إليه في ثمانية آلاف من أصحابه ووجه معاوية إلى الحسن، المغيرة بن شعبة وعبد الله بن شعبة وعبد الله بن عامر وعبد الرحمن بن أم الحكم، وأتوه وهو بالمدائن نازل في مضاربه، ثم خرجوا من عنده وهم يقولون ويسمعون الناس: إن الله قد حققنا بن رسول الله الدماء - وسكن به الفتنة، وأجاب إلى الصلح، فاضطرب العسكر ولم يشكك الناس في صدقهم، فوثبوا بالحسن، فانتهبوا مضاربه وما فيها، فركب الحسين فرساً له ومعنى في مظلم

ساباط، وقد كمن الجراح بن سنان الأسدي، فجرحه بمعول في فخذه، وقبض على لحية الجراح ثم لمرأها فدق عنقه - وحمل الحسن إلى المدائن وقد نزف نزفاً شديداً، واشتدت به العلة، فافترق عنه الناس، وقدم معاوية العراق فغلب على الأمر، والحسن عليل شديد العلة، فلما رأى الحسن أن لا قوة به، وأن أصحابه قد افترقوا عنه فلم يقوموا له صالح معاوية -

[تاریخ یعقوبی ج ۲، ص ۲۱۵]

ترجمہ: ”حسن اپنے والد کے بعد دو ماہ خلیفہ رہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چار ماہ خلیفہ رہے، آپ عبید اللہ بن عباس کے ساتھ بارہ ہزار کا لشکر لے کر معاویہ سے جنگ کرنے کے لیے بڑھے معاویہ نے عبید اللہ کو ایک لاکھ درہم دیئے جس کی وجہ سے آپ کے ساتھیوں میں سے آٹھ ہزار (معاویہ) کے ساتھ ہو گئے، معاویہ حسن کی طرف بڑھا۔ مغیرہ بن شعبہ، عبد اللہ بن شعبہ، عبد اللہ بن عامر اور عبد الرحمن بن ام الحکم آپ کے پاس آئے، آپ مدائن کے مقام پر اپنے خیموں میں موجود تھے، اس کے بعد یہ سب حضرات آپ کے پاس سے اٹھ گئے، لوگوں نے سنا کہ یہ حضرات کہہ رہے تھے، اللہ نے رسول اللہ کی اولاد کی وجہ سے خون ریزی سے بچالیا، فتنہ ختم کیا، آپ نے صلح کر لی۔ لشکر تتر بتر ہو گیا، کسی نے ان کی بات کی سچائی میں شک نہیں کیا، لوگ حسن پر کود پڑے، مال غنیمت لوٹنے لگے، حسن ایک گھوڑے پر سوار ہو کر مظلم ساباط میں چلے گئے، جراح بن

سان اسدی گھات میں بیٹھ گیا، اس نے کدال کی ران میں مار کر آپ کو زخمی کر دیا، آپ کی داڑھی پکڑی، اسے کھینچا اور آپ کی گردن موڑ دی۔ حسن کو مدائن کی طرف لے جایا گیا، آپ خون بہہ جانے کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئے تھے اور شدید بیمار ہو گئے تھے، لوگوں نے آپ کو چھوڑ دیا، معاویہ عراق کی طرف بڑھا اور اقتدار پر قبضہ کر لیا، حسن انتہائی شدید بیمار تھے، جب حسن نے دیکھا کہ آپ میں مقابلہ کی قوت نہیں۔ آپ کے ساتھی آپ کو چھوڑ چکے ہیں تو آپ نے معاویہ کی مزاحمت نہ کی، بلکہ معاویہ سے صلح کر لی۔“

شیعہ حضرات کے دوسرے مؤرخ اعظم علامہ مسعودی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ حسن نے معاویہ سے معاہدہ کرنے کے بعد لوگوں سے یوں خطاب کیا:

يا اهل الكوفة! لو لم تذلل نفسي عنكم إلا لثلاث خصال
لذملت مقتلكم لأبي، وسلبكم ثقلی، وطعنكم فی بطنی،
وإني قد بايعت معاوية فاسمعوا واطيعوا وقد كان اهل
الكوفة انتهبوا سراقد الحسن ورحله وطعنوا بالخنجر فی
جوفه، فلما تبين ما نزل به انقاد إلى الصلح۔

[مروج الذهب ج ۲، ص ۴۳۱]

ترجمہ: ”اے کوفہ والو! میں نے تمہاری تین خصلتوں کی وجہ سے تمہیں نظر انداز کر دیا، میرے والد سے تمہارا لڑنا، میرا سامان چھیننا اور مجھے پیٹ (لاٹ) کا طعنہ دینا، میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر چکا ہوں، سنو اور فرمانبرداری کرو۔“

اہل کوفہ نے حسن کے شامیانے اور اونٹ کا کجاوہ لوٹ لیا۔ آپ کے پیٹ میں فخر مارا، جب آپ کو پیش آمدہ واقعات کا پورا یقین ہو گیا تھا تو آپ نے صلح کر لی۔“ اس حد تک آپ کی توہین کی کہ

شدوا علی فسطاطه وانتعبوا حتی أخذوا مصلاہ من تحته،
ثم شد علیہ عبد الرحمن بن عبد اللہ الجحال الأردی، فنزع
مطرفه عن عاتقه، فبقی جالسا متقلدا بالسيف بغیر رداء۔

[الارشاد للمفید ص ۱۹۰]

ترجمہ: ”آپ کے خیمہ تک آپ سے چھین لیا، حتیٰ کہ آپ کے نیچے سے مصلی بھی لے گئے، پھر عبد الرحمن بن عبد اللہ جحال ازدی نے آپ پر حملہ کر دیا اور آپ کے کندھوں سے چادر کھینچ لی، آپ بغیر چادر کے تلوار گردن میں لٹکائے بیٹھے رہے۔“

جس طرح یہ لوگ اپنی کرتوتوں اور اپنے ہاتھوں سے آپ کی توہین کرتے رہے، اسی طرح اپنی بدزبانیوں سے بھی آپ کی توہین کرتے رہے۔ کشی نے ابو جعفر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ

جاء رجل من أصحاب الحسن علیہ السلام یقال له سفیان
بن أبی لیلی وهو علی راحلة له، فدخل علی الحسن علیہ
السلام وهو مختب فی فناء داره، فقال له: السلام علیک یا
مذل المؤمنین! قال وما علمک بذلك؟ قال: عمدت إلى أمر
الامة فخلعته من عنقک وقلدته هذه الطاغية یحکم بغیر ما
أنزل الله۔ [رجال الکشی ص ۱۰۳]

ترجمہ: ”حسن علیہ السلام کا ایک ساتھی، جسے سفیان بن ابی لیلیٰ کہا جاتا تھا، اپنی سواری کے جانور پر بیٹھا، حسن کے پاس آیا، حسن اپنے گھر کے صحن میں چھپے بیٹھے تھے، اس نے آپ سے کہا، اے مومنین کو ذلیل کرنے والے، السلام علیک! آپ نے کہا، تجھے کیا معلوم ہے؟ اس نے کہا، تو نے امت کے اقتدار پر قبضہ کرنا چاہا اور پھر اپنی گردن سے یہ جوا اتار پھینکا اور اس نافرمان امت کے گلے میں ڈال دیا جو خدا کی نازل کردہ تعلیمات کے برعکس حکومت چلا رہی ہے۔“ پھر حسن نے اسے بتایا کہ آپ کے گروہ اور آپ کے والد کے گروہ نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا، کیسی کیسی توہین اور گستاخیاں کی ہیں، آپ نے بلند آواز میں کہا:

أرى والله معاوية خيراً ألي من هؤلاء يزعمون أنهم لى شيعة
ابتغوا قتلى، وأخذوا مالى - والله! لأن أخذ من معاوية عهداً
أحقن به دمي وأمن به فى أهلى خير من أن يقتلوني فيضيع
أهل بيتى وأهلى، والله: لو قاتلت معاوية لأخذوا بعنقى حتى
يلفغوا بى إليه سلماً - والله لئن أسالته وأنا عزيز خير من أن
يقتلنى وأنا أسير، ويمن علىّ فيكون سنة على بن هاشم
آخر الدهر وللمعاوية لا يزال يمن بها وعقبه على الحى منا
والميت - [الاحتجاج للطبرسى ص ۱۴۸]

ترجمہ: ”خدا کی قسم! معاویہ میرے حق میں ان لوگوں سے بہتر ہے جو اپنے آپ کو میرا گروہ کہتے ہیں۔ ان لوگوں نے مجھے قتل کرنا چاہا، میرا

مال لوٹ لیا، خدا کی قسم! معاویہ سے معاہدہ کر کے میں نے اپنی جان بچالی، اپنے گھر والوں کو محفوظ کر لیا، یہ اس سے بہتر ہے کہ یہ لوگ مجھے مار ڈالتے اور میرے اہل بیت کو مار ڈالتے، بخدا! اگر میں معاویہ سے جنگ کرتا تو یہ لوگ مجھے گردن سے پکڑ کر اس کے حوالے کر دیتے۔ میں نے اس سے مصالحت کر لی، یہ اس سے بہتر ہے کہ یہ لوگ مجھے مار ڈالتے یا مجھے قیدی بنا لیتے، اس نے مجھ پر احسان کیا، بنی ہاشم پر احسان کیا، معاویہ اور اس کے بعد آنے والا ہمیشہ ہمارے زندوں اور مردوں پر احسان کرتا رہے گا۔“

حسین بن علی کی توہین

حسین بھی اپنے بھائی، ماں اور اپنے والد سے کچھ زیادہ خوش قسمت نہیں، اس کے باوجود کہ یہ لوگ آپ سے محبت و تعلق کے دعوؤں میں بے حد مبالغہ آرائیاں کرتے ہیں، اپنے آپ کو ان کا پیر و اور مطیع کہتے ہیں، لیکن آپ کو بھی توہین و تحقیر سے معاف نہیں کیا، آپ کی توہین کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ کی والدہ، رسول اللہ کی بیٹی حضرت فاطمہ کو آپ کا پیدا ہونا ناپسند تھا، جبکہ بارہا آپ کی ولادت کی بشارت کو قبول کرنا نہیں چاہتے تھے، فاطمہ نے آپ کو کراہت و ناپسندیدگی ہی کی وجہ سے حسین نے اپنی ماں کا دودھ نہیں پیا، یہ تمام روایات ان لوگوں کی حدیث کی اہم ترین اور مستند صحیح ترین کتابوں میں مروی ہیں، یہ کتابیں ان لوگوں کے ہاں اسی درجہ کی ہیں، جس درجہ کی کتاب اہل سنت کی صحیح بخاری ہے۔ کلینی، جعفر سے روایت نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

جاء جبريل إلى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم -

فقال: ان فاطمة عليها السلام ستلد غلاماً تقتله امك من بعدك، فلما حملت فاطمة بالحسين عليه السلام كرهت حمله، وحين وضعته كرهت وضعه، ثم قال ابو عبد الله عليه السلام: لم ترفى الدنيا ام تلد غلاماً تكرهه ولكنها كرهته لما علمت أنه سيقتل، قال: وفيها نزلت هذه الآية: ووصينا الانسان بوالديه حسنا حملته امه كرها ووضعته كرها۔

[الاصول من الكافي كتاب الحجت ج ۱ ص ۴۶۴]

ترجمہ: ”جبریل رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا، فاطمہ علیہا السلام عنقریب ایک لڑکے کو جنم دیں گی جسے آپ کے بعد آپ کی امت قتل کر ڈالے گی، جب فاطمہ کو حسین کا حمل ہو گیا تو آپ اس حمل کو ناپسند کرنے لگیں، اسی طرح ناگواری کے ساتھ آپ نے حسین کو جنم دیا۔ اس کے بعد ابو عبد اللہ علیہ السلام کہتے ہیں: دنیا میں کوئی ماں ایسی نہیں جو اپنے لڑکے کو ناگواری سے جنم دے، آپ اس لیے حسین کو ناپسند کرنے لگیں کہ آپ کو علم ہو چکا تھا، اسے قتل کر دیا جائے گا، اس کے بعد کہا: آپ ہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، ”ووصينا الانسان بوالديه حسنا حملته امه كرها ووضعته كرها۔“ ہم نے انسان کو اپنے والدین سے اچھا سلوک کرنے کی ہدایت کی، اس کی ماں نے اسے تکلیف برداشت کر کے پیٹ میں اٹھائے رکھا اور پھر وضع حمل کی بھی تکلیف برداشت کی۔“

تو ہیں! اور کس قدر تو ہیں، گستاخی! اور کس قدر گستاخی، جھوٹ! اور کتنا بڑا

جھوٹ! اور کہتے ہیں کہ:

”ولم يرضع الحسين من فاطمة عليها السلام، ولا من انثى كان يأتي النبي، فيضع إبهامه في فيه فيمص منها ما يكفيه اليومين والثلاث۔“ [اصول کافی، کتاب الحجۃ ج ۱، ص ۴۶۵]

ترجمہ: ”حسین نے نہ فاطمہ علیہا السلام کا دودھ پیا اور نہ کسی عورت کا۔ نبی ﷺ آپ کے پاس آیا کرتے تھے اور اپنے انگوٹھے کو آپ کے منہ میں رکھ دیا کرتے تھے آپ اسے چوس لیتے جو دو یا تین دن کے لیے کافی ہوتا۔“

اس طرح کا سلوک یہ لوگ آپ سے پہلے آپ کے والد اور بھائی کے ساتھ کر چکے ہیں، چنانچہ تمام شیعہ مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ کوفہ والوں نے..... وہ کوفہ، جو شیعہ حضرات کا مرکز تھا اور جس کی تعریف میں ان لوگوں نے جانے کیا کیا کہا ہے، دیکھیے جعفر کوفہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ان ولايتنا عرضت على السموات والارض والجبال
والأمصار، ما قبلها قبول أهل الكوفة: بصائر الدرجات
للصفار۔

ترجمہ: ”ہماری ولایت زمین و آسمان، پہاڑوں اور شہروں پر پیش کی گئی، کسی نے بھی اسے اس طرح قبول نہیں کیا جس طرح کوفہ والوں نے۔“

اور مزید کہتے ہیں:

ان الله قد اختار من البلدان أربعة فقال: والتين والزيتون
وطور سينين وهذا البلد الأمين، فالتين المدينة والذيتون بيت

المقدس و طور سيناء الكوفة وهذا البلد الامين مكة۔

[مقدمة البرهان ص ۲۲۳]
ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے شہروں میں سے چار شہر چن لیے، فرمایا: والتین
الخ التین سے مراد مدینہ، الذیتون سے بیت المقدس، اطور سیناء سے
کوفہ، اور هذا البلد الامین سے مراد مکہ ہیں۔“

اسی لیے کوفہ سے حسین کو ڈیڑھ سو کے قریب خطوط لکھے گئے جن میں ان لوگوں
نے لکھا تھا کہ:

بسم الله الرحمن الرحيم! للحسين بن علي أمير المؤمنين من
شيعة وشيعة أبيه علي أمير المؤمنين: سلام الله عليك،
أما بعد! فان الناس منتظرونك ولا رأي لهم غيرك فالعجل!
العجل! يا ابن رسول الله! والسلام عليكم ورحمة الله۔

[كشف الغمة ج ۲، ص ۳۲]

اور دوسرا مکتوب شیعیاں حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے:

أما بعد! فقد اخضرت الجنات وأينعت الثمار، فاذا شئت
فأقبل على جندلك مجندة، والسلام: ”الارشاد للمفيد“

[ص ۲۰۳]

ترجمہ: ”بسم اللہ الرحمن الرحیم، حسین بن علی کی طرف جو اپنے، اور
اپنے والد امیر المؤمنین کے گروہ کی طرف سے امیر المؤمنین ہیں،
سلام اللہ علیک

اما بعد! لوگ آپ کے منتظر ہیں، آپ کے سوا ان کی کوئی رائے نہیں،

اے رسول اللہ کے بیٹے، جلدی کیجیے، جلدی، والسلام علیکم و
رحمة الله وبركاته ”دوسرا خط:

اما بعد! باغات سرسبز ہو چکے ہیں، پھل تیار ہو چکے ہیں، اگر آپ چاہتے ہیں تو
آپ رضی اللہ عنہ مضبوط لشکر کی طرف آجائیے، والسلام“

ولماتت ابعت إليه كتب الشيعة، وتوالت الرسل أرسلهم ابن
عمه مسلم بن عقيل، فانتل عليه أهل الكوفة واجتمعوا
حوله، فبايعوه وهم يبيكون، وتجاروز عددهم من ثمانية
عشراةف۔ [الارشاد للمفيد ص ۲۰۵]

ترجمہ: ”جب شیعہ کی طرف پے در پے خطوط اور ان کے نمائندے
مسلسل آپ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچنے لگے تو آپ نے اپنے چچا کے بیٹے مسلم
بن عقیل کو ان کے پاس بھیجا، کوفہ والے بے تابانہ آپ کے پاس پہنچ
گئے، آپ کے گرد جمع ہو گئے، سب نے روتے ہوئے آپ کی بیعت
کی، ان کی تعداد اٹھارہ ہزار سے متجاوز تھی۔“

وبعد أيام كتب إليه مسلم بن عقيل: إن لك مائة ألف سيف
ولا تتأخر“ [الارشاد للمفيد ص ۲۲۰]

ترجمہ: ”کچھ دنوں کے بعد مسلم بن عقیل نے آپ کو لکھا: ”آپ کے
ساتھ ایک لاکھ تلواریں ہیں، تاخیر نہ کیجیے۔“

امام حسین رضی اللہ عنہ نے مسلم بن عقیل اور کوفہ والوں کو جواب دیتے ہوئے لکھا:
قد شخصت من مكة يوم الثلاثاء لثمان مضين من ذي
الحجة يوم التروية، فاذا قدم عليكم رسولي فانكم مشوا في

أمرکم و جدوا فانی قادم إلیکم [الارشاد "لمفید" ص ۲۲۰]
ترجمہ: "میں منگل کو، ذی الحجہ کے مہینے میں ترویہ کے روز روانہ ہوں گا،
جونہی میرا نمائندہ تم تک پہنچے تو اپنے کام کے لیے مستعد ہو جاؤ، میں
تمہارے پاس آ رہا ہوں۔"

آپ حضرات اندازہ لگائیں کہ بلانے والے شیعہ، محرک دلانے والے شیعہ،
رونے والے شیعہ اور بیعت کرنے والے شیعہ، مرکز ولایت اہل بیت کوفہ کا ملاحظہ
کیجیے۔ پھر اچانک حالات بدل گئے، شیعہ اپنی سابقہ عادت اور دستور کے مطابق
بدل گئے۔

وقتل مسلم بن عقیل بدون ناصر و معین، ولما بلغ الحسین
نعبہ و واجهہ عسکر بن زیاد من الکوفۃ، و خرج إلیہم فی
إزار و ردء و نعلین، و حمد اللہ و أثنی علیہ، ثم قال: أیہا الناس!
إنی لم آتکم حتی أنتی کتبکم أن أقدم علینا، فانه لیس لنا
امام، لعل اللہ یجمعنا بک علی الہدی و الحق، فان کنتم علی
ذالک فقد جئتکم، فأعطونی ما اطمئن إلیہ من عہودکم و
موایقکم، وإن لم تفعلوا، و کنتم لقدمی کارہین انصرف
عنکم إلی المكان الذی جئت منه إلیکم۔

[الارشاد للمفید، ص ۲۲۴]

ترجمہ: "مسلم بن عقیل کو بے کسی اور بے یاری کے عالم میں قتل کر
دیا گیا، جب حسینؑ کو آپ کی موت کی خبر پہنچی اور کوفہ میں ابن زیاد
کے لشکر کا سامنا ہوا تو "آپ تہہ باندھے، جوتا پہنے اور چادر اوڑھے ان

کے پاس گئے، اللہ کی حمد و ثنا کی، اس کے بعد کہا: اے لوگو! میں نہیں آ رہا
تھا، تم نے خطوط لکھے کہ ہمارے پاس آئیے، ہمارا کوئی امام نہیں، شاید
آپ کے ذریعے اللہ ہمیں حق و ہدایت پر جمع کر دے، اگر یہی بات تھی تو
میں تمہارے پاس آ گیا ہوں، مجھے وہ کچھ دوجس پر میں نے تمہارے
وعدوں اور یقین دہانیوں کی وجہ سے بھروسہ کیا تھا۔ اگر تم ایسا نہیں کر
سکتے، میرا آنا تمہیں ناپسند ہے تو تمہیں چھوڑ کر جہاں سے آیا تھا وہیں
لوٹ جاتا ہوں۔"

پھر شیعوں نے آپؑ کو چھوڑ دیا، آپؑ سے منہ پھیر لیا، اور
آپؑ کو دشمن کے حوالے کر دیا تا کہ وہ آپؑ کو اور آپؑ کے ساتھ اہل
بیت کو اور دوسرے ساتھیوں کو قتل کر دے، آیت اللہ علامہ محسن الامین تحریر
فرماتے ہیں:

ثم بايع الحسين من أهل العراق عشرون ألفا غدروا به
وخرجوا عليه وبيعته في أعناقهم وقتلوه۔ [أعيان الشيعة" القسم
الاول ص ۳۴]

ترجمہ: "اس کے بعد اہل عراق میں سے بیس ہزار افراد نے حسینؑ
کی بیعت کی، انہی لوگوں نے آپؑ کو دھوکا دیا اور آپؑ کو چھوڑ کر
آپؑ کی بیعت کو اپنی گردنوں میں ڈالے چلے گئے اور پھر آپؑ کو
مار ڈالا۔"

شیعہ حضرات کے مؤرخ اعظم یعقوبی لکھتے ہیں:
ان أهل الكوفة لما قتلوه: "انتہوا مضاربه وابتزوا حرمة،

وحملوہن إلى الكوفة، فلما دخلن إليها خرجت نساء الكوفة يصرخن ويكبن، فقال علي ابن الحسين هؤلاء يكيبن علينا فمن قتلنا؟ [تاريخ يعقوبی ج ۱ ص ۲۳۵]

ترجمہ: ”کہ جب اہل کوفہ نے آپ ﷺ کو قتل کر دیا تو ”آپ کے خیمے لوٹ لیے، عورتوں کو گرفتار کر کے انہیں کوفہ لے جایا گیا، جب یہ کوفہ پہنچیں تو کوفہ کی عورتیں چیختی چلاتی اور روتی ہوئی نکلیں، یہ دیکھ کر علی بن حسین ﷺ نے کہا: یہ ہمارے حال پر روتی ہیں تو ہمیں قتل کس نے کیا ہے؟“

یہ ہیں شیعہ حضرات اور اس طرح یہ لوگ اہل بیتؑ کے ساتھ سلوک کیا کرتے تھے، جن سے محبت و اتباع کے دعوے کرتے پھرتے ہیں۔

ائمہ کرام کا خطاب اپنے لاڈلے شیعوں سے

حضرات ائمہ کرام پوری طرح جانتے اور سمجھتے تھے کہ یہ لوگ ان کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں اور ان شیعوں کی کرتوت کیا ہیں؟ اسی لیے ان حضرات نے لوگوں کو ان کی حقیقت پوری طرح بتا دی، تاکہ ہر آدمی جان لے کہ یہ لعنت گر جو اندھا دھند شروع سے لے کر آخر تک سب پر لعنت کرتے چلے جاتے ہیں، درحقیقت کون ہیں؟ سب سے پہلے جو ان لوگوں کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا ہوئے، وہ علی بن ابی طالب ہیں۔ آپ ﷺ نے بغیر کسی سستی اور تاخیر کے ان کے ایک ایک جرم کا نام لے لے کر انہیں مجرموں، غداروں، لعنت گروں اور دشمنوں کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا۔ حضرت علی المرتضیٰ ﷺ فرماتے ہیں:

أحمد الله على ما قضى من أمر، وقدر من فعل، وعلى ابتلائي

بكم أيتها الفرقة التي إذا أمرت لم تطع، وإذا دعوت لهم لم تحب إن املهتم خضتم، وإن حوربتم خرتم وإن اجتمع الناس على امام طعنتم، وإن اجتمعتم إلى مشاقة نكصتم۔ لا أبالغيركم ما تنتظرون بنصركم والجهاد على حقكم؟ الموت أو الذل لكم؟ فوالله لئن جاء يومی۔ وليأتيني۔ ليفرقن بيني وبينكم، وأنا لصحبتيكم قال، وبكم غير كثير۔ لله أنتم! أما دين يجمعكم! ولا حمية تشدكم! أوليس عجباً أن معاوية يدعوا الحفافة الطغام فيتبعونه على غير معونة ولا عطاء، وأنا أدعوكم۔ وأنتم تريكة الاسلام، وبقية الناس۔ إلى المعونة أو طائفة من العطاء، فتفرون عني وتختلفون علي؟ إنه لا يخرج إليكم من أمري رضی فترضونه، ولا سخط۔ فتجتمعون عليه، وإن أحب، ما أنا لاق إلى الموت! قد دارستكم الكتاب، وفاتحتكم الحجاج، وعرفتكم ما أنكرتم، وسوغتكم ما محجتكم، لو كان الأعمى يلحظ، أو النائم يستيقظ۔

[نهج البلاغة، ص ۲۵۸-۲۵۹]

ترجمہ: ”خدا نے جس کام کا بھی فیصلہ کیا تھا، جس چیز کو بھی مقدر کر دیا تھا، میں اس پر خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے تمہاری وجہ سے مجھے مصیبتوں میں مبتلا کیا، اے لوگو! میں نے جب بھی تمہیں کوئی حکم دیا تم نے اطاعت نہ کی، میں نے جب بھی پکارا تم نے

میری پکار کا جواب نہ دیا، تم سے نرمی برتی تو تم نے اسے فراموش کیا، تمہیں لڑایا گیا، تو تم بھاگ گئے، اگر لوگ کسی امام پر متفق ہو گئے تو تم نے اس میں عیب نکالے، تمہیں کسی مشکل کی طرف لایا گیا تو تم پلٹ گئے، تمہارے سوا کسی نے انکار نہیں! اپنی مدد کیے جانے کا کیوں انتظار کرتے ہو، جب کہ تمہارا حق ہے کہ تم جہاد کرو، تمہارے لیے موت ہے یا ذلت؟ بخدا اگر میرا دن آ گیا..... اور آنے والا ہے تو میرے اور تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا، میں تمہارے ساتھ رہا، کہتے ہیں، کتنا رہا، زیادہ نہیں، بخدا تم! تمہیں نہ دین جمع کر سکا، نہ حمیت ہی تم میں مستعدی پیدا کر سکی، کیا حیرت کی بات نہیں کہ معاویہ نے کینے اور بے وفا لوگوں کو پکارا تو وہ بغیر کسی لالچ و مدد کے اس کی اتباع کرنے لگے اور میں تمہیں پکار رہا ہوں..... تمہی تو ہو مسلمانوں میں جو بچ گئے ہو۔ میں تمہیں مدد کے لیے پکار رہا ہوں اور عطا کے وعدہ پر تم مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو، میرے بارے میں اختلاف کر رہے ہو؟ میری مرضی کا کوئی حکم بھی تم تک ایسا نہیں پہنچا جس پر تم راضی ہو گئے ہو، کوئی ناراضگی ایسی نہیں جس پر تم سب جمع نہ ہو گئے ہو، میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب چیز جو میں چاہتا ہوں کہ مجھے ملے، وہ موت ہے، میں نے تمہیں کتاب پڑھ کر سنائی، میں نے تم پر حایوں کا راستہ کھولا، میں جانتا ہوں کہ کیا چیز تمہیں ناپسند ہے، میں نے تمہیں اجازت دی اس چیز کی جس پر تم فخر کرتے ہو، کاش اندھا دیکھ سکتا یا سویا ہوا بیدار ہو جاتا۔“

اپنے لاڈلے شیعوں سے یہ بھی فرمایا:

اف لکم! لقد سئمت عتابکم! أَرْضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ عَوْضًا؟ وَبِالذَّلِّ مِنَ الْعِزِّ خُلْفًا؟ إِذَا دَعَوْتُمْ إِلَى جِهَادٍ عَدُوَّكُمْ دَارَتْ أَعْيُنُكُمْ، كَأَنَّكُمْ مِنَ الْمَوْتِ فِي غَمْرَةٍ، وَمِنَ الذُّهُولِ فِي سَكْرَةٍ۔ يَرْتَجِعُ عَلَيْكُمْ حِوَارِيُّ فَتَعْمَهُونَ، وَكَأَنَّ قُلُوبَكُمْ مَالُوسَةٌ، فَأَنْتُمْ لَا تَعْقِلُونَ۔ مَا أَنْتُمْ لِي بِثِقَةٍ سَجِيسَ اللَّيَالِي، وَمَا أَنْتُمْ بِرُكْنٍ يَمَالُ بِكُمْ، وَلَا زَوَافِرٍ عَزِيفَتُفَرِّ إِلَيْكُمْ مَا أَنْتُمْ إِلَّا كِبَابِلُ ضَلَّ رِعَاتُهَا، كُلَّمَا جَمَعْتَ مِنْ جَانِبٍ انْتَشَرَتْ مِنْ آخَرٍ، لَبِئْسَ لِعَمْرِ اللَّهِ۔ سَعَرْنَا رَا حَرْبٍ أَنْتُمْ۔ تَكَادُونَ وَلَا تَكِيدُونَ، وَتَنْتَقِصُ أَطْرَافَكُمْ فَلَا تَمْتَحِضُونَ، لَا يَنَامُ عَنْكُمْ وَأَنْتُمْ فِي غَفْلَةٍ سَاهُونَ، غَلَبَ وَاللَّهِ الْمُتَغَاذِلُونَ! وَابْسِمْ اللَّهُ! إِنْ لَأُظَنُّ بِكُمْ أَنْ لَوْ حَمَسَ الْوَعْيُ، وَاسْتَحْرَ الْمَوْتَ، قَدْ انْفَرَجَتْ عَنْ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ انْفِرَاجُ الرَّأْسِ۔ [”نهج البلاغة“ ص ۲۵۸-۲۵۹]

ترجمہ: ”بتا ہی ہے تمہارے لیے! میں تمہاری سرزنش کرتے کرتے اکتا چکا ہوں، کیا آخرت کی زندگی کے بدلے میں دنیاوی زندگی پر خوش ہو؟ عزت کے بدلے میں ذلت پر خوش ہو؟ جب میں تمہارے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے بلاتا ہوں تو تمہاری آنکھیں پھر جاتی ہیں، گویا تمہاری جان نکل رہی ہے یا نشہ کی وجہ سے ایک بے خودی کا ساعا عالم ہے، میرے ساتھی تمہیں جوش دلاتے رہے تم اندھے بنے بیٹھے رہے، گویا

تمہارے دل دیوانے ہو چکے ہیں، تم عقل کھو چکے ہو، تم میرے پاس سمجھی نہیں آؤ گے، تم سنجیدہ نہیں ہو، عزت والی جماعتیں کبھی محتاج ہو کر تمہارے پاس نہیں آئیں گی، تم ان اونٹوں کی طرح ہو جن کا چرانے والا گم ہو گیا ہو، جب بھی انہیں ایک طرف سے جمع کیا جائے دوسری طرف سے منتشر ہو جائیں گے، براہوا۔ خدا کی قسم! تم نے جنگ کی آگ بھڑکا دی۔ تمہارے ساتھ جنگ کی جاتی ہے اور تم جنگ نہیں کرتے، تمہارے اطراف کم کر دیئے گئے اور تمہیں کوئی غصہ نہ آیا، وہ تم سے بے خبر نہیں اور تم غفلت کی نیند سو رہے ہو۔ بخدا! اے چھوڑ جانے والو! وہ غالب رہے، خدا کی قسم میں تمہارے بارے میں گمان کرتا ہوں کہ اگر جنگ بھڑک اٹھے، موت کا بازار گرم ہو جائے، تو تم علی بن ابی طالب سے یوں الگ ہو جاؤ جیسے سر (تن سے) الگ ہو جاتا ہے۔“

لاڈلے شیعوں کی بزدلی و غداری اور فتنہ و فساد کی یادگیری

کم ادا ریکم کماتداری البکار العمدة، ولثیاب المتداعية
کلما حیصت من جانب تهتکت من آخر، کلما اطل
علیکم منسر من مناسر أهل الشام أغلق کل رجل منکم
بابه، وانحجر انحجار الضبة فی جحرها، والضبع فی
وجارها۔ الذلیل واللہ من نصرتموه! ومن رمی بکم فقد رمی
بأفوق ناصل۔ إنکم واللہ۔ لکثیر فی الباحات قليل تحت
الرایات، وإنی لعالم بما یصلحکم، ویقیم أودکم، ولکنی لا
أری إصلاحکم بافساد نفسی أضرع اللہ حدودکم،

وانعس حدودکم لاتعرفون الحق کمعرفکم الباطل،
ولاتبطلون الباطل کایطالکم الحق۔ [تہج البلاغہ ص ۹۸-۹۹]
ترجمہ: ”میں تمہارے ساتھ کتنی نرمی کروں، جس طرح کہ کسی پھٹے پرانے
کپڑے سے نرمی کے ساتھ پیش آیا جاتا ہے تاکہ وہ مزید نہ پھٹ
جائے، ایسا کپڑا کہ جب اسے ایک طرف سے سیا جائے تو دوسری
طرف سے پھٹ جاتا ہے، جب بھی اہل شام کے لشکروں میں سے کسی
لشکر نے تم پر حملہ کیا تو تم میں سے ہر آدمی نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر
لیا، یوں اپنے گھروں میں گھس گئے جیسے گواہ اپنے بل میں گھس جاتی ہے،
جو اپنے بھٹ میں گھس جاتا ہے، بخدا کسی کی تم مدد کرو گے؟ جس نے تم
پر تیر چلایا گویا اس نے بغیر دھار والا تیر چلایا۔ خدا کی قسم! تم اجتماعات میں
بہت زیادہ ہو، جھنڈوں تلے بہت کم ہو، میں جانتا ہوں کس چیز سے
تمہاری اصلاح ہوگی، تمہارا ٹیڑھا پن دور ہوگا؟ لیکن میں تمہاری اصلاح
کے لیے اپنے آپ کو خراب نہیں کر سکتا، خدا تمہارے رخسارے خراب اور
تمہارے بڑوں کو تباہ کرے، تم جس طرح باطل کو پہچانتے ہو، حق کو نہیں
پہچانتے۔ جس طرح حق کی تردید کرتے ہو باطل کی تردید نہیں کرتے۔“

لاڈلے شیعہ عہد و پیمان توڑنے والے

وقد ترون عهود اللہ منقوضة فلا تغضبونا! وأنتم لنقض ذمم
أبائکم تأنفون! وکانت امور اللہ علیکم ترد، وعنکم تصدر،
والیکم ترجع، فمکتتم الظلمة من منزلتکم، وألقینم إليهم
أزمتکم، وأسلمتم امور اللہ فی ایدیہم، یعلمون بالشبهات،

ویسیرون فی الشہوات، وأیم اللہ۔ لو فرقو کم تحت کل کوکب، لجمعکم اللہ لشر یوم لہم۔ [تہج البلاغہ ص ۱۵۴]
ترجمہ: ”تم نے دیکھا کہ خدا کے عہد و پیمان توڑ دیئے گئے اور تمہیں غصہ نہ آیا، تم نے اپنے بڑوں کے کیے عہدوں کو توڑ دیا، خدا کے معاملات تمہاری طرف ہی لوٹائے جائیں گے، تم ہی سے سرزد ہوتے ہیں اور تمہاری ہی طرف لوٹائے جائیں گے، تم نے اپنے مقام کو تاریک کر دیا، تم نے اپنی سختیاں ان پر ڈال دیں، خدائی امور ان کے ہاتھوں میں دے دیئے، وہ شبہات پر عمل پیرا ہیں۔ شہوت رانیاں کرتے ہیں، خدا کی قسم، اگر وہ تمہیں ہر ایک ستارے کے نیچے بھی چھوڑ جائیں تو خدا اس دن تم سب کو شر کے لیے جمع کر دے گا۔“

کأنی أنظر إلیکم تکشون کشیش الضباب، لا تأخذون حقاً ولا تمنعون ضیماً، قد خلیت والطریق، فالنجاۃ للمقتحم، والهلکۃ للمتلوم۔ [تہج البلاغہ، ص ۱۸۰]

ترجمہ: ”گویا میں تمہیں گویہ کی طرح پھنکارتے دیکھ رہا ہوں، نہ حق پر عمل کرتے ہو نہ ظلم و زیادتی کو روکتے ہو، راستے کھلے چھوڑ دیئے گئے ہیں، کمزور کے لیے نجات ہے اور مقابلہ کرنے والے کے لیے ہلاکت ہے۔“

لاؤلے شیعوں پر افسوس اور اپنے بھائی صحابہ کرامؓ پر رشک

فإن استقمتم ہدیتکم، وإن اعوججتم قومتمکم، وإن أیتتم تدارکتکم، لکان التوفیق، ولكن بمن والی من؟
أرید أن اداوی بکم وأنتم دائی کناقش الشوکیۃ بالشوکیۃ،

وهو یعلم أن ضلعها معها اللهم قد ملت أطباء هذا الداء الدوی، وکلت النزعة بأشطان الرکی! أين القوم الذین دعوا إلی الاسلام فقبلوه، وقرؤوا القرآن فأحکموه، وهيجوا إلی الجهاد فولهوا وله اللقاح إلی ولدھا، وسلبوا السیوف اغمادھا، وأخذوا بأطراف الأرض زحفاً زحفاً، وصفأ صفأ۔ بعض هلك وبعض نجا، لا یبشرون بالاحیاء، ولا یعززون عن الموتی۔ مره العیون من البکاء، خمص البطون من الصیام: ذبل الشفاه من الدعاء، صفر الألوان من السهر، علی وجوهم غبرۃ الخاشعین۔ اولئک إخوانی الذاهبون۔ فحق لنا أن نظماً إلیهم ونعص الأیدی علی فراقهم۔ [تہج البلاغہ ص ۱۷۷-۱۷۸]

ترجمہ: ”اگر تم سیدھے راستے پر چلو تو میں تمہاری رہنمائی کرو، کج روی کرو تو تمہیں سیدھا کر دوں، اگر انکار کرو تو تمہاری اصلاح کروں، جو بہت پختہ ہوتی، لیکن کس کی اصلاح کروں؟ کس کی طرف جاؤں؟ میں چاہتا ہوں کہ تم سے ہی تمہارا علاج کروں، جیسے کوئی کانٹے کو کانٹے سے نکالے، یہ جانتے ہوئے کہ:

کہاں ہیں وہ لوگ جنہیں اسلام کی طرف بلایا گیا تو انہوں نے اسلام قبول کیا۔ قرآن پڑھا تو اس کے مطابق فیصلے کیے، جہاد پر برا بیچنے کیا گیا تو شوق سے جہاد کے لیے بڑھے، دشمن کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے صف بہ صف زمین کے کناروں کو جالیا، اپنی تلواریں میانوں سے نکال لیں، کچھ ہلاک ہو گئے، کچھ بچ گئے،

نہ زندہ بچ جانے والوں کی خوشخبریاں دیا کرتے تھے نہ مرنے والوں کی تعزیت کیا کرتے تھے، روتے روتے ”اللہ کے خوف سے“ ان کی آنکھیں سوکھ گئیں، روزوں کی کثرت سے پیٹ اندر کودھنس گئے، دعاؤں کی کثرت سے ہونٹ خشک ہو گئے، راتیں جاگ جاگ کر رنگ زرد ہو گئے، ان کے چہروں پر خدا سے ڈرنے والوں کا سا نور تھا۔ وہ چلے جانے والے میرے بھائی تھے، اگر ہم ان کے مشاق ہوں تو یہ ہمارا حق ہے، ان کے فراق میں ہم اپنے ہاتھ چبا ڈالیں تو یہ ہمارا حق ہے۔“

اپنے لاڈلے شیعوں کو آخری بددعا

ماہی إلا الكوفة، أقبضها وأبسطها، إن لم تكوني إلا أنت
تهب أعاصيرك فقبحك الله..... اللهم إني قد مللتهم
وملوني، وسئمتهم وسئمونني فأبدلني بهم خيرا منهم،
وأبدلهم شرًا مني، اللهم مٹ قلوبهم كما مٹ الملح في
الماء۔ [”نهج البلاغة“ ص ۶۶-۶۷]

ترجمہ: ”حضرت علی المرتضیٰ لاڈلے شیعوں کو بددعا دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کوفہ ہی تھا جو سب سے بڑا اور سب دور تھا، سوائے تیرے کوئی نہیں تھا جس میں اندھیاں چلا کرتی تھیں، خدا تجھے برباد کرے! یا اللہ میں ان سے اکتا گیا ہوں وہ مجھ سے اکتا گئے ہیں، میں ان سے تنگ ہو چکا ہوں، یا اللہ مجھے اس کے بدلہ میں بہتر آدمی عطا فرما اور انہیں میرے بدلہ میں برا قائد عطا فرما! یا اللہ ان کے دلوں کو اس طرح بہا دے، جس طرح پانی میں نمک بہہ جاتا ہے۔“

حضرت حسین رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہیں

آری واللہ معاویہ خیر لی من هؤلاء یذعمون أنهم لی شیعة،
ابتغوا قتلی وأخذوا مالی۔ [”الاحتجاج“ ص ۱۴۸]

ترجمہ: ”خدا کی قسم میں معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے لیے ان لوگوں سے بہتر سمجھتا ہوں، جو اپنے آپ کو میرا گروہ ”شیعہ“ کہتے ہیں۔ ان لوگوں نے مجھے قتل کرنا چاہا، اور میرا مال چھین لیا۔“

لاڈلے شیعوں سے امام حسن رضی اللہ عنہ کی آخری گفتگو

عرفت أهل الكوفة وبلوتهم، ولا يصلح لي من كان منهم
فاسداً، إنهم لا وفاء لهم ولا ذمة في قول ولا فعل، إنهم
مختلفون ويقولون لنا إنا قلوبهم معنا، وإن سيوفهم
لمشهوره علينا۔ [”احتجاج للطبرسی“ ص ۱۴۹]

ترجمہ: ”میں کوفہ اور ان کی آزمائش کو جانتا ہوں، ان میں جو فاسد ہے وہ میرے لیے درست نہیں ہو سکتا، اس میں وفا ہے نہ قول و عمل کی ذمہ داری! وہ اختلاف کرنے والے ہیں، ہم سے کہتے ہیں کہ ان کے دل ہمارے ساتھ ہیں اور پھر انہوں نے ہم ہی پر تلواریں سونت رکھی ہیں۔“

امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے لاڈلے شیعوں سے فرماتے ہیں

يا شيث بن ربيع! ويا حجار بن أبحرا ويا قيس بن الأشعث!
ويا يزيد بن الحارث! (اسماء شيعته) ألم تكتبوا إلي أن قد
أينعت الثمار وأخضر الجنات وإنما تقدم علي جندك

مجندہ۔ [الارشاد للمفید ص ۲۳۴۔ "إعلام الوری بأعلام الہدیٰ"

للطبراسی، ص ۲۴۲]

ترجمہ: "اے شیعت بن ربیع! اے حجار بن ابجر! اے قیس بن اشعث، اے یزید بن حارث! "یہ سب آپ کے شیعہ ہیں" کیا تم نے مجھے لکھا نہیں تھا کہ پھل پک چکے ہیں، باغات سرسبز ہو چکے ہیں، آپ اپنے تیار شدہ لشکر کی طرف تشریف لے آئے۔"

حربن یزید تمیمی نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے پیغام پہنچایا

لاؤ لے شیعوں سے بالواسطہ خطاب

یا اهل الكوفة! لا مکم الہبل والعبر ادعوتم هذا العبد الصالح حتی اذا جاء کم اسلمتوه وزعمتم انکم قاتلوا انفسکم دونہ، ثم عدوتم علیہ لتقتلوه وامسکتکم بنفسہ واخذتم بکظمہ واحطتم بہ من کل جانب لتمنعوه التوجہ فی بلاد اللہ العریضۃ فصار کالاً سیر فی ایدیکم لایملک لنفسہ نفعاً ولا یدفع عنها ضرراً وجلأ تموه ونسائه وصبیته وأہلہ عن ماء الفرات جاری یشربہ الیہود والنصارى ولمجوس وتمرغ فیہ خنازیر السواد وکلابہ۔ فہا ہم قد صرعہم العطش بئس ماخلفتم محمداً فی ذریۃ لا سقاکم

اللہ یوم الظمأ۔ [اعلام الوری للطبرسی ص ۲۴۳]

ترجمہ: "اے کوفہ والو! تمہیں تمہاری ماں گم پائے، تم نے اس نیک آدمی کو بلایا کہ وہ تمہارے پاس آئے تو تم اس کی اطاعت کرو، تم نے سوچا کہ

تم اس کے دشمن سے لڑائی کرو گے، مگر وہ جب تمہارے پاس آیا تو تم اس کے دشمن ہو گئے تاکہ اسے قتل کر ڈالو، اس کو روک لیا، اسے بند کر لیا، ہر طرف سے گھیر لیا، خدا کی وسیع و عریض زمین اس پر تنگ کر دی، وہ تمہارے ہاتھوں میں ایک ایسا قیدی بن گیا جو نہ خود کو کوئی نفع پہنچا سکتا ہے نہ کسی نقصان سے بچا سکتا ہے، تم نے اس پر، اس کی عورتوں پر، اس کے بچوں پر فترات کا بہتا پانی بند کر دیا، وہ پانی جسے یہودی نصرانی اور مجوسی پی سکتے ہیں۔ جس سے ارد گرد کے خنزیر اور کتے سیراب ہوئے لیکن حسین رضی اللہ عنہ نے پیاس کی شدت سے پچھاڑیں کھائیں، تم نے محمد مصطفیٰ کی اولاد سے بہت برا سلوک کیا، خدا تمہیں پیاس والے دن پانی نہ پلائے۔"

نزدق شاعر کی افادیت والی گفتگو

قال: حججت بامی فی سنة ستین فبینا أنا أسوق بعیرھا حین دخلت الحرم إذ لقیۃ الحسین بن علی علیہما السلام خارجاً من مکة مع أسیافہ وأتراسہ، فقلت: لمن هذا القطار؟ فقیل: للحسین بن علی علیہما السلام فأتیتہ فسلمت علیہ وقلت لہ: أعطاک اللہ سؤلک واملک فیما تحب بأبی أنت وأمی یا ابن رسول اللہ ما أعجلک عن الحج؟ فقال: لولم اعجل لأخذت، ثم قال لی: من أنت؟ قلت: امرؤ من العرب، فلا واللہ ما فتشنی عن أكثر من ذلك، ثم قال لی: أخبرنی عن الناس خلفک، فقلت: الخبیر

سألت۔ قلوب الناس معك وأسيافهم عليك، والقضاء ينزل من السماء والله يفعل ما يشاء۔ [”الارشاد“ ص ۲۱۸]

ترجمہ: ”فرزدق شاعر نے کہا، میں نے اپنی ماں کے ساتھ ۶۰ھ میں حج کیا، میں اپنی والدہ کی اونٹنی کو لیے جا رہا تھا۔ جب حرم میں داخل ہوا تو اچانک حسین بن علی علیہما السلام سے ملاقات ہو گئی، آپ مکہ سے باہر تلواروں اور ڈھالوں کے ساتھ موجود تھے، میں نے پوچھا: یہ قطار کس کی ہے؟ بتایا گیا کہ، حسین بن علی علیہما السلام کی، میں آپ کے پاس آیا، سلام کیا اور ان سے کہا، خدا آپ کی مانگی چیز آپ کو دے، جو آپ چاہتے ہیں، وہ آپ کو ملے، میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ ﷺ نے حج سے اتنی جلدی کیوں کی؟ آپ نے کہا: اگر میں جلدی نہ کرتا تو مجھے پکڑ لیا جاتا، پھر مجھ سے پوچھا، تو کون ہے؟ میں نے کہا: عرب کا ایک آدمی ہوں، بخدا اس سے زیادہ انہوں نے میری تفتیش نہیں کی، پھر مجھ سے کہنے لگے، مجھے ان لوگوں کے بارے میں بتاؤ جنہیں اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو، میں نے کہا: آپ ﷺ نے باخبر آدمی سے پوچھا، لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی تلواریں آپ ہی پڑیں گی، تقدیر آسمانوں سے اترتی ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔“

جہاں تک حسین ﷺ کا تعلق ہے تو آپ ﷺ نے جب دیکھا کہ آپ ﷺ کو اکیلا چھوڑ دیا گیا ہے، آپ ﷺ کے خاندان کو مصیبت میں مبتلا کر دیا گیا، آپ کی مدد نہیں کی جا رہی، تو آپ ﷺ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان لوگوں کے پاس گئے۔

اور ایک دفعہ پھر اپنے لاڈلے شیعوں سے فرمایا

يا أهل الكوفة قبحالكم وتعسا حين استصرختمونا والهين فأتينا موجفين، فشحذتم علينا سيفاً كان في أيمننا، وحششتم علينا ناراً نحن اضرمنناها على أعدائكم وأعدائنا، فأصبحتم ألباً على أولياءكم ويدا لأعدائكم، من غير عدل افشوه فيكم، ولا ذنب كان منا إليكم، فلکم الويلات هلا إذكرهتمونا والسيف ماشيم الجاش ماطاش والرأى لم يستحصد ولكنكم أسرعتم إلى بيعتنا اسراع الدنيا، وتهافتتم إليها كتهافت الفراش، ثم نقضتموها سفهاً وضلة وطاعة لطواغيت الأمة وبقيّة الأحزاب ونبذة الكتاب، ثم أنتم هؤلاء تتخاذلون عنا وتقتلوننا، ألا لعنة الله على الظالمين، ثم حرك إليهم فرسه وسيفه مصلت في يده وهو آيس من نفسه۔ [”كشف الغمة“ ج ۲، ص ۱۸-۱۹]

ترجمہ: ”امام حسین ﷺ نے فرمایا ”اے کوفہ والو! تمہارا برا ہو، تم برباد ہو جاؤ، جب تم نے ہمیں کمزور کے عالم میں مدد کے لیے پکارا تو ہم دوڑتے ہوئے تمہارے پاس آئے، پھر تم نے ہم پر تلواریں اٹھائیں، تم نے ہمیں اس آگ میں جھونک دیا جو ہم نے اپنے تمہارے دشمنوں کے لیے بھڑکائی تھی، تم نے اپنے ہی دوستوں کے خلاف اپنے دشمنوں کے دست و بازو بن گئے، انہوں نے نا انصافی تمہارے اندر پھونک دی، ہم نے تمہارا کوئی گناہ نہیں کیا تھا، تم ہلاک و تباہ ہو جاؤ اگر تم ہمیں ناپسند

کرتے ہو، تلوار نہ اٹھتی، غصے کے مارے عقل نہ کھوجاتی، ارادہ غضبناک نہ ہوتا، مگر تم نے ہماری بیعت کرنے میں جلدی کی، تم یوں اس پر گرے جیسے بستر پر گرا جاتا ہے، تم نے گمراہی اور بیوقوفی کی وجہ سے (عہد) کو توڑ دیا، امت کے باغیوں، سرکشوں، دوسرے گروہوں اور کتاب اللہ کو چھوڑنے والوں کی اطاعت کر لی، تم وہی ہو جو ہم کو چھوڑ گئے ہو، وہی ہو جنہوں نے ہمیں قتل کیا ہے، ”ألا لعنة الله على الظالمين“

پھر امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے گھوڑے کو ان کی طرف بڑھایا، آپ کی تلوار آپ کے ہاتھ میں تھی، اور آپ رضی اللہ عنہ اپنی جان سے مایوس ہو چکے تھے۔“

[کشف الغمۃ ج ۲، ص ۱۸-۱۹]

لاڈلے شیعوں کے لیے امام حسین رضی اللہ عنہ کی آخری بددعا

ثم رفع الحسين (ع) يده وقال: اللهم إن متعتهم إلى حين ففرقهم فارقا واجعلهم طرائق قديدا، ولا ترض الولاية عنهم أبدا، فانهم دعونا لينصرونا ثم عدوا علينا فقتلونا۔

[”الارشاد“ ص ۲۴۱]

ترجمہ: ”اس کے بعد امام حسین رضی اللہ عنہ نے ہاتھ اٹھا کر کہنا شروع کیا، یا اللہ اگر تو انہیں کچھ عرصہ تک باقی رکھے تو ان میں تفریق ڈال دے، انہیں پارہ پارہ کر دے، ان کے دلیوں سے کبھی خوش نہ ہو، ان لوگوں نے ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا، پھر ہم سے دشمنی کرتے ہوئے ہمیں قتل کر ڈالا۔“

علی بن حسین رضی اللہ عنہ بھی، جن کا لقب زین العابدین رضی اللہ عنہ ہے، ان کی حقیقت

پہاں کرتے ہوئے۔ ان شیعوں کے چہروں سے نقاب اٹھاتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

لاڈلے شیعوں سے علی بن حسین رضی اللہ عنہ کی آخری گفتگو

ان اليهود أحبوا عزيزا حتى قالوا فيه ماقالوا، فلا عزيز منهم ولا هم من عزيز، وإن النصارى أحبوا عيسى حتى قالوا فيه ماقالوا فلا عيسى منهم ولا هم من عيسى، وأنا على سنة من ذلك، ان قوما من شيعتنا سيحبونا حتى يقولوا فينا ماقات اليهود في عزيز وما قالت النصارى في عيسى، فلا هم منا ولانحن منهم۔ [رجال الكشي، ص ۱۱]

ترجمہ: ”علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”یہود نے عزیز سے محبت کی، ان کے بارے میں جو کچھ کیا سو کیا، نہ عزیز علیہ السلام کا ان سے کوئی تعلق، نہ ان کا عزیز علیہ السلام سے کوئی تعلق۔ نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے محبت کی، نہ عیسیٰ علیہ السلام کا نصاریٰ سے کوئی تعلق، نہ ان کا عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعلق۔ میں بھی انہی جیسا ہوں، ہماری قوم شیعہ بھی ہم سے محبت کرے گی، اور ہمارے بارے میں وہی کچھ کہے گی، جو یہود نے عزیز علیہ السلام اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا تھا۔ نہ ان لوگوں کا ہم سے کوئی تعلق، نہ ہمارا ان سے کوئی تعلق۔“

یہ ہے آپ کا گروہ جس نے آپ کو چھوڑ دیا، آپ سے الگ ہو گیا۔ سوائے پانچ آدمیوں کے کوئی بھی آپ کے ساتھ نہیں رہا۔

امام جعفر بن باقر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق پانچ بھی نہیں، صرف تین آدمی تھے کہتے ہیں۔

ارتد الناس بعد قتل الحسين (ع) إلا ثلاثة، ابو خالد الكابلي، ويحيى بن ام الطويل وجبير بن مطعم۔ [رجال الكشي، ص ۱۱۳] ترجمہ: ”حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سوائے تین آدمیوں کے تمام لوگ مرتد ہو گئے تھے۔ وہ تین آدمی، ابو خالد کابلی، یحییٰ بن ام الطویل، جبیر بن مطعم ہیں۔“

لاؤ لے شیعوں سے مایوس محمد باقر رضی اللہ عنہ

لو كان الناس كلهم لنا شيعة لكان ثلاثة ارباعهم لنا شكاً والربع الآخر احمق۔ [رجال الكشي، ص ۱۷۹] ترجمہ: ”اگر سب کے لوگ بھی ہمارے شیعہ میں آجاتے، تو ان میں سے تین چوتھائی شک کرنے والے، اور ایک چوتھائی احمق ہوتے۔“

شیعہ حضرات کے اہم راوی

روی مسمع أنه سمع أبا عبد الله يقول: لعن الله بريداً، لعن الله زرارة۔ [رجال الكشي، ص ۱۳۴] ترجمہ: ”مسمع نے روایت بیان کی ہے کہ اس نے ابو عبد اللہ کو کہتے سنا ہے: ”خدا برید پر لعنت کرے، خدا زرارہ پر لعنت کرے۔“

وأما ابوبصير فقالوا: إن الكلاب كانت تشعر في وجه أبي بصير۔ [رجال الكشي، ص ۱۱۵۵] ترجمہ: ”ابو بصیر کے بارے میں کہتے ہیں کہ: ”کتے ٹانگیں اٹھا کر ابو بصیر کے منہ میں پیشاب کیا کرتے تھے۔“

آخر میں ایک ہی شیعہ رہ گیا

ما وجدت أحداً يقبل وصيتي ويطيع أمري إلا عبد الله بن يعفور۔ [رجال الكشي، ص ۲۱۳]

ترجمہ: ”ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”مجھے ایک آدمی بھی ایسا نہیں ملا جو میری وصیت قبول کرے اور میرا حکم مانے، سوائے عبد اللہ بن یعفور کے“ دوسری دفعہ فرماتے ہیں:

مالككم وللناس قد حملتم الناس على؟ والله ما وجدت أحداً يطيعني ويأخذ بقولي إلا رجلاً واحداً عبد الله بن يعفور، فاني أمرته وأوصيته بوصيته فاتبع أمري وأخذ بقولي۔

[رجال الكشي، ص ۲۱۰]

ترجمہ: ”تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم لوگوں کو میرے خلاف اُکساتے ہو؟ خدا کی قسم! مجھے ایک آدمی بھی ایسا نہیں ملا جو میری اطاعت کرتا اور میری بات قبول کرتا، سوائے ایک آدمی کے وہ عبد اللہ بن یعفور ہے، میں نے اسے حکم دیا، وصیت کی، اُس نے میرے حکم کی اتباع کی، میری بات پر عمل کیا۔“

عبد اللہ بن یعفور کی امام سے آخری گفتگو

قلت لأبي عبد الله عليه السلام: إني اخالط الناس فيكثر عجبى من أقوام لا يتولونكم ويتولون فلانا وفلانا لهم أمانة وصدق ووفاء، وأقوام يتولونكم ليس لهم تلك الأمانة ولا الوفاء ولا الصدق۔ [اصول کافی، ج ۱، ص ۳۷۵]

ترجمہ: ”عبداللہ بن یعفور کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے کہا: میں لوگوں سے ملتا رہتا ہوں: میری حیرت بڑھ جاتی ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ وہ لوگ جو آپ سے دوستی نہیں رکھتے ہیں، وہ امانت دار سچے اور وفادار ہیں اور وہ لوگ جو آپ سے دوستی رکھتے ہیں، وہ نہ امانت دار ہیں نہ وفادار اور نہ سچے۔“

آپ کے بیٹے موسیٰ نے ان لوگوں کی جو تعریف بیان کی ہے، ان کی حقیقت جاننے کے لیے اس سے زیادہ جامع و مانع تعریف نہیں کی جاسکتی۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی لاڈلے شیعوں کے بارے میں آخری گفتگو لو میزت شیعہ لم أجدہم إلا واصفہ، ولو امتحتہم لما وجدتہم إلا مرتدین، ولو تمحصتہم لما خلص من الألف واحد، ولو غربلتہم غربلة لم یبق منہم إلا ما کان لی، انہم طالما اتکوا علی الأرائک، فقالوا: نحن شیعۃ علی۔

[الروضة من الکافی، ج ۸، ص ۲۲۸]

ترجمہ: ”اگر میرے شیعہ میں مجھے کوئی ممتاز وصف ملا ہے، تو یہ کہ اگر میں نے ان کا امتحان لیا تو انہیں مرتد پایا ہے، انہیں آزمایا تو ہزار میں سے ایک بھی مخلص نہیں تھا، اگر انہیں چھلنی میں چھانا ہے تو میرے پاس جو تھا اس کے سوا ایک بھی نہیں بچا، عرصہ گزر گیا ہے کہ وہ لوگ تلیوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم شیعہ علی ہیں۔“

یہ ہیں حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کے اہل بیت اور یہ ان کے خیالات اور اقوال ان لوگوں کے بارے میں، جن کا دعویٰ ہے کہ ہم شیعہ اہل بیت ہیں، اہل بیت

کے پیرو اور ان سے محبت کرنے والے ہیں۔ اہل بیت ان لوگوں کے لیے تباہی و بربادی کی دعا کر رہے ہیں، ان پر لعنت پھٹکار بھیج رہے ہیں۔“

قارئین کرام!

اسلام کے دشمن ہر نئے اور پرانے دور میں عوام کو قرآن و حدیث سے منحرف کرنے کی سرپٹ کوشش میں مصروف رہے ہیں تو جب اس میدان میں ناکام ہوئے تو پھر انہوں نے یہ حیلہ کیا کہ اس کتاب و سنت کی اشاعت کے جو اصل داعی اور زہمان ہیں۔ ان کی صداقت کو اس قدر مجروح کر دیا جائے تاکہ کوئی ان کی بات سننے ہی نہ پائے چنانچہ پھر انہوں نے صحابہ و اہلبیت پر طعن و تشنیع اور ان پر ہر طرح کے عیب لگانے شروع کر دیئے اور اس معرکہ میں کھل کر سامنے آ گئے کیونکہ وہ پوری طرح بھانپ گئے تھے کہ اصل دین کی اساس اور توحید کے علم بردار صحابہ و اہلبیت ہی ہیں، جنہوں نے شرک و بدعت اور بے دینی کے جراثیم کو چن چن کر باہر پھینک ڈالا ہے لہذا اگر ہم نے ان کو کسی طرح مجروح نہ کیا تو پھر کسی صورت بھی ہم اپنے موقف میں کامیاب نہیں ہوں گے تو یہ ان کا اپنا فاسدانہ خیال تھا۔ جس کو عملی جامہ پہنانے میں وہ برس پیکار ہو گئے، مگر وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے خود عزت دی اور ان کی امانت و دیانت کو بھی خود اپنی کلام میں واضح کیا بار بار ان کو جنت کی بشارتیں دیں اور اپنا رضاء و خوشنودی کے بھی ان کو سرٹیفیکیٹ دے دیئے تو پھر کون ہے جو اپنے مکرو فریب سے ان کے مقام میں کوئی کمی واقع کر سکے، کیونکہ وہ تو ایسے امین ہیں جنہوں نے دین کی ایسی امانت کو سنبھالا ہے۔ جس کا سلسلہ نزول بھی ایسی سچی اور پکی امین ہستی پر ہوا ہے جس کا خواب بھی شیطان کے ہر دجل سے پاک رکھا گیا ہے اور اس کے نزول کے وقت شیطان کا آسمان کی طرف جانے کا راستہ تھا وہ بھی بند کر دیا گیا

تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حق و باطل کی آپس میں آمیزش ہو جائے۔ تو آخرت میں بھی اسی طرح ہوگا کہ جنت کے ثمرات انہی لوگوں کے پیٹ ہضم کریں گے جن کے پیٹ پاک اور طیب ہوں گے ورنہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ حرام کھانے والے لوگوں کے پیٹ جنت کے ثمرات ہضم کر سکیں، کیونکہ طیب۔ طیب کو ہی پکڑتا اور جگہ دیتا ہے، ناپاک کی طرف اس کا معمولی سا بھی جھکاؤ نہیں ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم بھی طیب تھے جنہوں نے طیب کو اخذ کیا ناپاک کو اگل دیا اور بولا تو ایسا بولا جس نے کڑوے دریاؤں کو بھی میٹھا کر دیا اگر کڑے تو بھی حق کی خاطر ہی لڑے جس میں دنیا کا کوئی مفاد سامنے نہ تھا تو پھر اللہ نے بھی انہی ایسا صلہ دیا کہ تمام انبیاء کی اُمتوں سے انہی کو اپنی آخری کتاب میں بہتر اُمت قرار دے دیا۔

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ [آل عمران: ۱۱۰]

ترجمہ: ”تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کی اصلاح کے لیے نکالی گئی ہو۔“

مختصر تشریح

غور فرمائیے کہ جن لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو میں نے لوگوں کی اصلاح کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ وہ جماعت ہے جو دنیا میں تمام آنے والی جماعتوں سے بہتر جماعت ہے جس کا اب کوئی بھی ثانی نہیں تو پھر وہ شخص جو اس نص کے بعد بھی اپنی انانیت پر مصر رہا اور اللہ تعالیٰ کے اس فتویٰ کو نظر انداز کر کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی معرکہ آرا ہوا تو پھر ایسا شخص بھی تمام مسلمانوں کے نزدیک کافر ہے اور دین سے اس طرح نکل گیا ہے جس طرح آلے سے بال نکل گیا ہوتا ہے کیونکہ اس نے ایک ایسی جماعت کو نشانہ بنایا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے (شہداء) کے اعزاز سے بھی نوازا ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى

النَّاسِ﴾ [البقرة: ۱۴۳]

ترجمہ: ”اور اسی طرح ہم نے تم کو بیچ کی اُمت بنایا ہے تاکہ تم تمام لوگوں پر شہادت دو۔“

تو اس آیت کا بھی واضح مفہوم یہی ہے کہ اگر یہ لوگ صادق و امین نہ ہوتے تو کیا اللہ تعالیٰ ان کو (شہداء) کے خطاب سے نواز سکتا تھا۔

اور مزید اُن کی قرآن میں بار بار تعریفیں کی جاسکتی تھیں جس طرح ارشاد باری ہے:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ تَبَوَّأُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُجِزُونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شَحْنَنَفْسِهِ فَاُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ ۝﴾

[الحشر: ۷ تا ۱۰]

ترجمہ: ”یہ مال فقراءِ مہاجرین کے لیے ہیں جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے ہیں۔ جو محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا مندی کے

طلب گار ہیں اور پھر اللہ اور اس کے رسول کی بھی مدد کرتے ہیں تو یہی لوگ سچے ہیں اور ان انصار کا بھی (حق) ہے جو مہاجرین سے پہلے اپنے گھروں میں ٹھہرے رہے اور ایمان لائے اور پھر جو کوئی مسلمان ان کی طرف ہجرت کرے آتا تو وہ اس سے محبت بھی کرتے ہیں حتیٰ کہ (مہاجرین کو جو مال دیا جاتا) اس کے متعلق بھی وہ اپنے دلوں میں خلش تک نہ پاتے بلکہ وہ تو اپنی ضروریات پر ان کی ضروریات کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان کو بھی اس کی اشد ضرورت کیوں نہ ہو اور (حقیقت) ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس کو بخیلی سے بچالیا تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں اور ان لوگوں کا بھی (حق ہے) جو ان کے بعد آئے اور وہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ان ہمارے بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں، اور (یہ بھی) کہ ان ایمانداروں کا ہمارے دلوں میں کوئی کینہ مت آنے دے، اے ہمارے رب بے شک تو ہی بے حد شفقت کرنے والا مہربان ہے۔“

مختصر تشریح

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بھوک کی شکایت کی تو اس وقت آپ ﷺ کے گھر کوئی کھانے کی چیز نہ تھی، ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو وہ اس کو اپنے گھر لے گئے اور اپنی بیوی کو کہا کہ یہ اللہ کے رسول کا مہمان ہے لہذا یہ کسی طرح گھر سے بھوکا نہ جائے، بیوی نے کہا واللہ گھر میں تو صرف بچوں کے لیے تھوڑا سا کھانا ہے اگر انہیں نہ کھلایا تو وہ ساری رات چیختے رہیں گے تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا، بچوں کو کسی اور چیز

کے ساتھ بہلا کر سلا دینا اور جب مہمان آئے تو اس کے سامنے کھانا جن دینے کے بعد چراغ کو بھی بڑی جلدی سے درست کرنے کے بہانے بجا دینا تا کہ مہمان سیر ہو کر کھالے اور یہ معلوم کرے کہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ جو میرے ساتھ بیٹھا ہے یہ بھی میرے ساتھ شریک کھاتا ہے تو ایسے ہی ہوا کہ کھانا رکھنے کے بعد ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بھی ساتھ بیٹھ گئے بیوی نے چراغ بجا دیا تو کیا ہوا کہ مہمان نے پیٹ بھر کر کھالیا مگر ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کچھ نہ کھایا جب صبح کے وقت آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا رات کو جو تم نے اپنے مہمان کے ساتھ کیا ہے اللہ تعالیٰ اس پر بہت خوش ہوا ہے اور اس نے اس آیت ﴿وَيُؤْتِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ کو آخر تک تمہارے حق میں ہی نازل فرمایا ہے تو اسی طرح ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لاتسبوا أصحابی فوالذی نفسی بیدہ لو أن احدکم أنفق مثل أحد ذهباً ما بلغ مدأ أحدہم ولا نصیفہ۔ [بخاری و مسلم]

ترجمہ: ”اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی مت دو کیونکہ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تمہارا کوئی ایک احد پہاڑ کی مانند سونا بھی خرچ کرے تو ان میں میری جان ہے اگر تمہارا کوئی ایک احد پہاڑ کی مانند سونا بھی خرچ کر لے تو ان میرے صحابہ میں سے کسی ایک کے مد خرچ کیے ہوئے کو بھی نہیں پہنچ سکتا بلکہ آدھے کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔“

خلاصہ الکلام: آپ غور فرمائیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف کس انداز سے کی

جاری ہے اور کتنی کی جارہی ہے اور پھر قرآن نے صرف ایک مرتبہ کہنے پر اتفاق نہیں کیا بلکہ بار بار ان کا تقویٰ پر ہیز گاری اور پارسائی کو اجاگر کیا ہے تو پھر آپ اس کے ساتھ ساتھ اس شخص کی بیوقوفی، جہالت اور گمراہی کا بھی ذرہ اندازہ لگائیں جو ایسے نفوسِ قدسیہ کو برا کہتا اور ان پر عیب لگاتا ہے تو ظاہر ہے کہ ایسا بیوقوفوں اور شیطان کے چیلوں کے علاوہ بھلا اور کون ہو سکتا ہے؟

امام غزالی رحمہ اللہ کا بیان

ویحرم علی الواعظ وغیرہ روایۃ مقتل الحسین وحکایاتہ۔
ترجمہ: ”واعظ اور اس کے علاوہ دوسروں پر بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کے واقعات بیان کرنے ممنوع ہیں۔“

تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اگر ان کے واقعات بیان کیے گئے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق ان کے دلوں میں بدگمانی پیدا ہو جائے تو شیعہ بھی اسی وجہ سے ان واقعات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں تاکہ عوام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بدظن ہو جائیں۔

شیعہ حضرات کا دین قرآن و سنت ہرگز نہیں ہے بلکہ شیعہ حضرات کے دین کا آغاز واقعہ کربلا سے ہوتا ہے۔ لہذا ہم پر ضروری ہے کہ ہم ان معاملات میں شیعہ کا آلہ کار نہ بنیں۔ علامہ ابن الصلاح رحمہ اللہ اور امام نووی رحمہ اللہ کا بھی بیان ہے۔

الصحابة کلہم عدول۔

ترجمہ: ”صحابہ رضی اللہ عنہم تمام کے تمام عادل ہیں۔“

من شتم أحدا من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم أبابکر وعمرؓ أو عثمانؓ أو معاویہ أو عمرو بن عاص۔ فان قال

كانوا علی ضلال أو کفر قتل وإن شتمهم بغير هذا نکل نکالا شديدا۔ [الصارم المسلول: ۵۶۸]

ترجمہ: جس نے آپ ﷺ کے کسی صحابی رضی اللہ عنہ ابوبکرؓ یا عمرؓ یا عثمانؓ یا معاویہؓ یا عمرو بن عاصؓ کو گالی دی، پس اگر یہ کہا کہ وہ گمراہی اور کفر پر تھے تو اسے قتل کیا جائے اور اگر اس کے علاوہ ان کو گالی دی تو اسے عبرت ناک سزا دی جائے۔“

محمد بن یوسف رحمہ اللہ فریابی کا بیان

ان سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ اگر کوئی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گالی دے تو اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے تو انہوں نے فرمایا:

انه کافر قیل فیصلی علیہ قال لا تمسوه بایدیکم اذفعوا بالخشب حتی تواروه فی حفرتہ۔ [الصارم المسلول، ص ۵۷۰]
ترجمہ: ”فرمایا وہ کافر ہے پھر پوچھا گیا کیا اس کا جنازہ پڑھا جائے تو فرمایا اس کو تم ہاتھ مت لگاؤ بلکہ اسے لکڑی سے دھکیل کر اس کو گھرے میں چھپا دو۔“

علامہ طحاوی رحمہ اللہ کا بیان

علامہ طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہیں نہ تو ان میں سے کسی کی محبت میں زیادتی کرتے ہیں اور نہ ہی قطعی طور پر ان کی محبت سے بری ہوتے ہیں بلکہ جو ان سے بغض رکھتا ہے ہم بھی اس سے بغض رکھتے ہیں اور سوائے بھلائی کے اور کچھ ان کے متعلق ذکر نہیں کرتے کیونکہ.....

حبہم دین و ایمان و احسان و بغضہم کفر و نفاق و طغیان۔ [شرح عقیدۃ الطحاوی، ص ۵۲۸]

ترجمہ: ”ان کی محبت ہی دین ایمان اور احسان ہے اور ان کا بغض کفر، نفاق اور سرکشی ہے۔“

امام العصر ابو زرہؓ کا بیان

إذا رأيت الرجل يتفص أحدا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم انه زنديق۔

ترجمہ: ”جب تو کسی آدمی کو دیکھے کہ وہ آپ ﷺ کے کسی صحابیؓ کا مرتبہ گھٹاتا ہے تو جان لے وہ زندقہ ہے۔“

پھر آگے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا رسول سچا ہے۔ قرآن سچا ہے اور جو آپ ﷺ لائے وہ بھی حق ہے تو ظاہر ہے یہ سب کچھ ہم تک پہنچانے والے صحابہؓ ہی ہیں تو جو ان پر عیب لگاتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ کتاب و سنت کو باطل قرار دیتا ہے تو پھر حق یہی ہے کہ خود ایسے لوگ ہی مجروح زندقہ، گمراہ، کاذب اور مفسد ہیں۔ [الصواعق المحرقة، ص ۲۱۱]

خود حضرت علیؓ فرماتے ہیں [

لا يفضلني أحد على أبي بكر وعمر رضي الله عنهما إلا

جلدته حد المفتری۔ [الصارم المسلول ص ۵۸۵]

ترجمہ: ”مجھے کوئی ابو بکرؓ اور عمرؓ پر فضیلت نہ دے ورنہ اگر کسی نے ایسا کیا تو میں اس پر جھوٹے کی حد قائم کروں گا۔“

حضرت جعفر صادقؓ کا بیان

من تبرأ من أبي بكر وعمر فأنا بري منه۔

[حکم من سب الصحابة: ص ۱۳]

ترجمہ: ”جو ابو بکرؓ و عمرؓ سے بیزار ہے تو میں بھی اس سے بیزار ہوں۔“

معرفت و عدالت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معرفت

اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں جن تمام میں سے صرف ایک نکتہ بیان کرنا مقصود ہے تمام کا ذکر کرنا مقصود نہیں تو جاننا چاہیے کہ اگر انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام لوگوں سے اعلیٰ عدل و انصاف صبر و ضبط اور پاکیزہ صفات کی حامل کوئی جماعت ہو سکتی ہے تو وہ صرف صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی معرفت بھی اتنی اہم ہے کہ یہ بھی علم دین کی اصل ہے۔ یہ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی معرفت کی بنا پر ہی ہم صحیح، مرسل، منقطع اور موصول حدیث پہچان سکتے ہیں۔ ورنہ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی معرفت نہ ہو جو کہ اصل حدیث کے ناقل ہیں تو پھر اس پر ہم حدیث کا حکم نہیں لگا سکتے۔ کیونکہ حدیث کو حدیث اسی وقت ہی کہا جاسکتا ہے جب کوئی صحابی آپ ﷺ سے بیان کرے تو جب کسی کو صحابی کی معرفت ہی نہ ہوئی تو پھر وہ صحابی سے بیان کس طرح کر سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ اسمائے رجال کا جو اصل مصدر اور ماخذ ہے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی معرفت ہی ہے ورنہ ان کے علاوہ اور کسی کی معرفت حدیث میں کچھ نفع نہیں ہو سکتی۔

صحابی رضی اللہ عنہ کی تعریف

اہل علم نے صحابی رضی اللہ عنہ کی تعریف میں مختلف آراء کا ذکر کیا ہے لیکن ان تمام سے جو معروف ہے وہ یہ ہے:

ان کل مسلم رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو من الصحابة فاللقاء ولو ساعة لا يدمنه۔

ترجمہ: ”ہر مسلمان جس نے بھی آپ ﷺ کو دیکھا اگرچہ ایک ہی نظر بھر کر دیکھا تو وہ صحابہ رضی اللہ عنہ سے ہے اور اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔“

چنانچہ اسی بنا پر (اصحۃ نجاشی) جو حبشہ کا سربراہ تھا وہ آپ ﷺ پر ایمان تو لایا تھا لیکن آپ ﷺ کو نہ دیکھنے کی وجہ سے صحابی نہیں تھا۔ [علوم الحدیث ص ۲۶۲] امام بخاری رحمہ اللہ نے صحابی کی یوں تعریف کی ہے:

من صحب النبی أوراہ من المسلمین فهو من الصحابة۔ [بخاری فضائل الصحابة]

ترجمہ: ”جو آپ ﷺ کا ساتھی ہوا یا آپ ﷺ کا مسلمانوں سے کسی نے دیکھا تو وہ صحابہ سے ہے۔“

صحابی کا لغوی معنی

لغت کے اعتبار سے اس کا معنی کسی کے ساتھ ہونا۔ کسی کا ساتھی بننا ہے تو صحابی کا یہ معنی ہوا کہ جس کو مطلق آپ ﷺ کا ساتھ نصیب ہوا۔ علامہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ عسقلانی نے صحابی کی تعریف یوں کی ہے:

الصحابی من لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مؤمناً به ومات علی الاسلام۔

”صحابی وہ ہے جس نے ایمان کی حالت میں آپ ﷺ کی ملاقات کی ہے اور پھر اسلام پر ہی فوت ہوا اور (من لقی) کی توضیح یہ ہے کہ بس اس کی آپ کے ساتھ مجلس ہوئی ہو اگرچہ ایک لمحہ ہی ہوئی ہو اور (مؤمناً به) سے مراد یہ ہے کہ ایسا بھی نہ ہو کہ کفر کی حالت میں تو آپ ﷺ کو دیکھا مگر جب ایمان لایا تو پھر اس کے بعد وہ آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکا جیسا کہ ہر قل کا قاصد تھا۔ تو خلاصہ یہ ہے کہ جس نے بھی ایمان کی حالت میں آپ ﷺ کو دیکھا اگرچہ ایک ہی نظر بھر کر دیکھا تو خواہ وہ انسان ہے۔ جن ہے، عورت ہے، مرد ہے، بالغ ہے، نابالغ ہے اور پھر اسی ایمان پر فوت ہو گیا تو وہ صحابی رضی اللہ عنہ ہے اور مزید جاننا کہ وہ بھی صحابی نہیں جس نے آپ ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ پر ایمان لایا مگر بعد میں کوئی قسمت کا ایسا رد عمل ہوا کہ وہ کفر پر فوت ہوا جس طرح کہ (عبداللہ بن جحش) ہے جو نصرانیت پر فوت ہوا ہے۔

اصولیین نے صحابی کی یوں تعریف کی ہے

هو كل من طالت مجالسته للرسول صلى الله عليه وسلم

على طريق التبعية والأخذ منه۔ [تدريب الراوی، ج ۲، ص ۲۱۲]

ترجمہ: ”صحابی وہ ہے جس کی مجلس آپ ﷺ کے ساتھ بطریق آپ ﷺ سے پکڑنے اور پیروی کرنے کے کچھ لمبا عرصہ ہوئی ہے۔“

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عدالت

ناظرین کرام! یہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں کہ جن کے واسطے سے ہمیں یہ دین عظیم کی نعمت ملی ہے اور پھر اسی طرح صاف ستھری اور منقہ صورت میں ملی ہے۔ جس

طرح کہ وہ آپ ﷺ کے مبارک دور میں تھی تو پھر ہم پر بھی ضروری ہے کہ ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل اور مراتب کو بھی اُجاگر کریں اور اُن کی صداقت و عدالت کے جو جو ہر تھے ان کی بھی نشان دہی کریں تاکہ دوسرے بھی انہی عمل میں لا کر اپنی دین و دنیا کی کامیابیوں سے ہمکنار ہوں تو اگر دیکھا جائے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان اور ان کی حیثیت کو نمایاں کرنے والی صرف یہی چیز کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقدس جماعت کو اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لیے پسند فرمایا اور مزید ان کا مقام اور شان قرآن کریم میں ذکر کر دیا۔ تو اب وہ آیات جن میں صحابہ کی صداقت، عدالت، شجاعت ان کے فضائل اور محاسن سورج کی طرح نمایاں ہیں۔ ارشاد باری ہے:

﴿ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ﴾ [فتح: ۲۹]

ترجمہ: ”محمد ﷺ اللہ کا رسول ہے اور جو اس کے ساتھ ہیں، وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں (اور ان کی حالت یہ ہے) کہ جب تو انہیں دیکھتا ہے تو وہ رکوع اور سجدے میں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور اس کا فضل چاہتے ہیں اور ان کے سجدوں کے نشان ان کے چہروں پر نمودار ہیں اور یہی ان کی صفت تورات اور انجیل میں مذکور ہے۔“

مختصر تشریح

سجدوں کے نشان سے مراد چہرے کا وہ نور اور وقار ہے جو کثرت عبادت کی وجہ سے مومن کے چہرے پر نمودار ہوتا ہے چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے

چہرے اسی اعتبار سے ممتاز نظر آتے تھے۔

وقال مالك: بلغني أن النصارى كانوا إذا رأوا الصحابة رضی اللہ عنہم الذين فتحوا الشام يقولون: والله لهؤلاء خير من الحواريين فيما بلغنا۔ [تفسير ابن كثير، ج ۴، ص ۲۱۵]

ترجمہ: ”امام مالک کا بیان ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کی فوجیں شام میں داخل ہوئیں تو وہاں کے عیسائیوں نے جب صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا تو بلبلا اُٹھے کہ مسیح کے حواریوں کی جو ہمیں شان ملتی ہے ان کی تو ان سے بھی کہیں زیادہ ہے۔“

دوسری آیت میں ارشاد باری ہے۔

﴿ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلِ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقَتْلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴾ [الحديد: ۱۰]

ترجمہ: ”جو فتح مکہ سے پہلے لڑا اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کیا تو اس کے برابر وہ کبھی نہیں ہو سکتا جو فتح مکہ کے بعد لڑا اور اس کے راستہ میں خرچ کیا تو ان کا درجہ تو ان سے بہت اونچا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے وعدہ تو ہر ایک کو جنت کا دیا ہے اور جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔“

مختصر تشریح

فتح مکہ سے پہلے لڑنے اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے کی اصل خصوصیت جو تھی وہ یہ تھی کہ اس وقت ایمان کا اظہار اور اس پر استقامت نہایت دشوار تھی اسی وجہ سے ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم میرے سابقین

صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کو برا مت کہا کرو کیونکہ ان کا ایک مدیا نصف مد اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے کا جو درجہ رکھتا ہے اس درجے کو تمہارا احد پہاڑ کی مانند سونا خرچ کرنا بھی نہیں پہنچ سکتا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان کا ایک ساعت کا عمل تمہاری عمر بھر کے عمل سے بہتر ہے اور پھر ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تیار کیا ہے وہ بھی لاٹانی ہے جو کسی کے خواطر میں بھی نہیں آ سکتا۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

فِيهَا مَا لَا عَيْن رَأَتْ وَلَا أَذْن سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبٍ بَشَرٍ۔

ترجمہ: ”اس میں وہ نعمتیں ہیں جنہیں نہ آنکھ نے دیکھا ہے نہ کانوں نے سنا ہے اور نہ ہی کسی آدمی کے دل میں ان کا خیال تک آیا ہے۔“

تیسری آیت میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُتَجَرِّبِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ [توبہ: ۱۰۰]

ترجمہ: ”انصار اور مجاہدین سے جو پہلے ایمان لائے اور وہ جوان کے پیچھے نیکی سے ہو لیے تو ان سب پر اللہ تعالیٰ خوش ہو گیا ہے اور وہ سب اللہ تعالیٰ پر خوش ہو گئے ہیں تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے باغات تیار کیے ہیں کہ نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے تو یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“

مندرجہ بالا آیت کریمہ کا بھی پس منظر واضح ہے کہ پہلے اور بعد میں ایمان لانے

والے اور اس طرح پہلے اور بعد میں ہجرت کرنے والے اور پھر جوان کے پیچھے نیکی سے چلنے والے ہیں تو ان سب نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کو تو پا ہی لیا ہے اور جنت کی حوریں بھی ان کو مدت سے جھانک رہی ہیں لیکن درجات اور مقام میں پھر بھی ان کے درمیان ایک حد فیصل ہے جو پہلے سے ہی کھینچی جا چکی ہے۔ جس طرح کے خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ، بیعت رضوان، بدری، بیعت عقبہ کے اول و ثانی اور وہ کہ جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نمازیں پڑھیں ہیں۔

اسی طرح یہ چوتھی آیت میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾

[فتح: ۱۸]

ترجمہ: ”اے نبی ﷺ یقیناً اللہ تعالیٰ ان مومنوں پر خوش ہو گیا ہے جب کہ وہ ایک درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینت اتاری اور ایک ملنے والی فتح بھی ان کو انعام میں دی کیونکہ اللہ نے ان کے دلوں کا اخلاص جان لیا تھا۔“

مختصر توضیح

جاننا چاہیے کہ اس آیت میں سکینت سے مراد اللہ تعالیٰ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہ قلبی سکون اور اطمینان عطا کرنا ہے جس کی وجہ سے وہ بغیر کسی جھجک اور تردد کے سخت سے سخت خطرات میں اپنے آپ کو جھونک دیتے تھے اور کبھی کسی قسم کی گھبراہٹ محسوس نہیں کرتے تھے تو یہی تسلیم و رضا کا مقام ہے جو انہیں وافر عطا ہوا تھا۔

ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص

نے اس بیعت میں حصہ لیا تو وہ کبھی بھی دوزخ میں نہیں جائے گا۔ غور فرمائیے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود گواہی دی کہ میں ان پر خوش ہو گیا ہوں تو پھر وہ بہت بڑا غلیظ اور خبیث فرقہ ہے جو ایسے مقبول بندوں سے بغض رکھتا ہے۔ پانچویں آیت کریمہ میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ [آل عمران: ۱۱۰]

ترجمہ: ”لوگوں کی اصلاح کے لیے جتنی امتیں ہوئی ان سب سے تم بہتر ہو کیونکہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ نیکی کا حکم اور برائی سے بھی منع کرتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آئیں تو ان کے لیے بھی بہت اچھا ہے اور ان سے بعض مومن بھی ہیں لیکن اکثر ان سے فاسق ہی ہیں۔“

مختصر توضیح

اس آیت کریمہ کا بھی پس منظر واضح ہے کہ جتنی دنیا میں امتیں آئیں ان تمام امتوں سے آپ ﷺ کی امت کا ہی اعلیٰ مقام ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ توحید کا عقیدہ رکھنے کے ساتھ ساتھ نیکی کا حکم اور برائی سے بھی روکتی ہے اسی وجہ سے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ جو اس افضلیت کی تڑپ رکھتا ہے تو اسے اس مذکورہ شرط کو پورا کرنا چاہیے۔ دوسرا اس آیت میں اولین مخاطب ہیں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں تو گویا کہ یہ آیت بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی برتری اور افضلیت کی عکاسی کر رہی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی عدالت کی دوسری دلیل

قرآن کریم کے علاوہ سنت مطہرہ بھی صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی عظمت اور ان کی برتری کو آشکارا کرتی ہے جس طرح کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

۱۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یأتی علی الناس زمان فیغز وفئام من الناس فیقولون هل فیکم من صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیقولون لہم نعم فیفتح لہم ثم یأتی علی الناس زمان فیغز وفئام من الناس فیقال هل فیکم من صاحب أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیقولون نعم فیفتح لہم ثم یأتی علی الناس زمان فیغز وفئام من الناس فیقال هل فیکم من صاحب أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیقولون نعم فیفتح لہم۔

ترجمہ: ”اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایسا وقت آئے گا کہ ان میں سے ایک جماعت غزوہ کرے گی تو وہ کہیں گے کیا تمہارے اندر کوئی اللہ کے رسول ﷺ کا صحابی ہے تو وہ کہیں گے ہاں تو اس کی وجہ سے ان کو فتح دی جائے گی پھر ایک ایسا وقت آئے گا کہ لوگوں سے ایک جماعت غزوہ کرے گی پھر انہیں کہا جائے گا کیا تمہارے اندر کوئی تابعی ہے تو وہ کہیں گے ہاں تو پھر اس کی وجہ سے انہیں فتح دی جائے گی۔ پھر ایک ایسا وقت آئے گا کہ لوگوں سے ایک جماعت غزوہ کرے گی پھر انہیں کہا جائے گا کیا تمہارے اندر کوئی تبع تابعی ہے تو وہ کہیں گے ہاں تو اس کی وجہ سے ان کو فتح دی جائے گی۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

۲۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر القرونی قرنی
ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم ثم یجیء قوم تسبق شہادۃ
أحدهم یمینہ ویمینہ شہادۃ -

ترجمہ: ”اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا بہتر زمانوں سے میرا زمانہ ہے
پھر وہ جو اس کے ساتھ ملا اور پھر وہ جو اس کے ساتھ ملا ہے پھر اس کے
بعد ایسی قوم آئے گی کہ ان میں سے ایک کی شہادت ان کی قسم پر سبقت
کرے گی اور اس کی قسم شہادت پر سبقت کر جائے گی (یعنی سچی قسم سے
پہلے گواہی دیں گے بعض گواہی سے پہلے قسم کھائیں گے۔)“

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کہا گیا:

انا ناسا یتنالون أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
حتى أبا بکر وعمر فقالت وما تعجبون من هذا انقطع عنہم
العمل فأحب اللہ ان لا یقطع عنہم الأجر -

ترجمہ: ”کچھ لوگ ہیں جو اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہ کو بھی نقطہ چینی
کرتے ہیں حتیٰ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی نہیں چھوڑتے تو
حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اس میں تعجب کرنے کی کیا ضرورت ہے
کیونکہ ان کے اعمال تو منقطع ہو چکے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا کہ
بعد میں ان کا اجر منقطع نہ ہو۔“

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یدخل النار احد بابع
تحت الشجرۃ -

ترجمہ: ”آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے درخت کے نیچے بیعت کی ان
میں سے کوئی بھی آگ میں داخل نہیں ہوگا۔“

صحابہ رضی اللہ عنہم کی عدالت کی تیسری دلیل

یہ ملحوظ خاطر رہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عدالت پر تمام امت کا اجماع ہے اور ان
کے بارے میں کسی مسلمان کو یہ بھی حق نہیں پہنچتا کہ ان کا جو آپس میں نزاع ہوا تھا
اس کے بارے میں کوئی بات کرے بلکہ ہر حال میں مسلمان پر واجب ہے کہ
ان کے محاسن ہی بیان کرے اور دوسری ہر ایسی چیز پر اپنی زبان بند کرے
جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے زہد و تقویٰ پر ہدف آتا ہے، جیسا کہ (ابو عمر بن عبداللہ) کا
بیان ہے۔

قد کفینا البحث عن أحوالہم لا جماع أهل الحق من
المسلمین وہم أهل السنة والجماعة علی انہم کلہم
عدول۔ [الستیعاب ج: ۱، ص: ۸۰]

ترجمہ: ”تحقیق ہم ان کے احوال کے بارے میں مستغنی ہو گئے ہیں
کیونکہ مسلمانوں سے اہل حق اور اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع
ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام کے تمام عادل ہیں۔“

امام نووی رحمہ اللہ نے تقریب میں لکھا ہے:

الصحابة کلہم عدول من لابس الفتن وغیرہم باجماع
من یتعد بہ -

ترجمہ: ”تمام صحابہ رضی اللہ عنہم خواہ ان سے کوئی فتنے میں ملتے ہوئے یا نہیں
ہو اتو وہ تمام کے تمام ایسے اجماع کے ساتھ عادل ہیں جس کا اعتبار کیا

گیا ہے۔“

محدث ابن الصلاح کا بیان ہے کہ تمام امت صحابہ رضی اللہ عنہم کے عادل ہونے پر متفق ہے خواہ ان میں سے کسی نے کسی فتنے میں حصہ لیا یا نہیں لیا اور اسی طرح علماء کا ان پر بھی اتفاق ہے کہ جو ان معرکوں میں پیش پیش تھے کیونکہ ان سے جو ہوا وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نظر انداز کر دیا گیا تو یہ اجماع جو ان کے متعلق ہو چکا ہے گویا کہ آپ یوں سمجھیں کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ میری عظیم امانت کے جواؤ لین بانی اور ناقل ہیں وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہی ہیں و

[علوم الحدیث، ص: ۲۶۵]

علامہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الصحابة كلهم عدول عند أهل السنة والجماعة لما اتنى الله عليهم في كتابه وبما نطقت به السنة النبوية في المدح لهم في جميع أخلاقهم وأفعالهم وما بذلوا من الأموال والأرواح بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم رغبة فيما عند الله من الثواب الجزيل والجزاء الجميل۔

[الكفاية، ص: ۴۹]

ترجمہ: ”اہل سنت والجماعت کے نزدیک تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ہی عادل ہیں (کیونکہ ظاہر ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے ان کی اپنی کتاب میں تعریف کی ہے اور پھر نبی ﷺ نے بھی سنت میں ان کے اخلاق اور ان کے افعال کی بے حد مدح کی ہے (اور پھر یہ بھی امر واقع ہے) کہ انہوں نے اپنی جان اور اپنا مال اللہ کی طرف سے عمدہ ثواب اور بہترین جزا لینے کی خاطر

آپ ﷺ پر نچھاور کر دیا۔“

صحابہ رضی اللہ عنہم کی عدالت کی چوتھی دلیل

جاننا چاہیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عادل ہونے پر نقلی دلائل کے علاوہ آدمی کو عقلی دلائل بھی مجبور کرتے ہیں جیسا کہ آپ خود غور کریں کہ جب اعلان جنگ ہوتا تو آواز سننے ہی اس قدر وجد میں آ جاتے کہ انہیں جنابت کا غسل بھی بھول جاتا تھا اور یقین بھی اتنا بختہ ہوتا تھا کہ اعلان جنگ کے وقت اپنا کھانا بھی بھول جاتے تھے اور یہ نعرہ لگاتے ہوئے جنگ میں کود پڑتے کہ اب جنت کے دسترخوان پر ہی بیٹھ کر کھانا کھائیں گے اور پھر وہ لوگ کہ جن کا کام ہی دن کو لڑنا اور رات کو مصلوں پر کھڑا ہونا تھا اور آپ ﷺ کا بھی دل میں اس قدر احترام تھا کہ اگر آپ ﷺ بات کرتے تو سناٹا چھا جاتا۔ وضو کرتے تو اس پانی کی طرف ٹوٹ پڑتے اگر آپ تھوکتے تو محبت اس کی طرف بھی لپک کر اپنے جسموں پر مل لیتے۔ اگر بال گرتا تو اس پر بھی دنیا ٹوٹ پڑتی تھی تو اسی طرح وہ سنت کے بھی ایسے ہی دیوانے تھے کہ جب کبھی ان سے ایسی خطا ہو جاتی تو پشیمان ہوتے۔ توبہ کرتے، زمین پر گر پڑتے اور جب تک وہ اپنے اللہ کو راضی نہ کر لیتے اس وقت تک انہیں چین نہ آتا۔ علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

ان العدالة انما تثبت لمن لازم النبي وعززه ونصره واتبع النور الذي أنزل معه۔

ترجمہ: ”عدالت اس کی ثابت ہوتی ہے کہ جو آپ ﷺ کے پاس رہا۔ آپ کی عزت کی، آپ کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو آپ ﷺ کے ساتھ اتارا گیا ہے۔“

قابل غور پہلو

خلاصہ یہ ہے کہ ما قبل ذکر کردہ دلائل سے جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ ہی ہے کہ جمیع صحابہ رضی اللہ عنہم کی عدالت اور صداقت قطعی دلائل سے ثابت ہے جس میں کسی مسلمان کو قلق نہیں ہے اور پھر اس کے متعلق بے شمار نصوص بھی ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم پوری دنیا میں برگزیدہ اور قدسی جماعت ہے لہذا ہر مسلمان ان کے متعلق عمدہ گمان رکھے اور ان کے حال و احوال پر بحث کرنے سے رُک جائے۔

اس موضوع پر خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے خوب کہا ہے:

على انه لو لم يرد من الله عز وجل ورسوله شيء مما ذكرناه لأوجب الحال التي كانوا عليها من الهجرة والجهاد والنصرة وبذل المهج والأموال وقتل الأبناء والأولاد والمناصحة في الدين وقوة الإيمان واليقين انقطع على عدالتهم والاعتقاد بنزاهتهم وانهم أفضل من جميع المعدلين والمزكين الذين يحيئون بعدهم ابدا لا بدین هذا مذهب كافة العلماء - [الباعث الحثيث، ص: ۸۱]

ترجمہ: ”جاننا چاہیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عدالت کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے کوئی چیز ذکر نہ بھی ہوتی تو صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر ان کا ہجرت کرنا، جہاد کرنا، اسلام کی مدد کرنا اور اس کے لیے اپنا مال بہادینا، ماں باپ کو قتل کرنا، اولاد کا قتل کرنا، دین میں خیر خواہی کرنا، ایمان کا مضبوط ہونا، یقین قطعی ہونا اور صاف ستھرے اعتقاد کا ہونا تو یہ ہی ان کے تمام اوصاف ہمیشہ تک بعد میں آنے والے نیک

اور عادلوں سے ان کی عدالت اور پاکیزگی کو افضل قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ یہی تمام علماء کا موقف ہے بلکہ آپ یوں سمجھیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقائص بیان کرتا ہے اور اسے جائز بھی سمجھتا ہے تو وہ زندیق ہے جس پر اس کی شقاوت غالب آچکی ہے اور اس کی خواہش نے اس کو جہنم میں دے مارا ہے۔“

شیعہ حضرات کے امام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟
فرمودہ علی رضی اللہ عنہ

لقد رأيت أصحاب محمد صلى الله عليه وآله، فما أرى أحدا يشبههم منكم! لقد كانوا يصبحون شعنا غبرا، وقد باتوا سجداً وقياماً، يراو حون بين جباههم وخدودهم، ويقفون على مثل الجمر من ذكر معادهم! كأن بين أعينهم ركب المعزى من طول سجودهم! إذا ذكر الله هملت أعينهم حتى تبل جيوبهم، ومادوا كما يميد الشجر يوم الريح العاصف، خوفاً من العقاب، ورجاءاً للثواب۔

[نهج البلاغة، ص: ۲۴۰]

ترجمہ: ”میں نے محمد ﷺ کے ساتھیوں کو دیکھا ہے، مجھے تم میں ان جیسا کوئی نظر نہیں آتا، وہ صبحیں کرتے تھے تو پراگندہ و پریشان، راتیں گزارتے تو سجدہ و قیام میں، اپنی پیشانیوں اور رخساروں کو سجدہ میں جھکائے ہوئے، کھڑے ہیں تو اپنی آخرت کی یاد میں پتھر کی طرح ساکت، سجدوں میں جاتے تو لمبے لمبے سجدوں کی وجہ سے یوں لگتا جیسے

پتھر کی کوئی چٹان ان کے سامنے ہے۔ جب اللہ کو یاد کرتے تو ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں اور ان کے دامن تک تر بتر ہو جاتے، عذاب کے ڈر اور ثواب کی امید میں یوں جھکتے اور بے قرار و مضطرب رہتے تھے، جیسے تیز آنڈھیوں اور جھکڑوں میں درخت ہلتے ہیں۔ یہ اہل بیت کے سربراہ ہیں، جو نبی کے ساتھیوں کی تعریف کر رہے ہیں۔ اپنے اس گروہ اور ساتھیوں پر انہیں ترجیح دے رہے ہیں، جس نے جنگوں اور لڑائیوں میں ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ دشمن کے ساتھ مقابلہ کا وقت آیا تو بزدلی کا ثبوت دیا اور سربراہ اہل بیت کو اکیلا چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ آپ ﷺ کے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ولقد كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وآله، نقتل
آباءنا وأبناءنا وأخواننا وأعمامنا: ما يزيدنا ذلك إلا إيماناً
وتسليماً، ومضياً على اللقم، وصبراً على مضض الألم،
وجدافى جهاد العدو، ولقد كان الرجل منا والآخرون
عدونا يتصاولان تصاول الفعلين، يتخالسان أنفسهما: أيهما
يسقى صاحبه كأس المنون، فمرة لنا من عدونا، ومرة
لعدونا منا، فلما رأى الله صدقنا أنزل بعدونا الكبت، وأنزل
علينا النصر، حتى استقر الإسلام ملقياً جراحه، ومثبوثاً
أوطانه، ولعمري لو كنا نأتى ما أتيتم ما قام للدين عمود،
ولا اخضر للإيمان عود - وأيم الله لتحلبنها دماء، ولتبعنها
ندما - [نهج البلاغة، ص: ۹۱، ۹۲ - ط بيروت]

ترجمہ: ”ہم“ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، اپنے باپوں، بیٹوں، بھائیوں اور چچاؤں کو قتل کرتے تھے۔ اس سے ہمارے ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا تھا، چند لقموں پر گزارہ کرتے اور دکھوں اور پریشانیوں میں صبر کرتے تھے، دشمن کے ساتھ پوری کوشش سے جہاد کرتے، ہمارا اور دشمن کا آدمی دو سائندوں کی طرح ایک دوسرے پر حملہ کرتے تھے اور جھپٹتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو موت کا پیالہ پلانا چاہتے تھے۔ کبھی دشمن ہم پر غالب آ جاتا اور کبھی ہم دشمن پر غالب آ جاتے۔ جب اللہ نے ہماری سچائی دیکھی تو ہمارے دشمنوں پر ذلت و رسوائی اور ہم پر فتح و کامرانی نازل کی۔ حتیٰ کہ اسلام خوب مستحکم ہو گیا اور ملکوں میں پھیل گیا۔ میری جان کی قسم اگر ہم وہ کرتے جو تم کرتے ہو تو دین ہرگز پختہ نہ ہوتا اور نہ ہی ایمان میں پختگی آتی، خدا کی قسم ہم دودھ دوہتے تو خون نکلتا اور ندامت و پریشانی ہم پر طاری رہتی ہے۔“

النصارى کی تعریف

اللهم اغفر للنصار، وأبناء النصار، وأبناء أبناء النصار، يا
معشر النصار أما ترضون أن ينصرف الناس بالشاه والنعم،
وفى سهمكم رسول الله صلى الله عليه وآله -

[تفسير منهج الصادقين، ج: ۴، ص: ۲۴۰]

ترجمہ: ”یا اللہ انصار، انصار کی اولاد، ان کی اولاد کی اولاد کو بخش دے۔ اے جماعت انصار! کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ لوگ تو بکریاں اور مال و دولت لے جائیں اور تمہارے نصیب میں خود اللہ کا رسول ﷺ

آجائے۔“

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ: الانصار کرشی وعینی، ولو سلك الناس وادیا، وسلك الانصار شعبا لسلکت شعب الانصار۔ [تفسیر منہج الصادق، ج: ۴، ص: ۲۴۰]

ترجمہ: ”ایک اور موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”انصار میری جماعت ہے۔ اگر لوگ کسی جانب چلیں اور انصار ایک جانب تو میں انصار ﷺ کے ساتھ چلوں گا۔“

علامہ مجلسی نے طوسی سے ایک معتبر روایت بیان کی ہے:

عن علی بن ابی طالب أنه قال لأصحابه: أوصیکم فی أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، لا تسبواہم فإنہم أصحاب نبیکم، وہم أصحابہ الذین لم یتدعوا فی الدین شیئا، ولم یؤفروا صاحب بدعة، نعم! أوصانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی هؤلاء۔

[حیات القلوب، ج: ۲، ص: ۶۲۱]

ترجمہ: ”کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ انہیں گالیاں مت دینا، اس لیے کہ وہ تمہارے نبی ﷺ کے ساتھی ہیں۔ وہ ان کے ساتھی ہیں، جنہوں نے نہ خود دین میں کوئی نئی چیز داخل کی اور نہ ہی کسی بدعتی کو عزت دی۔ ہاں! مجھے رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں نصیحت کی ہے۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ مہاجرین و انصار دونوں کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”امام کے تعیین و انتخاب کا اختیار انہی کے ہاتھوں میں ہے۔ وہی قرن اول میں مسلمانوں میں حل و عقد کے مالک سمجھے جاتے تھے اور کسی کو یہ حق نہیں تھا کہ ان کی کسی بات کو رد کرے یا ان کے بغیر کوئی کام کرے یا ان کی کسی بات سے منہ پھیرے اس لیے کہ وہی مسلمانوں میں اہل دین لوگ تھے۔

إنما الشوری للمہاجرین و الانصار، فان اجتمعوا علی رجل وسموہ إماماً کان ذلك للہ رضی، فان خرج منہم خارج بطعن أو بدعة ردوہ إلی ما خرج منہ، فان أبی قاتلوہ علی اتباعہ غیر سبیل المؤمنین، وولاہ اللہ ما تولى۔

[منہج البلاغہ، ج: ۳، ص: ۷۰]

ترجمہ: ”مجلس شوریٰ مہاجر و انصار صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل ہوگی۔ وہ جس پر متفق ہو جائیں اور جسے امامت کے لیے نامزد کر دیں، اسی میں اللہ کی مشیت و رضا ہوگی۔ اگر ان میں سے (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے) کسی پر کسی قسم کی کوئی قابل اعتراض بات یا بدعت پائی جائے تو اسے خارج کر دیا جائے گا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے گا۔“

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے اس قول کے بارے میں شیعہ کیا موقف اختیار کرتے ہیں۔ وہ تو فرماتے ہیں:

- ①..... مجلس شوریٰ نبی ﷺ کے مہاجر اور انصار صحابہ پر مشتمل ہوگی اور شیعہ حضرات کے عقیدے کے برعکس تمام اختیارات انہی کے ہاتھوں میں ہوں گے۔
- ②..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی شخص پر متفق ہو جانا اللہ کی خوشنودی کا سبب ہے اور اس

پاک و برتر ذات کی رضا کی علامت ہے۔

③..... ان کے زمانے میں امامت ان کے انتخاب اور مرضی کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی تھی۔

④..... کوئی بھی صحابہ رضی اللہ عنہ کی بات کو رد نہیں کرتا اور نہ ان کے حکم سے انحراف کرتا سوائے اس کے جو بدعتی، باغی اور مسلمانوں کی راہ سے ہٹ کر کسی اور ڈگر پر چل نکلا ہو۔

⑤..... صحابہ رضی اللہ عنہ کے مخالف کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کا فیصلہ تلوار کرے گی۔

⑥..... اس سے بڑھ کر یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں اور ان سے محبت کرنے والے مہاجر اور انصار صحابہ رضی اللہ عنہ جو اللہ سے راضی ہو گئے اور اللہ جن سے راضی ہو گیا، اور انہی کے نقش قدم پر چلنے والی علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کی مخالفت کی وجہ سے اللہ کے ہاں پکڑ ہوگی۔

حسین رضی اللہ عنہ کے بیٹے علی، جن کا لقب زین العابدین ہے اور جو قوم شیعہ کے چوتھے امام ہیں، اپنے وقت میں اہل بیت کے سربراہ تھے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھیوں کو یاد کرتے اور نمازوں میں ان کے لیے رحمت و مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

فاذکرہم منک بمغفرة ورضوان اللہم وأصحاب محمد
خاصة، الذين أحسنوا الصحابة، والذين ابلوا البلاء الحسن
فی نصرہ، وکانفوه وأسرعوا إلى وفادته، وسابقوا إلى
دعوتہ، واستجابوا له حيث أسمعهم حجة رسالته، وفارقوا
الأزواج والأولاد فی إظهار کلمته، وقاتلوا الأبناء والأبناء فی

تثیت بنوتہ والذین ہجرتہم العشائر اذا تعلقوا بعروته،
وانتفت منهم القربات إذ سکنوا فی ظل قرابته، اللہم ما
ترکوا لک وفیک، من رضوانک وبما حاشوا الحق علیک،
وکانوا من ذلک لک والیک، واشکرہم علی ہجرتہم فیک
دیارہم وخروجہم من سعة المعاش إلى ضیقہ ومن کثرة
فی اعتزاز دینک إلى أقلہ، اللہم وأوصل إلى التابعین لہم
بإحسان الذین یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا
بالإیمان خیر جزائک، الذین قصدوا سمتہم، وتحروا
جہنم، لومضوا إلى شاکلتہم لم یشہم رب فی بصیرتہم،
ولم یختلجہم شک فی قفو آثارہم والائتمام بھدایہ مناہم
مکانفین وموازرین لہم، یدینون بدینہم، ویہدون بھدایہم،
یتفقون علیہم، ولا یتہمونہم فیما أداوا إلیہم۔

[صحیفة کاملہ للذین العابدین، ص ۱۳]

ترجمہ: ”ان کے لیے میں تجھ سے تیری رضا اور مغفرت کی دعا مانگتا ہوں۔ خاص طور پر محمد ﷺ کے ان ساتھیوں کے لیے، جنہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن سلوک کیا، جنہوں نے ان کی مدد میں مصیبتیں جھیلیں۔ ان کی نصرت کی اور ان کا استقبال کرنے کے لیے دوڑے، ان کی دعوت کو قبول کرنے میں سبقت لے گئے۔ آپ ﷺ کی رسالت کا اعلان سنتے ہی اسے قبول کر لیا۔ آپ ﷺ کے پیغام کو پھیلانے کے لیے اپنی بیویوں اور اولاد کو چھوڑ دیا۔ ان کی نبوت کے استحکام کی خاطر اپنے باپوں

اور بیٹوں کو قتل کر دیا۔ جب ان ﷺ کی جماعت سے تعلق قائم ہو گیا تو ان لوگوں نے اپنے قبیلوں کو چھوڑ دیا۔ جب آپ ﷺ کی قرابت کے زیر سایہ جگہ مل گئی تو تمام رشتہ داریاں ختم کر دیں، یا اللہ! تجھے اور تجھ سے محبت کرنے والوں کو نہیں چھوڑا۔ ان سے راضی ہو جا جو تیرے حق کے لیے لڑتے رہے۔ سب کچھ انہوں نے تیرے لیے اور تیری خوشنودی کی خاطر کیا۔ ان کا تیری وجہ سے اپنے دیاروں کو چھوڑنا اور اپنی معاش کی وسعت و فراوانی سے نکل کر تنگی میں مبتلا ہونا قبول کر! انہوں نے تیرے دین کو استحکام بخشا۔ یا اللہ! تابعین پر بھی اپنی رحمت و مغفرت نازل فرما، جو یہ دعائیں مانگتے ہیں: ”ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان“..... جو انہی کی سمت چلے۔ اسی طرف گئے، جس طرف وہ گئے۔ وہ انہی کے نقش قدم پر چلے تو ان کی نصرت میں کوئی شک نہیں۔ وہی (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم) ان کے لیے منار ہدایت ہیں۔ یہ انہی کے معین و مددگار ہیں۔ انہی کے دین کے پیرو اور انہی کی ہدایت سے ہدایت حاصل کرنے والے ہیں، ان سے اتفاق رکھتے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو ان تک پہنچایا، اس میں ان پر کوئی الزام نہیں دیتے۔“

ان کی اولاد میں سے حسن بن علی، جو حسن عسکری کے نام سے مشہور اور شیعہ کے گیارہویں امام ہیں، اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

إن کلیم اللہ موسیٰ سأل ربہ هل فی أصحاب الأنبیاء اکرم عندک من صحابتی؟ قال اللہ: یا موسیٰ! أما علمت أن فضل صحابة محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی جمیع صحابة

المرسلین کفضل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی جمیع المرسلین والنبیین - [تفسیر الحسن العسکری ص ۶۵] ترجمہ: ”موسیٰ کلیم اللہ نے اپنے رب سے پوچھا: کیا دوسرے انبیاء کے صحابہ آپ کے نزدیک میرے صحابہ سے زیادہ عزت والے ہیں؟“ اللہ نے فرمایا: اے موسیٰ! کیا تو نہیں جانتا کہ محمد ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دوسرے تمام رسولوں کے صحابہ پر وہی برتری حاصل ہے، جو محمد ﷺ کو دوسرے تمام نبیوں اور رسولوں پر ہے۔“

اس کے بعد حسن عسکری کی تفسیر میں لکھا ہے:

إن رجلاً ممن یغض آل محمد وأصحابہ الخیرین أو واحداً منهم یعذبہ اللہ عذاباً لو قسم علی مثال عدد خلق اللہ لأھلکھم أجمعین - [تفسیر الحسن العسکری، ص ۱۹۶]

ترجمہ: ”جو آدمی بھی آل محمد رضی اللہ عنہم اور آپ ﷺ کے بہترین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے ساتھ بھی بغض رکھے، اللہ اس کو ایسا عذاب دے گا کہ اگر اسے تمام مخلوق پر تقسیم کر دیا جائے تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں۔“

اسی لیے ان کے دادا، اور شیعہ کے آٹھویں امام علی بن موسیٰ رضا سے جب اس حدیث ”أصحابی کالنجوم فبأیہم اقتدیتم اھتدیتم“ اور ایک دوسری حدیث ”دعو الی أصحابی“ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے کہا: ”هذا صحیح“ صحیح ہے۔“ [عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۸۷]

اس کے ساتھ ہی ہم نبی کریم ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ کے چچیرے بھائی، فقیہ اہل بیت

اور جنہیں علیؑ نے اپنا عامل مقرر کیا تھا، یعنی عبداللہ بن عباسؓ صحابہ کرامؓ کے بارے میں نقل کرتے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ جَلَّ ثَنَاؤُهُ وَتَقَدَّسَتْ أَسْمَاءُهُ خَصَّ نَبِيَّهَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَحَابَةِ آثَرِهِ عَلَى الْأَنْفُسِ وَالْأَمْوَالِ، وَبَذَلُوا النُّفُوسَ دُونَهُ فِي كُلِّ حَالٍ، وَوَصَّغَهُمُ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ فَقَالَ: (رَحِمَاءُ بَيْنَهُمُ) الْآيَةُ، قَامُوا بِمَعَالِمِ الدِّينِ، وَنَاصَحُوا الاجْتِهَادَ لِلْمُسْلِمِينَ، حَتَّى تَهَذَّبَتْ طَرَقُهُ، وَقَوِيَتْ أَسْبَابُهُ، وَظَهَرَتْ آلَاءُ اللَّهِ، وَاسْتَقَرَّدِيْنَهُ، وَضَحَّتْ أَعْلَامُهُ، وَأَذَلَّ بِهِمُ الشُّرْكَ وَأَزَالَ رُؤُوسَهُ وَمَحَادَ عَائِمَهُ، وَصَارَتْ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَكَلِمَةُ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى، فَصَلَّوَاتُ اللَّهِ وَرَحْمَتُهُ وَبِرَكَاتُهُ عَلَى تِلْكَ النُّفُوسِ الزَّكَاكِةِ، وَالْأَرْوَاحِ الطَّاهِرَةِ الْعَالِيَةِ، فَقَدْ كَانُوا فِي الْحَيَاةِ اللَّهُ أَوْلِيَاءَ، وَكَانُوا بَعْدَ الْمَوْتِ أَحْيَاءَ، وَكَانُوا الْعِبَادَ اللَّهُ نَصَحَاءَ، رَحَلُوا إِلَى الْآخِرَةِ قَبْلَ أَنْ يَصْلُوا إِلَيْهَا، وَخَرَجُوا مِنَ الدُّنْيَا وَهُمْ بَعْدُ فِيهَا -

[مروج الذهب، ج ۳، ص ۵۲-۵۳]

ترجمہ: ”بے شک اللہ بڑی بزرگی و عزت اور پاک ناموں والا ہے، اس نے اپنے نبی محمد ﷺ کو ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم دیئے، جنہوں نے اپنی جانیں اور مال آپ ﷺ پر نچھاور کر دیئے۔ آپ ﷺ کے سوا سب کو چھوڑ دیا۔ اللہ نے اپنی کتاب میں ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: (رحماء بینہم) جنہوں نے دین کے راستے بتائے، مسلمانوں کو کوشش کے لیے

ابھاراتا آنکہ دین راستے واضح ہو گئے، اسباب دین پختہ ہو گئے۔ اللہ کی مدد ظہور میں آئی اور اللہ کا دین مستحکم ہو گیا، دین خداوندی کے نشانات خوب روشن ہو گئے جن سے شرک دب گیا۔ شرک کے چشمے نابود اور اس کے مرکز مٹ گئے۔ اللہ کا کلمہ بلند تر اور کافروں کی بات پست تر ہو گئی۔ ان پاکیزہ نفوس اور پاکیزہ واعلیٰ روحوں پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ جو اپنی زندگیوں میں اللہ کے ولی اور موت کے بعد بھی زندہ ہیں۔ جو مخلوق خدا کے سچے خیر خواہ ہیں، جو آخرت میں جانے سے پہلے ہی آخرت کی طرف کوچ کر گئے تھے جو دنیا سے جا چکے لیکن ابھی تک دنیا میں زندہ ہیں۔“

علی بن زین العابدین کا بیٹا محمد باقر ایک روایت بیان کرتا ہے، جس میں وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے نفاق کی نفی کرتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ صحابہ ایمان والے اور اللہ بزرگ و برتر سے محبت کرنے والے ہیں۔

عن سلام قال: كنت عند أبي جعفر، فدخل عليه حمران بن أعين، فسأله عن أشياء، فلما هم حمران بالقيام قال لأبي جعفر عليه السلام: أخبرك أطلال الله تعالى وأمتعنا بك، إنا نأتيك فما نخرج حتى ترق قلوبنا، وتسلبوا أنفسنا عن الدنيا، ونهون علينا ما في أيدي الناس من هذه الأموال، ثم نخرج من عندك، فإذا صرنا مع الناس والتجار احببنا الدنيا؟ قال: فقال أبو جعفر عليه السلام: إنما هي قلوب مرة بصعب عليها الأمر ومرة يسهل، ثم قال أبو جعفر: أما إن أصحاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ قالوا: یا رسول اللہ نخاف علینا النفاق، قال: فقال لهم ولم تخافون ذالک؟ قالوا: إنا إذا کنا عندک فذکرنا روعنا، ووجلنا، نسینا الدنیا وزهدنا فیها حتی کأنا نعاين الآخرة والجنة والنار ونحن عندک، فإذا خرجنا من عندک، ودخلنا هذه البيوت، وشممنا الأولاد، ورأينا العیال والأهل والمال، یکاد أن نحول عن الحال التي کنا علیها عندک، وحتى کأنا لم نکن علی شیء، أفتخاف علینا أن یکون هذا النفاق؟ فقال لهم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ: کلاء هذا من خطوات الشیطان لیرغبکم فی الدنیا، واللہ لو أنکم تدومون علی الحال التي تکونون علیها وأنتم عندی فی الحال التي وصفتم أنفسکم بها لصافحتکم الملائکة، ومشیتم علی الماء، ولولا أنکم تذبون، فستغفرون اللہ لخلق اللہ خلقا لکی یذبوا، ثم یرغبوا، فیغفر اللہ لهم، إن المؤمن مفتن تواب، أما تسمع لقوله: إن اللہ یحب التوابین“ وقال: استغفروا ربکم ثم توبوا إلیه۔

[تفسیر العیاشی، ج ۱، ص ۱۰۹۔ تفسیر البرهان ج ۱، ص ۲۱۵]

ترجمہ: ”سلام روایت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: میں ابو جعفر کے پاس تھا، اسی دوران میں حمران بن اعین آیا اور آپ سے چند چیزوں کے بارے میں پوچھا۔ جب حمران اٹھنے لگا تو ابو جعفر سے کہنے لگا: ”میں تمہیں بتاتا ہوں۔ خدا تمہیں لمبی عمر دے اور ہم اس سے فائدہ حاصل

کریں۔ ہم جب تمہارے پاس آتے ہیں تو جو کچھ تمہارے ہاں سے ہمیں ملتا ہے اس سے ہمارے دلوں میں رقت طاری ہو جاتی ہے، ہمارے دل دنیا سے بھر جاتے ہیں۔ لوگوں کے پاس مال و دولت ہمیں بہت حقیر نظر آتا ہے۔ پھر جب ہم تمہارے پاس سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، تاجروں اور دوسرے لوگوں سے ملتے ہیں تو دنیا ہمیں اچھی لگنے لگتی ہے! اس نے یہ کہا، اس پر ابو جعفر نے کہا: ”اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے ساتھیوں نے کہا تھا: ”یا رسول اللہ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ہم میں نفاق نہ پایا جاتا ہو۔“ حضور ﷺ نے ان سے پوچھا، کیوں تمہیں نفاق کا ڈر محسوس ہوا؟“ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے: ”جب ہم لوگ آپ ﷺ کے پاس موجود ہوتے ہیں اور آپ ﷺ ہمیں آخرت سے ڈراتے رہتے ہیں، ہم لوگ دنیا کو بھول جاتے ہیں اور آپ ﷺ کے پاس بیٹھے بیٹھے یوں لگتا ہے، جیسے ہم اپنی آنکھوں سے آخرت، جنت اور دوزخ کو دیکھ رہے ہیں۔ پھر جب آپ کے پاس سے اٹھ کر اپنے گھروں میں چلے جاتے ہیں، اپنے بچوں سے پیار کرتے ہیں، اپنے اہل و عیال اور مال و دولت کو دیکھتے ہیں تو ہم میں تبدیلی آ جاتی ہے اور وہ کیفیت جو آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہم پر طاری ہوئی تھی، اس طرح ختم ہو جاتی ہے کہ گویا ہم پر کبھی وہ کیفیت گزری ہی نہیں۔ کیا آپ ﷺ کو یہ خدشہ تو نہیں کہ ہم نفاق میں مبتلا ہیں؟“ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ”ہرگز نہیں۔ یہ تو شیطان کی چالیں ہیں جو تمہیں دنیا کی رغبت دلانا چاہتا ہے، بخدا ہر وقت تم پر وہی حال و کیفیت طاری رہے جو میرے پاس بیٹھے ہوئے تم پر طاری ہوتا ہے تو فرشتے تم سے

مصافحہ کریں اور تم پانی پر چلنے لگو۔ اگر تم گناہ کر کے اللہ سے استغفار نہ کرتے تو اللہ ایک اور مخلوق پیدا کرتا جو گناہ کرتی اور اللہ سے مغفرت طلب کرتی اور پھر اللہ انہیں معاف کر دیتا۔ یقیناً مومن گناہ میں مبتلا ہو کر اللہ کی طرف پلٹتا ہے۔ کیا تم نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا "إِنَّ إِلَهَ يَحِبُّ التَّوَابِينَ" اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، اس کے بعد فرمایا: "استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ" اللہ سے مغفرت طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو۔"

امام جعفر صادق فرماتے ہیں

كان أصحاب رسول الله صلى الله على وآله اثني عشر ألفاً، ثمانية ألف من المدينة، وألفان من مكة، وألفان من الطلقاء، ولم يرفيهم قدرى ولا مرجئ ولا حرورى ولا معتزلى، ولا صاحب رأى، كانوا يكون الليل والنهار ويقولون: اقبض أرواحنا من قبل أن نأكل خبزاً الخمير۔

[كتاب الخصال، للقمي ص ٦٤٠]

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ کے بارہ ہزار صحابہ تھے، آٹھ ہزار مدینے کے، دو ہزار مکہ کے اور دو ہزار طلقاء۔ ان میں کوئی قدری نہ تھا، (فرقہ قدریہ کا پیروا، کوئی مرجئ نہ تھا، (فرقہ مرجئہ کا پیرو) کوئی حروری نہ تھا، (فرقہ حروریہ کا پیرو) کوئی معتزلی نہ تھا، (فرقہ معتزلی کا پیرو) اور نہ ہی کوئی صاحب رائے تھا (قرآن وحدیث کے خلاف اپنی رائے کی پیروی کرنے والا) ان میں سے ہر فرقہ اپنے مخصوص عقائد رکھتا تھا، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم شب وروز روتے اور دعا مانگا کرتے تھے: "یا

اللہ! خمیر کی روٹی کھانے سے پہلے ہی ہماری روحیں قبض کر لینا۔" امام علی بن موسیٰ رضا رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

من زارنی فی حیاتی أو بعد موتی فقد زار الله تعالى: "عیون اخبار الرضا" - [لابن بابویه القمی، ج ١، ص ١١٥]

ترجمہ: "جس نے میری زندگی میں مجھے دیکھا یا میری وفات کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی زیارت کی۔"

تمام مخلوقات کے سردار، صادق و امین اور اللہ کے رسول ﷺ نے خود اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں جنت وسعدت سے بہرہ ور ہونے کی شہادت دی ہے۔ "عن أبی أمامة أنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله: طوبى لمن رانى وآمن بى - [كتاب الخصال ج ٢، ص ٣٤٢]

ترجمہ: "ابو امامہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خوشخبری ہے اس کے لیے جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔"

اس جیسی ایک روایت حمیری قمی نے جعفر بن باقر سے نقل کی ہے اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں:

أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: من زارنی حیا ومیتاً كنت

له شفیعاً یوم القیامة - [قرب الاسناد، ص ٣١]

ترجمہ: "بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے زندگی میں یا میری وفات کے بعد میری زیارت کی، میں قیامت کے دن اسی کی شفاعت کروں گا۔"

ایک دلچسپ مکالمہ

قارئین کرام! کراچی میں ۲۰ مارچ ۲۰۰۵ء کو ساتھیوں کی دعوت پر میرا ایک اصلاحی تبلیغی دورہ تھا۔ اجتماعات میں بڑی دھوم دھام سے عوامی شرکت قابل دید تھی۔ ہمارے میزبان سید عمران علی شاہ صاحب تھے اور انہی کی رہائش گاہ بمقام شیر شاہ ڈی بلاک میں ہمارے ٹھہرنے کا انتظام تھا۔ لیما ریٹ میں بیان سے فارغ ہونے کے بعد بھائی سید عمران علی صاحب کی بیٹھک میں واپس آ گئے۔

آرام کرنے کے ارادے سے لیٹے ہی تھے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی نے ہمیں جگا دیا۔ سید عمران علی صاحب نے ریسور اٹھایا۔ تو آواز آئی ہیلو! یہ سید عمران علی شاہ صاحب کا گھر ہے؟ جی ہاں میں سید عمران علی شاہ ہی بول رہا ہوں۔ اچھا اچھا۔ محترم ہم کچھ مہاجرین ہیں جو تین روز پہلے انڈیا لکھنؤ سے آئے ہیں۔

یہاں لیاقت آباد اپنے رشتہ داروں کے ہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ یہاں کی دیواروں پر ایک اشتہار دیکھا ہے جس میں آپ کا اور علامہ سید امیر رضائی صاحب کا نام تحریر ہے۔ ہم قلمی صاحب سے بند کمرے میں ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ پاکستان کے حالات ”شیعہ سنی کے حوالے سے“ کبیدہ خاطر اور ناسازگار ہیں۔

شاہ صاحب نے میری طرف ملتسانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے لکھنؤ سے آئے ہوئے مہمانوں کی بات کی۔ میں نے سید عمران علی صاحب کو بتلا دیا کہ مہمانوں سے کہہ دیں کہ فی الحال ملاقات ممکن نہیں۔ البتہ کل کسی وقت رابطہ کر کے

ایک دلچسپ مکالمہ

معلوم کر لیں۔

چنانچہ انہوں نے اچھا کہہ کر ٹیلیفون بند کر دیا۔

میں نے ساتھیوں سے بغیر کسی تاثر کے کہہ دیا کہ لکھنؤ سے آئے ہوئے مہمان ضرور کوئی شیعہ عالم دین ہوں گے جو مجھ سے دینی گفتگو کرنے کے خواہشمند ہوں گے۔ ساتھیوں نے ناسازگار حالات کی وجہ سے کچھ خدشہ ظاہر کیا، لیکن میں نے ان سے کہا، ہمارا مقصد اور غرض و غایت مذہب اہل سنت کی حقانیت اور اس کی صداقت اجاگر کرنا ہے۔ جیسے بھی ممکن ہو لہذا ان سے دینی مباحث پر گفتگو ضرور ہوگی۔

لکھنؤ کے باشندوں نے حسب وعدہ دوبارہ فون کر لیا۔ اور میں نے انہیں یہاں شیر شاہ میں آنے کی اجازت دی۔ چنانچہ احباب نے بھی اتفاق رائے سے ایک علیحدہ جگہ مقرر کر لیا۔ وقت مقررہ پر ہم چند افراد آئے سامنے تھے۔ تعارف سے گفتگو کا آغاز ہوا۔

تو میں نے گزارش کی..... جناب میں قلمی ہوں۔

یہ ہمارے بھائی نصیر احمد خان صاحب پشاور کے رہنے والے ہیں، اور پچھلے ستائیسویں سال سے کراچی شیر شاہ میں رہائش پذیر ہیں اور یہ بھی سید عمران علی شاہ صاحب سابقہ شیعہ، اب الحمد للہ بمعہ فیملی، مذہب حق، اہل سنت والجماعت اختیار فرما چکے ہیں۔ بھائی پھیر و ضلع قصور کے رہنے والے ہیں۔

اور یہ ہمارے بھائی عبداللہ صاحب مانسہرہ صوبہ سرحد ”پختونخوا“ کے رہنے والے ہیں۔ آپ حضرات کا تعارف؟

کہنے لگے میں سید عباس حیدری لکھنؤ شہر کا باشندہ ہوں اور یہ میرے چچا زاد بھائی سید غلام حیدری صاحب ہیں اور یہ بھائی سید ملازم حسین نقوی صاحب لیاقت

آباد کراچی کے رہنے والے ہیں۔

سید عباس حیدری ”سلطان الأفاضل، صدر الأفاضل و ممتاز الأفاضل مدرسة السواعظین لکھنوی“ کہنے لگے قلمی صاحب! سید شبیر حسین نقوی ”لکھنوی“ نے ہمیں آپ کا تعارف کروایا ہے کہ علامہ سید امیر رضائی صاحب ہمارے ساتھ قم یونیورسٹی ایران میں پڑھتے تھے اور انہی کے حوالے سے ہم آپ کے پاس یہاں آئے ہیں۔ اور انہوں نے ہمیں فرمایا تھا کہ علامہ سید امیر رضائی سے پاکستان پشاور میں ضرور ملاقات کرنا ہے۔ آپ کراچی ہی میں مل گئے۔

اسی اثناء میں سید عباس حیدری صاحب نے میرے قریب ہو کر چپکے سے کہا کہ ہم کچھ مذہبی گفتگو کرنے کی خواہش رکھتے ہیں اگر آپ کی اجازت ہو؟ میں نے سید عباس حیدری صاحب سے کہا کہ آپ بلا جھجک کھلے دل سے سوالات کریں۔ اخلاقی دائرے کے اندر رہتے ہوئے ان شاء اللہ گفتگو ہوگی، اور میرے علاوہ کسی کی مداخلت نہیں ہوگی۔ چنانچہ ”برج ذیل سطور میں قارئین کرام یہ دلچسپ گفتگو ملاحظہ فرمائیں۔

سید عباس حیدری لکھنوی!

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آپ نے مذہب اہل بیت صلوٰۃ اللہ علیہم کو کس بنا پر ترک فرمایا؟

اس پاک مذہب کو چھوڑنے کے اسباب کون سے تھے؟
اور کن وجوہات کی بنا پر اس پاک و پاکیزہ مذہب کو خیر باد فرمایا؟

سید امیر رضائی!

جناب سر دست آپ کے شیعہ مذہب کو پاک و پاکیزہ قرار دینا اس کے مختلف

عقائد کو دیکھتے ہوئے مشکل ہے۔ باقی رہا آپ کا سوال، تو میں نے اہل سنت اور شیعہ مذہب کے مابین، اسلام کی بنیاد یعنی کلمہ اسلام میں پائے جانے والے اختلاف کی وجہ سے مذہب حق، مذہب اہل سنت کی طرف رجوع کر لیا۔

کیونکہ اہل سنت والجماعت کا کلمہ حقیقی اور قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ جب کہ شیعہ کلمہ کے آخری جزء، علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفہ بلا فصل، من گھڑت ہے۔ جس کا ثبوت کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں.....

سید عباس حیدری لکھنوی!

محترم قلمی صاحب! آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہمارے کلمہ شریف کے اہم تین جزء ہیں۔ پہلا جزء: لا الہ الا اللہ، دوسرا جزء: محمد رسول اللہ، اور تیسرا جزء: علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفہ بلا فصل ہیں۔ جس طرح آپ حضرات ”اہل سنت والجماعت والے“ گزشتہ سابقہ دو جزء والا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ قرآن کریم سے ثابت کرتے آئے ہیں اور ان دونوں جزؤں پر ایمان و ایمان رکھتے چلے آئے ہیں، اسی طرح ہم بھی اسی تیسرے جزء، علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفہ بلا فصل پر ایمان و ایمان رکھتے چلے آئے ہیں اور ہم بھی اسے قرآن کریم ہی سے ثابت کرتے چلے آئے ہیں۔

اس لیے اگر ہم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفہ بلا فصل پڑھتے ہیں تو یہ بھی ایک قرآنی کلمہ ہے۔

سید امیر رضائی!

برخوردار! جس طرح ہم ”اہل سنت والجماعت“ دو جزء کلمہ شریف کے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ قرآن مجید سے ثابت کرتے ہیں جو صراحۃً اور لفظاً قرآن مجید میں

موجود ہیں، لیکن اس کے برخلاف تیسرے جزء کے ذکر کردہ الفاظ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفہ بلا فصل کے الفاظ قرآن کریم میں نایاب اور ناپید ہیں تو آپ کس طرح قرآن کریم سے تیسرے جزء والا کلمہ ثابت کرتے ہیں؟

سید عباس حیدری لکھنوی!

محترم قلمی صاحب! جیسا کہ آپ نے ذکر کیا، واقعی مذکورہ بالا الفاظ قرآن کریم میں لفظاً اور صراحۃً وجود نہیں رکھتے ہیں، لیکن ہمارے تمام آیت اللہ اور حضرات مراجع عظام اور ارباب مجتہدین کرام نے معنوی و مفہوماً ثابت کر کے دکھایا ہے اور مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے استدلال فرمایا ہے:

انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوۃ
ویؤتون الزکوۃ وہم راکعون .

ترجمہ: ”بیشک تمہارا حاکم اللہ ہے اور دوسرا حاکم اس کا رسول معظم ہے اور تیسرا حاکم وہ مومن ہے جو نماز پڑھتا ہے اور حالت رکوع میں زکوۃ دیتا ہے۔“

قلمی صاحب! آپ بحسن و خوبی جانتے ہیں کہ ہماری تمام تفاسیر اور احادیث صحیحہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حالت رکوع میں صرف حضرت علی علیہ السلام نے انگوٹھی خیرات فرمائی، اور اس کے علاوہ بالاتفاق شیعہ و سنی دونوں کی روایات صحیحہ میں مذکورہ بالا آیت کریمہ کے مطابق اور اس کے مصداق حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

تو اسی لیے ہم بھی مطابق دلیل قرآنی، علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفہ بلا فصل، کلمہ کے تیسرے جزء کو ماننے اور پڑھتے ہیں۔

قلمی صاحب! اگر آپ منصفانہ اور معتدلانہ فکر و نظر رکھتے ہیں تو ہمارا مدعا بحسن

و خوبی ثابت ہوا کہ پہلا حاکم اللہ تعالیٰ ہے اس سے ہمارا پہلا جزء معنا و مفہوما لا الہ الا اللہ ثابت ہوا۔

اور دوسرا حاکم ہمارا، اس سے رسول معظم ہے جس سے دوسرا جزء معنا و مفہوما محمد رسول اللہ ثابت ہوا۔

اور ہمارا تیسرا حاکم حضرت علی علیہ السلام ہیں، جس سے تیسرا جزء علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفۃ بلا فصل ثابت ہوا۔

اسی وجہ سے ہمارا کلمہ شریف بھی معنا و مفہوماً مذکورہ بالا آیت کریمہ میں ثابت ہوا، تو ہم بھی معنا و مفہوماً فخریہ انداز سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا کلمہ اسلام کامل و مکمل ہے اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفۃ بلا فصل قرآن کریم کے سینے میں مرکوز ہے۔

اس لیے ہم اس اصلی کلمہ اسلام کو اپنی اذانوں میں دہراتے رہتے ہیں اور اس تیسرے جزء کا ایمانی اعلان ضرور بالضرور کرتے رہتے ہیں تو اس میں حرج کیا ہے؟ سید امیر رضامتی!

جناب سید عباس حیدری لکھنوی صاحب! آپ کا ذکر کردہ دعویٰ کسی لحاظ سے بھی ثابت نہیں ہوتا ہے۔ آپ کا یہ دعویٰ کہ حقیقی کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفۃ بلا فصل ہے۔ کئی وجوہات سے بلا دلیل اور بغیر کسی حجت کا ہے۔ آپ اور آپ کے دیگر آیت اللہ حضرات دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

①..... برخوردار سید عباس حیدری صاحب! مذکورہ بالا آیت کریمہ میں لفظ ولی سے صرف اور صرف علی رضی اللہ عنہ مراد لینا قرآن کریم کی ایک من گھڑت اور خود ساختہ رائے کی تفسیر اور ایک بناوٹی تشریح ہے۔ من پسند تفسیر کے متعلق جناب محمد

رسول اللہ ﷺ بڑی تاکید سے فرماتے ہیں۔

مَنْ فَسَّرَ الْقُرْآنَ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَّبِعْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ [الحديث]
”جس کسی نے قرآن کریم کی تفسیر اور تشریح اپنی رائے سے کی پس وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔“

مذکورہ بالا حدیث صحیح کی روشنی میں اپنی من پسند رائے سے قرآن کی تفسیر و تشریح کرنے والا آدمی کوئی اسلام کی خدمت سرانجام نہیں دیتا بلکہ وہ الٹا جہنم میں اپنا گھر تعمیر کر رہا ہے۔

②..... آپ کا پیش کردہ دعویٰ کہ سنی و شیعہ فریقین کی روایات صحیحہ میں مذکورہ بالا آیت کریمہ سے صرف اور صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی مراد لینا محض آپ لوگوں کا دعویٰ ہے جو بلا دلیل ہے اور اس کے علاوہ سنی کتابوں میں کوئی اس قسم کی روایت صحیحہ اور مستندہ نہیں ہے۔ اس لیے آپ کا پیش کردہ دعویٰ مبنی بر کذب اور سفید جھوٹ ہے۔

③..... لفظ ولی کا معنی عربی لغت میں حاکم مراد لینا، یا خلیفہ کا معنی کرنا کسی عربی لفظ کی کتاب میں وجود نہیں رکھتا ہے اور نہ ہی مذکورہ معنی مراد لینے کے نظائر اور قرائن وجود رکھتے ہیں۔

④..... مذکورہ بالا آیت کریمہ میں لفظ ولی ہے، لفظ والی ہرگز نہیں ہیں کیونکہ ولی اور والی میں رات دن اور زمین و آسمان کا فرق موجود ہے۔ اہل علم حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہاں پر لفظ ولی کے معنی، دوست اور مددگار کے ہیں، خلیفہ یا حاکم کے معنی میں ہرگز نہیں ہے، فافہم

⑤..... قرآن و سنت کی روشنی میں مذکورہ بالا آیت کریمہ کا درست معنی

یوں ہے۔

”اے ایمان والو! تمہارے دوست صرف اللہ تعالیٰ، اس کا رسول ﷺ، اور ایمان لانے والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنے والے ہیں۔“

⑥..... ولی اور ولایت کا رتبہ قرآن کریم کی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے لا تعداد انسانوں کو عنایت فرمایا ہے۔ اور اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ ولایت کا درجہ، اللہ تعالیٰ جس کو عنایت فرمادے وہ فرد بشر قرب خداوندی اور رضائے الہی کا مستحق اور حقدار ہوا کرتا ہے۔ یہ ولایت کا رتبہ صرف خدا تعالیٰ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ہی عنایت نہیں فرمایا ہے جب کہ تم نے اپنے کلمہ اور اپنی اذان میں علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفہ بلا فصل کو ضروری اور لازمی قرار دے کر ذات علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ جو دیگر اولیاء اللہ سے نفی کے مترادف ہے۔

④..... اہل سنت والجماعت کے نزدیک مقام ولایت قرآن و سنت کی روشنی میں ایک اختیار کردہ کبھی چیز ہے۔ جو فرد بشر بلا امتیاز شریعت اسلامیہ کے تمام احکامات بجالاتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اپنا ولی اور اپنا خاص دوست بنا لیتا ہے۔ گویا یہی انسان مرضیات الہیہ اختیار کر کے محنت و کسب سے حدود شریعت کے اندر رہتے ہوئے ولایت کا درجہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ایسے ہی آدمی کو قرآن کریم نے ولی اللہ کے الفاظ سے یاد فرمایا ہے، جس کا معنی اردو زبان میں اللہ کا دوست ہے۔

⑧..... قرآن و سنت کے برخلاف ولایت کا رتبہ مذہب شیعہ کے اندر مخصوص اور وہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس طرح نبیوں اور رسولوں کو اپنے قانونِ مشیت سے منتخب کرتا ہے یعنی رسالت اور منصب نبوت اللہ تعالیٰ کی وحی کی روشنی میں عطا کر دیتا

ہے، اسی طرح شیعہ حضرات کے ہاں اللہ تعالیٰ، ولایت بھی بغیر کسی کسب و محنت سے عطا کر دیتا ہے بلکہ شیعہ حضرات کی یہ متفق علیہ روایت اور مسلمہ عقیدہ ہے کہ ”الامامة افضل من النبوة“

ترجمہ: ”امامت، نبوت سے افضل اور بہتر ہے“ اور نبوت کا درجہ شیعہ حضرات کے ہاں نعوذ باللہ ولایت سے گھٹیا درجہ ہے۔ اور اس کے علاوہ شیعہ حضرات ”الفاظ“ امامت، خلافت اور ولایت کو ایک ہی معنی میں قرار دے رہے ہیں جو قرآن و سنت کی روشنی میں ایک خود ساختہ اور من پسند مفہوم ہے۔

⑨..... قرآن کریم کی پاکیزہ تعلیمات میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمین و مومنین کو پیارے الفاظ اولیاء اللہ کے ساتھ پکارا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عباد تمام مسلمین و مومنین اولیاء اللہ ہیں جو شریعت اسلامیہ پر عمل کرنے والے ہیں، ایسے ہی مسلمین و مومنین کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ والی زندگی کی خوشخبری سنائی ہے۔ فرمایا:

إن أولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون . [الآیۃ]

ترجمہ: ”بیشک اللہ تعالیٰ کے تمام دوست ”اولیاء“ ان پر نہ کوئی غم ہوگا اور نہ ہی کوئی خوف۔“

ظاہر بات ہے جو افراد غم اور ماتم کے قائل ”کہنے والے“ اور فاعل ”کرنے والے“ ہیں وہ اولیاء اللہ ”اللہ کے دوست“ اور مومنین کب ہو سکتے ہیں؟

مذکورہ بالا آیت کریمہ سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ ولی صرف ایک نہیں ہے کہ جیسے تم علی ولی اللہ کے ذریعے ایک ہی کو قرار دے رہے ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے بہت سارے ولی ہیں جس طرح مذکورہ بالا آیت کریمہ سے دیگر انسان اور لا تعداد اولیاء اللہ لفظاً و معنیاً و مفہوماً اور صراحۃً ثابت ہوئے۔

⑩..... إنما وليكم الله ورسوله والذين آمنوا الذين يقيمون الصلوة ويؤتون الزكاة وهم راكعون . [الآية]

برخوردار سید عباس حیدری صاحب! مذکورہ بالا آیت کریمہ پر منصفانہ نگاہ دوڑائیے تو یہ تمام جمع کے صیغہ ہیں، واحد کا صیغہ ایک بھی اس آیت کریمہ میں نظر نہیں آ رہا ہے۔ جو ایک ہی فرد پر دلالت کرے، جس سے آپ لوگ اس آیت کریمہ سے اکیلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ مراد لیتے ہیں، بلکہ مذکورہ بالا اوصاف حمیدہ پر جو فرد بشر شریعت اسلامیہ کے مطابق عمل پیرا ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص اور حقیقی ولی ہیں۔ اکیلے حضرت علیؑ ”واحد کا صیغہ“ مراد لینا معنوی تحریف قرآن کے مترادف ہے جو ایک گونہ رائے کی مذموم اور غیر شرعی تفسیر ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں مفسرین کرام کے نزدیک اس قسم کی من چاہت تفسیر قابلِ مذمت تو ہے قابلِ مدح ہرگز نہیں۔

⑪..... مذکورہ بالا تمام جوابات کا اس سے اگلی آنے والی متصل آیت کریمہ میں ہمارے مدعا اور صحیح شرعی تفسیر کا واضح قرینہ موجود ہے.....

ومن يتول الله ورسوله والذين امنوا فان حزب الله هم الغالبون . [المائدہ: ۵۹]

ترجمہ: ”اور جو شخص اللہ کو اور اس کے رسول اور مومنوں کو دوست بنائے وہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب رہے گی۔“

تو یہاں ولایت بمعنی دوستی، عمومیت کے معنی میں استعمال ہوئی ہے یہاں حضرت علی المرتضیٰؑ کی ذات گرامی کی تخصیص ہرگز نہیں ہے۔

⑫..... برخوردار سید عباس حیدری صاحب! آپ کا دعویٰ ولایت کا خاص

ہے اور دلیل عام ہے، دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہیں پائی جاتی ہے بلکہ اس دعویٰ کے لیے بھی دلیل خاص ہونا چاہیے۔

سید عباس حیدری لکھنوی!

محترم قلمی صاحب! آپ کی بات درست ہے کہ مذکورہ بالا پیش کردہ آیت کریمہ میں تمام صیغہ جمع کے وارد ہوئے ہیں، لیکن قرآن کریم میں اکثر و بیشتر جہاں کہیں جمع کے صیغہ وارد ہوئے ہیں، وہاں ان صیغوں سے مراد ایک فرد ہی ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے مومنین باتمکین سے فرمایا ہے۔

”نحن أقرب اليه من جبل الوريد“ کہ ہم مومنین باتمکین کے شہ رگ سے بھی قریب تر ہیں۔ محترم قلمی صاحب! یہاں پر ”نحن“ جمع کا صیغہ ہی استعمال ہوا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فریقین ”سنی و شیعہ“ کے نزدیک متعدد یعنی کئی خدا نہیں ہیں، بلکہ درحقیقت ایک ہی اللہ ہے۔

اگر نحن ”ہم“ سے مراد ایک ہی اللہ ہوتا ہے تو والذین امنوا الذین يقيمون الصلوة ويؤتون الزكاة وهم راكعون سے بھی اکیلے حضرت علیؑ ہی مصداق ہوں گے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب حضرت علیؑ نماز پڑھ رہے تھے اور نماز پڑھنے کے دوران حالت رکوع میں تھے تو باہر سے ایک غریب مسکین آیا اور اسی دوران اس نے سوال کیا حضرت علیؑ سے کہ اللہ کے لیے کچھ عنایت فرمائیے، میں ایک غریب مسکین ہوں جو اللہ کے گھر میں اللہ کے ولی سے سوال کر رہا ہوں۔ ہے کوئی اللہ کے گھر میں کچھ دینے والا؟

جب سائل کی آواز حضرت علیؑ کے کان میں پہنچی تو حضرت علیؑ نے

حالت رکوع میں ہی ایک قیمتی انگوٹھی اپنی انگشت سے نکال کر غریب مسکین سائل کو عنایت فرمائی۔ اس لیے اس آیت کریمہ سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں اور یہی آیت کریمہ اور شان نزول کو مد نظر رکھتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جب حضرت علی علیہ السلام کی ولایت عظمیٰ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوئی، ثابت ہونے کے بعد ہم تیسرے جزء علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفہ بلا فصل اپنے کلمہ اور اپنی اذان میں پڑھتے رہتے ہیں۔

سید امیر رضائی!

برخوردار سید عباس حیدری صاحب! سب سے پہلی گزارش یہ ہے کہ آپ لوگوں کی زبانوں پر مومنین باتمکین کے الفاظ عادتاً ہوتے ہیں جو رٹے رٹائے اور سکھائے ہوئے ہوتے ہیں۔

جس طرح یہاں پر آپ کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب مومنین باتمکین سے ہے۔ حالانکہ یہ خطاب تمام انسانیت سے ہے، مومنین باتمکین کے علاوہ یہود و ہنود اور مجوس و نصاریٰ اور تمام افراد معاشرہ سے ہے کہ جو بھی حلقہ انسانیت سے وابستہ ہو، بلکہ انسانوں کے علاوہ یہ خطاب جنات سے بھی ہے جو کہ عمومی خطاب ہے کیونکہ انسان و جن ”وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون“ کہ میں نے جن و انس دونوں کو عبادت کے لیے تخلیق کیا ہے، دونوں مکلف دین الہی ہیں، دین اسلام کی امانت دونوں کے کندھوں پر رکھی ہوئی ہے تو مذکورہ بالا خطاب اللہ تعالیٰ کا عمومی ہے نہ کہ خصوصی۔

برخوردار سید عباس حیدری صاحب! آپ نے باقی گیارہ جوابات چھوڑ کر صرف ایک جواب پر گفتگو فرمائی ہے۔ میرے خیال میں دیگر جوابات سے آپ

مطمئن ہو چکے ہیں۔ چلیں اب اس نئے سوال کے متعلق جواب سنیں۔۔۔۔۔
برخوردار! تمام مفسرین کرام نے بالاتفاق زیر آیت ”نحن اقرب الیہ من جبل الورد“ نحن جمع ضمیر کے بارے میں علی الاعلان فرمایا ہے کہ نحن ضمیر اللہ تعالیٰ نے عظمت شان کے لیے فرمائی ہے۔ اس کا معنی یہ ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ”العیاذ باللہ“ متعدد ”بیشمار“ ہیں۔ نیز آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر قیاس کیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کو مخلوقات اور دیگر کائنات سے مثال نہیں دی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس کی ذات گرامی پر کسی کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ قرآن کریم اس بات کی گواہی دیتا چلا آ رہا ہے ”لیس کمثلہ شیء“ کہ اس جیسی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی مثل و مثال سے پاک و منزہ ہے۔ تمام کائنات و موجودات میں وہ بے مثل اور بے مثال ہے۔ اور نہ ہی اس کی ذات سے کسی چیز کی طرف مثال اور نسبت کی جاسکتی ہے، کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک جیسے نہیں ہیں۔ کم از کم خالق و مخلوق اور مالک و مملوک میں کچھ تو فرق ہونا چاہیے۔ رہی آپ کی دوسری بات کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حالت نماز اور حالت رکوع میں غریب سائل کو ایک قیمتی انگوٹھی عنایت فرمائی، صحیح روایتوں میں مذکورہ بالا بات ثابت شدہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت آپ بھی جانتے ہیں اور آپ کے تمام مراجع عظام تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عبادت نہایت خضوع و خشوع والی تھی۔

آپ کے حجت الاسلام والمسلمین اور ذاکرین حضرات جب عوام الناس کے سامنے مجالس عزائم میں داستان گوئی سناتے ہیں اور بڑے فخریہ انداز سے لوگوں سے کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نمازوں میں ایسے مناجات ”رازداری کی باتیں“

فرماتے ہیں اور عبادت الہی میں ایسے مستغرق ہوتے ہیں کہ اگر حضرت علیؑ کے جسم مبارک میں کوئی تیر مارے اور تیران کے جسم سے پار بھی ہو جائے تو انہیں پتہ بھی نہیں چلتا ہے اور مزید مبالغہ آرائی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس قسم کے حادثات بار بار پیش آچکے ہیں۔ لیکن آپ کی بنائی ہوئی روایت کی موجودگی میں حضرت علیؑ نے نماز اور حالت رکوع میں مسکین سائل کو انگشتی خیرات فرمائی، تو یہاں خالق کائنات سے حضرت علیؑ نے کس طرح تعلق اور رشتہ عبادت توڑا؟ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات ”راز داری و نیاز کی باتیں“ کرتے ہوئے اس سے توجہ ہٹائی؟ اس کے علاوہ ذہنوں میں یہ سوال بھی ابھرتا ہے کہ آیت مذکورہ بالا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم دیا جا رہا ہے وہ فرضی زکوٰۃ کا حکم ہے یا صدقہ و خیرات کا حکم دیا جا رہا ہے؟ یا اگر زکوٰۃ فرضی ہے تو انگٹھی پر کون سی زکوٰۃ واجب تھی؟ آپ کی فقہ جعفریہ میں مذکورہ انگٹھی اور مقدار زکوٰۃ کی بات ہی نہیں ہوئی ہے، اور کیا حضرت علیؑ زکوٰۃ حالت رکوع میں ہی ادا فرماتے تھے؟

سید عباس حیدری لکھنوی!

جناب محترم علامہ قتی صاحب! ہماری مستند اور معتبر روایات اہل بیت صلوات اللہ علیہم سے بھرپور تفسیر [تفسیر نور الثقلین ج ۲، ص ۲۵۵] میں مذکورہ بالا آیت کریمہ کے تحت یہ حدیث مبارک منقول ہے کہ سوال کرنے والا کوئی جن نہ تھا اور نہ ہی کوئی انسان تھا بلکہ ایک معصوم فرشتہ تھا۔ روایت کی حقیقت مندرجہ ذیل ہے۔

والسائل الذی سئل امیر المؤمنین من الملائکۃ والذین یسئلون الائمۃ من اولادہ یکنونون من الملائکۃ۔

”جس سائل نے حضرت علیؑ سے حالت نماز اور حالت رکوع میں

سوال کیا تھا وہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ تھا۔“

قتی صاحب! آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ روایات اہل بیت صلوات اللہ علیہم کی روشنی میں ہمارے بارہ ائمہ کرام علیہم السلام تمام کے تمام معصوم ہیں۔ اور یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ فرشتے بھی معصوم ہوتے ہیں، تو حسب قاعدہ معصوم، معصوم سے سوال کرے تو معصوموں کی عبادت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے اور نہ ہی عبادت الہی کا استغراق والا تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔

سید امیر رضامتی!

جناب کے جواب پر میں کئی حصوں میں تفصیلی تبصرہ کروں گا اور ساتھ ساتھ مختلف قسم کے سوالات بھی اٹھاؤں گا.....

①..... برخوردار سید عباس حیدری صاحب! آپ کے اماموں کا معصوم ہونا قرآن و سنت کی پاکیزہ تعلیمات میں ثابت ہی نہیں ہے۔ یہ اماموں کی عصمت کا دعویٰ آپ حضرات کی طرف سے عامۃ الناس کے سامنے بڑی دھوم دھام سے پیش کیا جاتا ہے، دوسری صورت میں اگر آپ حضرات سے بارہ اماموں کے معصوم ہونے پر دلیل طلب کی جائے تو پھر آپ حضرات گونا گوں تاویلوں کے سیلاب رواں میں بہتے چلے جاتے ہیں، اور ٹھوس دلیل پیش کرنے سے عاجز اور بے بس نظر آتے ہیں۔

②..... اگر آپ حضرات کے بارہ ائمہ کرام آپ کے دعویٰ کے مطابق معصوم ہی ثابت ہو جائیں، تو ائمہ کرام، لامحالہ مثل بنی اور مثل رسول ہو جائیں گے۔ حالانکہ شریعت اسلامیہ امام اور رسول کا واضح فرق کرنا بھی ضروری اور از حد لازم سمجھتی ہے۔ بالفرض و الحال رسول بھی معصوم ہو اور امام بھی معصوم ہو تو لامحالہ رسول و امام

دونوں برابر تصور کیے جائیں گے اور دونوں کا برابر ہونا شرعاً ”از روئے شریعت“ محال ہے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ رسول اور نبی معصوم ہوتے ہیں اور امام شرعاً معصوم نہیں ہوتے۔

③..... البتہ قرآن و سنت کی روشنی میں اور فریقین و جانبین کے نزدیک یہ بات اہل اور حقیقی ہے کہ فرشتے جو کہ اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں نور سے پیدا فرمایا ہے فطرتاً معصوم ہوتے ہیں، فرشتوں کی عصمت میں بالاتفاق کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔

④..... یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے نماز فرض تھی، وہ اس سے کسی وقت بھی ادائیگی کے لحاظ سے سبکدوش نہیں ہوئے اور نہ ہی ہو سکتے ہیں، اور اس کے برعکس نماز کی فرضیت قرآن و سنت کی روشنی میں فرشتوں پر ایک لمحہ بھی نہیں ہے، یعنی معصوم فرشتوں پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے پوری زندگی میں ایک دفعہ بھی نماز فرض نہیں ہوئی ہے۔ آپ حضرات اس بات پر اصرار کر رہے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حالت نماز اور حالت رکوع میں قیمتی انگلیوں خیرات فرما کر اس کی نماز میں کوئی فرق نہیں پڑا اور نہ ہی پڑ سکتا ہے۔

جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے کہ ایک پر نماز فرض ہے، دوسرا فرشتہ نماز سے مستثنیٰ ہو کر فرضیت سے سبکدوش ہے، دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟

شرعی طور پر ایک نماز میں داخل ہے اور دوسرا نماز سے خارج۔ نماز سے خارج فرد، داخل نماز والے فرد سے سوال کرے تو فرق کیوں نہیں پڑتا؟

⑤..... یہ بات نقلاً و عقلاً ثابت شدہ ہے کہ فرشتوں کو کھانے پینے کی خواہش نہیں ہوتی۔ انہیں نہ بھوک لگتی ہے اور نہ ہی پیاس لگتی ہے۔ وہ معصوم فرشتے حوائج

دنویہ اور دیگر لوازمات و ضروریات سے پاک ہوتے ہیں۔ جب دونوں فریقین کے نزدیک یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ فرشتوں کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی ہے تو ان معصوم فرشتوں کا انسانی افراد سے سوال کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

①..... یہ بات قطعی الثبوت اور بدیہی ہے کہ اسی مادیات کی دنیا میں انسان کی ضروریات انسان کی طرف پڑ سکتی ہے اور انسان، انسان سے سوال کرتا رہتا ہے اور پھر انسان، انسان ہی سے کسی معاملہ کی تحقیقات اور معلومات بھی پوچھ سکتا ہے لیکن فرشتوں سے کون پوچھے؟ کہ واقعی ایک معصوم فرشتہ نے حضرت علی المرتضیٰ سے حالت نماز و حالت رکوع میں سوال کیا تھا؟ گویا آپ حضرات کی روایات اہل بیت نے تحقیقات و معلومات حاصل کرنے کے تمام راستے مسدود کر دیئے اور ہمارے ذرائع ابلاغ کی پیش رفت کو تالا لگا دیا۔ ہے کوئی کہ کم از کم اس سے پوچھ سکے کہ حالت نماز اور حالت رکوع میں قیمتی انگشتی دینے کا مقصد کیا؟

②..... کیا آپ حضرات قرآن و سنت کی روشنی میں یا سابقہ کتب و صحائف، تورات، زبور اور انجیل میں یہ مسئلہ دکھا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے معصوم فرشتوں کو مصارف زکوٰۃ یا مستحقین زکوٰۃ میں شمار فرمایا ہے؟ تاکہ زکوٰۃ کے اہل نصاب لوگ کم از کم معصوم فرشتوں کا حصہ نکال کر انہیں زکوٰۃ یا خیراتی فنڈ سے مالا مال کیا کریں اور ڈھیر سارا ثواب کمائیں کیونکہ انسانوں کے بجائے فرشتوں کو زکوٰۃ دینا زیادہ باعث ثواب تصور کیا جائے گا۔

③..... اگر آپ حضرات کی روایات اہل بیت کے مطابق، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حالت نماز و رکوع میں زکوٰۃ دی تھی یا انگلی کا صدقہ حالت رکوع میں عنایت فرمایا تھا تو کیا آپ فقہ جعفریہ کی روشنی میں یہ بتانا گوارا کریں گے کہ حضرت

علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا انکسٹری کا صدقہ دینا یا زکوٰۃ دینا، ان کا ہنگامی وقتی فعل تھا؟ یا دائمی فعل تھا؟ فقہ جعفریہ اس قسم کی واضح توجیہات اور اہم امور و مسائل سے خالی کیوں نظر آتی ہے؟

⑨..... اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہی عمل دائمی اور ہمیشہ والا ہوتا تو باقی ماندہ گیارہ ائمہ کرام ضرور بالضرور اتباع اور اقتدار کرتے کم از کم اپنے عہد میں ائمہ کرام ایک دفعہ ہی یہ عمل تو دکھاتے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

⑩..... کیا آپ حضرات اپنی کتب اصول اربعہ، اصول کافی، من لا یحضرہ الفقیہ، تہذیب الاحکام اور الاستبصار کی روشنی میں یہ بتلا سکتے ہیں کہ یہ محبوب اور اتباع والا پیارا عمل آپ کے مجتہدین، علمائے کرام و مراجع عظام و حجتہ الاسلام والمسلمین اور ذاکرین اہل بیت نے کہیں کر کے عملاً دکھلایا ہے؟ فقہ جعفریہ کے تمام اوراق اس قسم کی روایت سے تشنہ لب اور خالی کیوں نظر آتے ہیں؟

⑪..... مذکورہ بالا تین جزء والا کلمہ، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفۃ بلا فصل جو تم روزانہ بلا ناغہ اذان و کلمہ میں پڑھتے ہو، یہ کلمہ تمہاری کتابوں جنہیں تم اصول اربعہ کے نام سے پکارتے ہو میں سے نہیں ہے۔ اور مذکورہ اصول اربعہ کتابیں آپ کے نزدیک درج ذیل ہیں، اصول کافی، من لا یحضرہ الفقیہ، تہذیب الاحکام، الاستبصار۔

⑫..... جب آپ حضرات کے بارہ ائمہ کرام نے اپنی اپنی زندگی اور اپنے اپنے وقت میں مذکورہ بالا تین جزء والا کلمہ ایک دفعہ ہی پڑھا نہیں ہے اور نہ ہی انہوں نے اپنے اصحاب اور اپنے پیروکاروں کو کبھی اس کی تاکید کی ہے کہ مذکورہ بالا تین جزء والا کلمہ پڑھنے کا یہ ثواب ہے؟ تو پھر یہ من گھڑت اور خود ساختہ کلمہ کیوں پڑھتے ہو؟

⑬..... آپ حضرات مذکورہ بالا تین جزء والا کلمہ اپنے کسی امام سے ثابت نہیں کر سکتے ہیں کہ کبھی غلطی سے بھی کسی نے اپنے مرید، شاگرد، غلام، خادم، فداکار یا پیروکار کو اس تین جزء والے کلمہ کی تلقین کی ہو؟

البتہ ہم آپ کے چھٹے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت کر کے دکھا سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی میں یہی دو جزء والا اصلی اور حقیقی کلمہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کی تلقین فرمائی ہے۔ تلقینی الفاظ کے نقوش ملاحظہ فرمائیے:

وقال الصادق علیہ السلام، ما من أحد يحضره الموت، إلا وكل به ابليس من شياطينه يأمره بالكفر ويشككه في دينه حتى يخرج نفسه فاذا حضرتم موتاكم فلقنوهم شهادة ان لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله حتى يموتوا۔

[کتاب من لا یحضرہ الفقیہ ج ۱، باب غسل الميت ص ۳۲]

ترجمہ: ”امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی پر موت آتی ہے تو ابلیس اپنے شیطانوں میں سے کسی کو اس پر مسلط کر دیتا ہے تاکہ وہ اس کو کفر کا حکم دے اور اس کے دین میں شک ڈالے۔ حتیٰ کہ اس کی جان اسی حالت کفر میں نکلے۔ اس لیے تم اپنے مرنے والوں کے پاس جاؤ تو تم اس کو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینے کی تلقین کرو تاکہ انہی دونوں شہادتوں پر ان کی موت آجائے۔“

مذکورہ بالا حدیث تلقین میں دو جزء کا ذکر موجود ہے، تیسرے جزء کا ذکر ہی نہیں ہے۔ اور یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح واضح ہوئی کہ اصلی کلمہ اسلام امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے فرمان کے نزدیک دو جزء والا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے

تیسرے جزء والا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفۃ بلا فصل ہرگز نہیں ہے۔

۱۹..... آپ حضرات کے ائمہ کرام میں سے چھٹے امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرمان کی روشنی میں یہ حقیقت بھی ہویدا ہوئی کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تلقین کر دینے سے دنیا سے رخصت ہونے والا انسان اگر اصلی اور بنیادی کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لے تو وہ انسان، صاحب ایمان اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔ جب دو جزء والا کلمہ پڑھنے سے انسان صاحب ایمان اور صاحب دائمی نجات والا بن جاتا ہے تو پھر تیسرے من گھڑت جزء کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جس سے ایمان تباہ ہو جائے۔

سید عباس حیدری لکھنوی!

محترم علامہ سید امیر رضا قاسمی صاحب! آپ کی تفاسیر اور ہماری تفاسیر میں بھی ولایت علی علیہ السلام کا ذکر خیر کئی وجوہ اور اسباب سے وجود میں آیا ہے۔ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولایت علی علیہ السلام اور وصایت علی علیہ السلام پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لی۔

ولایت علی علیہ السلام کی روایت کی جھلکیاں درج ذیل ملاحظہ فرمائیے:

عن عتبة بن عامر الجهني قال بايعنا رسول الله صلى الله عليه وسلم على قول لا اله الا الله وحده لا شريك له وان مجمدا نبیه وعلیا وصیه فای من الثلاثة تركناه كفرنا۔

[ينابيع المودة ج ۲، ص ۷۳، طبع بيروت]

ترجمہ: ”عتبہ بن عامر جہنی صحابی روایت کرتے ہیں کہ ہم نے رسول خدا

صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قول پر بیعت کی۔ سوائے وحدہ لا شریک لہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نبی اور علی علیہ السلام اس کے وصی ہیں۔ اور اگر ہم نے ان تین شہادتوں میں سے کسی ایک شہادت کو ترک کیا تو گویا ہم نے انکار ”کفر“ کیا۔“

مذکورہ بالا روایت سے پہلی شہادت لا الہ الا اللہ ہے اور دوسری شہادت سے مراد محمد رسول اللہ ہے اور تیسری شہادت سے مراد وصایت علی اور ولایت علی علیہ السلام ہے۔

قاسمی صاحب! آپ کا یہ کہنا کہ ہمارے بارہ ائمہ کرام رضی اللہ عنہم نے تین جزء والا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفۃ بلا فصل پڑھا ہی نہیں ہے حالانکہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پڑھا بھی اور انہی تین شہادتوں پر بیعت بھی فرمائی ہے بنا بریں آج اگر ہم اپنے کلمہ میں اپنی اذانوں میں تیسرے جزء علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفۃ بلا فصل کو علی الاعلان برملا دھراتے ہیں تو یہ سنت رسول اللہ بھی ہے اور سنت صحابہ کرام بھی ہے۔ اس حدیث کے علاوہ ہماری مستند اور معتبر تفسیر نور الثقلین ج ۱، ص ۳۸ میں ولایت علی علیہ السلام کا ذکر خیر پر اعتماد طریقہ سے وارد ہوا ہے۔

عن أبي جعفر عليه السلام قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يا علي إذا كان يوم القيامة أقعد أنا وأنت وجبرئيل عليه السلام على الصراط فلم يحز أحد إلا من كان معه كتاب فيه براءة بولايتك۔

ترجمہ: ”ہمارے امام ہاقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ اے علی! جب قیامت کا دن ہوگا پل صراط پر میں اور آپ ﷺ اور جبرائیل علیہ السلام ہم تینوں بیٹھے ہوں گے، پل صراط پر کوئی نہیں گزر سکے گا سوائے اس کے جس کے پاس ولایت علی علیہ السلام کا پروانہ ہوگا وہ باسانی گزر سکے گا۔“

علامہ قمی صاحب! آپ تو ولایت علی علیہ السلام سے اس دنیا میں انکار فرماتے ہیں لیکن مذکورہ بالا روایت اہل بیت علیہم السلام سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ قیامت کے دن بھی ولایت علی علیہ السلام کام آئے گی اور جہنم سے وہی لوگ خلاصی اور رستگاری پائیں گے جن کے پاس ولایت علی علیہ السلام کا پروانہ موجود ہوگا اور یہ بات بھی اظہر من الشمس ہوئی کہ جن کے پاس ولایت علی علیہ السلام کا پروانہ نہیں ہوگا، ان پر جنت کی خوشبو حرام اور مستحق جہنم ہوں گے۔

شہادت ثالثہ کے وجود پر اور تیسرے جزء علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفہ بلا فصل کے اثبات پر تیسری روایت آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال: أوحی اللہ الی نبیہ صلی اللہ علیہ وآلہ: واستمسک بالذی اوحی الیک إنک علی صراط مستقیم: سورۃ الزخرف آیت ۴۲۔ قال: إنک علی ولایۃ علی وعلی علیہ السلام هو الصراط المستقیم۔

[تفسیر نور الثقلین ج ۱، ص ۴۲]

ترجمہ: ”امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محترم کی طرف وحی کی ہے کہ مضبوطی کے ساتھ اس شخص کو تھام لو جس کے بارے میں آپ ﷺ کو وحی کی گئی ہے۔ بلا شک آپ ﷺ صراط مستقیم پر ہیں۔“

اور فرمایا بیشک آپ ﷺ ولایت علی علیہ السلام کے پیروکار ہیں، اور علی علیہ السلام ہی صراط مستقیم ہیں۔“

محترم علامہ قمی صاحب! روایات مذکورہ ثلاثہ سے بحسن و خوبی روز روشن اور نصف النہار کی طرح واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ولایت علی علیہ السلام کی اتنی بڑی اہمیت ہے کہ خاتم النبیین ﷺ کو بھی ولایت علی علیہ السلام کی فرمانبرداری اور پیروکاری کا حکم دیا گیا ہے اور دوسری طرف یہ بات بھی نصف النہار کی طرح واضح ہوئی کہ جس صراط مستقیم کی طلب، مومنین باتمکین پانچ وقت کی نمازوں میں کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں صراط مستقیم دکھا اور اپنی توفیق خاص سے اس پر چلا، تو اس صراط مستقیم کی واضح نشاندہی بھی فرمادی کہ ولایت علی علیہ السلام ہی حقیقی صراط مستقیم ہے جو مقصود کائنات اور باعث تخلیق کائنات ہے۔

اس لیے ہم بڑے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ جو فرد بشر ولایت علی علیہ السلام کو دل و جان سے نہیں مانتا، وہ قطعی طور پر مومن نہیں ہو سکتا، اسلام کا مرکزی نقطہ نگاہ اور قطب نشان ولایت علی علیہ السلام کو قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے ہمارے لیے لازم اور واجب ہے کہ کلمہ شریف میں اور اذان میں ولایت علی علیہ السلام کا اقرار، علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفہ بلا فصل کا اعلان برملا کریں۔ کیونکہ ولایت علی علیہ السلام کے بغیر تکمیل اسلام نامکمل ہے۔ ولایت علی علیہ السلام کا وجود دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی ہے۔

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

سید امیر رضامتی!

الجواب الصواب بعون اللہ الوہاب:
برخوردار سید عباس حیدری صاحب! آپ کی پہلی پیش کردہ روایت جو کہ عتبہ

بن عامر جہنی سے مروی ہے قابل استناد اور قابل اعتبار ہرگز نہیں ہے۔ مذکورہ بالا روایت منقول کردہ ہماری ”اہل سنت والجماعت کی“ کتابوں میں موجود ہی نہیں ہے، روایت مذکورہ نہ تو سند اور نہ ہی متناوہ وجود رکھتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ کی نقل کردہ روایت کی کوئی سند نہیں ہے کہ سند کے رجال ”رواۃ“ روایت کرنے والوں کی تحقیقات پر جرح و تعدیل کرے، گو مذکورہ بالا پیش کردہ روایت مقطوع السند روایت ہے جسے تمام محدثین کرام بالا اتفاق موضوع اور من گھڑت گردانتے ہیں۔

برخوردار سید عباس حیدری صاحب! جو روایت معیار محدثین کرام کے مطابق نہ ہو وہ روایت ہم پر کسی صورت میں بھی حجت اور دلیل نہیں بن سکتی۔

تیسری بات یہ ہے کہ عربی کا ایک مشہور مقولہ ہے اور عرب لوگ یہ مقولہ اس وقت پیش کرتے ہیں جب سچ اور جھوٹ کی تمیز ختم ہو جائے، کہتے ہیں ”قوله وبوله سواء“ کہ اس کا قول اور اس کا بول ”بات اور پیشاب“ دونوں برابر ہیں۔

مرکز نبوت سے وہ بات قابل توثیق اور قابل تصدیق قرار دی جاسکتی ہے جس بات کی نسبت، زبان رسالت سے ثابت ہو جائے، جو بات سرے سے ہی رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہی نہیں ہے وہ بات قابل حجت نہیں ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا روایت کی نسبت جو آپ نے ہماری تفسیر کی طرف فرمائی ہے، مذکورہ محولہ بالا کتاب ینابیع المؤدۃ ”نامی کتاب“ تفسیر کی کتاب ہرگز نہیں، ینابیع المؤدۃ نامی کتاب میں تمام روایات بلا سند مجہول الحال اور مجہول القال روایات کی بھرمار ہے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ ینابیع المؤدۃ کتاب ہماری کتاب نہیں ہے بلکہ مذکورہ

کتاب شیعوں کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ شیعہ حضرات اکثر و بیشتر اسی طرح کرتے ہیں کہ عقائد و اعمال اپنے لکھ لیتے ہیں اور پھر اس کتاب پر سنی حضرات کا نام لکھ کر تقسیم کر کے اسے نشر کرتے ہیں۔

ینابیع المؤدۃ کتاب بھی اسی طرح ہے۔

چھٹی بات یہ ہے کہ سنت رسول اللہ کا نام لینا زبانوں سے الفاظ ادا کرنا تو بہت آسان ہے لیکن سنت رسول اللہ ﷺ اُسے کہتے ہیں جس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں ہمیشہ عمل کر کے دکھایا ہو، گو ساری زندگی اس کام پر مداومت اور ہیشگی فرمائی ہو، جس چیز کو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی زندگی میں عملاً ایک ہی دفعہ نہ کیا ہو، وہ سنت رسول اللہ ﷺ کس طرح ہو سکتی ہے؟ دعویٰ کرنا آسان ہے لیکن عمل کر کے دکھانا مشکل ہے۔

جب سے ملی ہے مجھ کو تصور کی روشنی
دیکھے بغیر آپ کو پہچانتا ہوں میں
دفن کر سکتا ہوں سینے میں تمہارے راز کو
اگر چاہوں تو افسانہ بنا سکتا ہوں میں

آپ کی پیش کردہ دوسری روایت کے متعلق عرض ہے کہ روز قیامت کی کامیابی کا انحصار، تو حید و رسالت کا اقرار کرنا اور قرآن و سنت کے مطابق اعمال صالحہ بجالانا ہے اس کے علاوہ جہنم میں جانا اور جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا خداوند قدیر کے دست قدرت میں ہے۔ قیامت کے روز ایمان باللہ، ایمان بالرسول، آسمانی کتابوں پر ایمان لانا فرشتوں پر ایمان لانا اور قیامت کے واقع ہونے اور حساب و کتاب پر ایمان لانا، مذکورہ بالا تمام امور پر ایمان و عمل دونوں چیزیں ضروری ہیں۔

برخوردار سید عباس حیدری صاحب! قیامت کے دن، دنیا کی طرح کوئی ٹول پلازہ نہیں ہے کہ وہاں ولایت علیؑ کا پروانہ وصول کیا جائے گا پھر ٹول پلازہ پر خاتم النبیین ﷺ کو بھی بٹھلا دیا کہ ولایت علیؑ کا پروانہ خود رسول اللہ ﷺ وصول کریں گے۔

میرے خیال میں نبوت و رسالت کا کوئی پروانہ نہیں ہوگا صرف ولایت علیؑ کا پروانہ وصول کیا جائے گا۔

یہ روایت آپ لوگوں نے اپنی فیکٹری میں ملنگوں کے لیے بنائی ہے کہ امام باڑہ میں بیٹھ کر ایک طرف بھگ چس پیتے ہیں اور دوسری طرف نعرہ حیدری یا علی کہہ کر بزم خود جنت کما لیتے ہیں۔ جنت کوئی اتنی آسان نہیں کہ پروانہ علیؑ سے مل جائے اگرچہ قرآن و سنت کی مخالفت کر لی جائے بس جنت مل جائے گی۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

آپ کی منقول کردہ تیسری روایت میں عقیدہ ولایت علیؑ اور رتبہ و مقام پیغمبر اسلام کی نبوت و رسالت کے مقابلے میں چھ ہیں۔ کیونکہ شیعہ حضرات کے ہاں، اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور اس کی خوشنودی حاصل کرنا مقصود نہیں بلکہ شیعہ حضرات کے ہاں، معیار حق، محض حب محمد و آل محمد اور ولایت علیؑ کا زبانی اقرار ہے۔ اعمال صالحہ کا اختیار کرنا اور اتباع نبوی پر فدا ہونا شیعہ حضرات کے ہاں معیار حق نہیں۔ اس کے علاوہ آپ حضرات کے بقول امام محمد باقرؑ نے گل افشانی اور بڑی دریا دلی سے کام لے کر رہی سہی کسر نکال دی کہ لوگوں کے ذہنوں میں جو شکوک و شبہات تھے، ان تمام شکوک و شبہات کو یقین میں بدل کر منصب رسالت و نبوت کا معاملہ ہی ختم کر دیا کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو جو کہ تمام نبیوں، رسولوں کے امام

اعظم اور پیشوا ہیں۔ اسی سید الرسل والانبیاء کو بجائے امام الانبیاء کے حضرت علیؑ کا مطیع و تبع اور غلام بنادیا گیا۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

برخوردار سید عباس حیدری صاحب! آپ حضرات ولایت علیؑ کو کلمہ و اذان میں لازم قرار دے رہے ہیں حالانکہ آپ کے سابقین علمائے کرام اور مجتہدین عظام نے ولایت علیؑ کو کلمہ و اذان میں ایک اضافی جزء قرار دیا ہے۔

من لا يحضره الفقيه میں یوں درج ہے۔ هذا هو الأذان الصحيح لا يزداد فيه ولا ينقص منه والمفوضة لعنهم الله قد وضعوا أختياراً وزادوا في الأذان محمد وآل محمد خير البرية مرتين وفي بعض رواياتهم بعد أشهد ان محمداً رسول الله، أشهد أن علياً ولي الله مرتين، ومنهم من روى بذكر ذلك أشهد أن علياً أمير المؤمنين حقاً ولا شك في أن علياً ولي الله وأنه أمير المؤمنين حقاً وأن محمداً وآله صلوات الله عليهم خير البرية ولكن ليس ذلك في أصل الأذان۔

[من لا يحضره الفقيه، ج ۱، ص ۱۸۸]

ترجمہ: ”اس کتاب کے مصنف ”ملا صدوق قمی“ کہتے ہیں کہ یہ اذان ”جو جعفر صادق نے بیان کی ہے“ صحیح ہے اس میں کمی و بیشی نہ کی جائے۔ ملا صدوق قمی تاکید فرماتے ہیں کہ مفوضہ شیعوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، انہوں نے حدیثیں اپنی طرف سے گھڑ لی ہیں اور اذان میں محمد و آل محمد خیر البرية کے الفاظ دو دفعہ بڑھادیے ہیں اور

ان کی بعض روایات میں اشہد ان محمد رسول اللہ کے بعد ”اشہد ان علیا ولی اللہ“ کا اضافہ دوسرے آیا ہے اور ان شیعوں میں سے بعض شیعہ ایسے ہیں جنہوں نے ”اشہد ان امیر المومنین حقاً“ کے الفاظ دو دفعہ بڑھادیئے ہیں حالانکہ اس بات میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خدا کے دوست ہیں، بے شک وہ امیر المومنین برحق ہیں اور محمد وآل محمد تمام مخلوقات سے بہتر ہیں، لیکن یہ جملے اصلی اذان میں نہیں ہیں۔ ”یہ انہوں نے اذان میں اپنی جانب سے بڑھائے ہیں خدا کی لعنت ہو ایسے شیعوں پر۔“

اسی طرح محمد بن کی جو آٹھویں صدی ہجری کے علمائے شیعہ میں سے ہیں اپنی تصنیف ”لمعہ دمشقیہ“ میں اذان کے اندر اضافہ کرنے والے شیعوں کی تردید کرتے ہوئے فتویٰ دیتے ہیں کہ اذان میں اضافہ کرنے والے شیعہ بدعتی ہیں اور اپنی جانب سے ایک نئی شریعت تیار کر رہے ہیں۔

ولا يجوز اعتقاد شرعية غير هذه الفصول في الأذان والاقامة كالتشهد بالولاية لعلی علیہ السلام وأن محمداً وآله خير البرية أو خير البشر وإن كان الواقع كذلك مما كل واقع حقاً لا يجوز إدخاله في العبادات الموظفة شرعاً المحدودة من الله تعالى كما لو زاد في الصلوة ركعة أو تشهداً۔

[شرح لمعہ دمشقیہ، ج ۱، ص ۲۴۰]

ترجمہ: ”اذان و اقامت میں ان فقرات کے علاوہ کسی اور چیز کا عقیدہ رکھنا جائز نہیں جیسا کہ ولایت علی رضی اللہ عنہ کی گواہی دینا اور محمد وآل محمد تمام

مخلوقات سے یا تمام بشر سے افضل ہیں ان کی گواہی دینا، اگرچہ بات واقع میں تو صحیح ہے مگر ہر صحیح بات کو عبادات میں داخل کرنا جائز نہیں ہے، جن کی حد بندی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو چکی ہے۔ پس ان چیزوں کو اذان میں داخل کرنا بدعت ہے اور اپنی جانب سے نئی شریعت تیار کرنا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسا کہ کوئی شخص نماز میں ”اپنی طرف سے“ ایک رکعت بڑھادے یا ایک تشہد کا اضافہ کر دے۔“

برخوردار سید عباس حیدری صاحب! آپ کے سابقین مجتہدین کرام نے اذان میں ولایت علی رضی اللہ عنہ کے الفاظ دہرانے کو بدعت اور ایک نئی شریعت قرار دے رہے ہیں۔

سید عباس حیدری لکھنوی!

محترم علامہ سید امیر رضامتی صاحب! یہ حقیقت ہے کہ بعض کلمات رسول اللہ ﷺ کے دور حیات میں حقیقتاً اور واقعاً اذان میں داخل اور شامل نہیں تھے لیکن بعض حالات اور حوادث اور مذہبی تشخص کو بچانے کی خاطر دور ماضی میں اچھے کلمات کا اضافہ ہو چکا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ ہم اس بات کا اقرار اور اعتراف کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اور ائمہ کرام علیہم السلام کے دور حیات میں اذان و کلمہ شریف میں مذکورہ بالا کلمات داخل نہیں تھے، لیکن ہنگامی طور پر مذہبی تشخص اور مسلکی پہچان کو اجاگر کرنے کی خاطر اذان و کلمہ شریف میں اضافہ کرنا ضرورت کے تحت ایک ناگزیر عمل تھا، اگر ہمارے مجتہدین کرام نے شرعی وظیفہ جان کر اضافی کلمات، کلمہ و اذان میں داخل فرمائے ہیں تو قلمی صاحب! ناراض نہ ہونا اس راستے میں ہم شیعان علی علیہ السلام اکیلے مسافر نہیں ہیں بلکہ آپ حضرات کے اکابرین نے بھی اذان نبوی

ﷺ میں اضافی کلمات کے دخول کا ارتکاب کیا ہے۔ اگر ہم نے کلمہ و اذان میں ایک ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اچھے کلمات کا اضافہ کیا ہے تو آپ کے خلیفہ دوم نے بھی فجر کی اذان میں کچھ کلمات کا اضافہ کیا ہے۔ قتی صاحب! ہم نے کلمہ و اذان میں اضافہ کر کے علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفۃ بلا فصل کی گواہی کا اعلان کرتے ہیں اور آپ کے خلیفہ دوم نے اذان فجر میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا اعلان کر کے محض نیند سے بیداری ہونے کی شہادت دیتے ہیں، اضافی کلمات کا ارتکاب من حیث المذہب دونوں فریقین کرتے ہیں، یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک فرقہ اگر اضافہ کرے تو وہ اضافہ تمام اچھائیوں اور خوبیوں سے مالا مال ہے اور اگر دوسرا فرقہ اضافہ کرے تو وہ اضافہ تمام قباحتوں اور برائیوں کا فرقہ مجسمہ قرار دیا جا رہا ہے۔ علامہ قتی صاحب! اذان فجر میں درج ذیل روایت کی جھلکیاں ملاحظہ فرمائیے وہ بھی آپ کی کتابوں سے۔

عن مالک بلغه أن المؤذن جاء عمر يؤذنه لصلوة الصبح فوجده نائماً فقال: الصلوة خير من النوم فأمره عمر أن يجعلها في نداء الصبح۔

[موطا امام مالک ص ۵۷، مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴]

ترجمہ: ”مالک سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مؤذن ”اذان دینے والا“ حضرت عمر کو نماز کی اطلاع دینے آیا تو اس نے آپ کو سویا ہوا پایا تو کہا ”الصلوة خیر من النوم“ حضرت عمر نے اسے حکم دیا کہ اس جملے کو صبح کی اذان میں کہا کرو۔ مذکورہ بالا روایت سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ صبح کی اذان میں اضافہ ”الصلوة خیر من النوم“ آپ حضرات کے

خلیفہ دوم نے کیا ہے گویا اس سفر کا آغاز و اضافہ آپ کے اکابرین نے کیا ہے صرف ہم نے نہیں کیا۔

سید امیر رضامتی!

برخوردار سید عباس حیدری صاحب! آپ کی پیش کردہ روایت موطا امام مالک اور مشکوٰۃ شریف کی ہے اور صحیح روایت ہے لیکن مذکورہ بالا حدیث صحیح کا مفہوم آپ نے نہیں سمجھا اور نہ ہی اس درست روایت کی حقیقت سے آپ واقف ہیں۔ سیدنا عمر کی عادت تھی کہ رات کو لوگوں کی حفاظت و نگرانی کرتے تھے اور رات کے آخری حصہ میں تہجد پڑھ کر آرام کر لیتے اور پھر اگر بیدار نہ ہوتے تو مؤذن آپ کو صبح کی نماز کے لیے جگا دیتا، ایک دن مؤذن نے حسب معمول آپ کو جگانے کے لیے آیا تو اس نے دروازے پر دستک دینے کی بجائے ”الصلوة خیر من النوم“ کے الفاظ زور سے کہے جو اصل میں اذان کے الفاظ تھے، جب یہ الفاظ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کان میں پہنچے تو حضرت عمر باہر تشریف لائے اور مؤذن سے فرمایا کہ یہ الفاظ ”الصلوة خیر من النوم“ وہیں اذان میں کہا کرو، یہ انفرادی طور پر نہ کہا کرو، میرے دروازے پر نہ کہو، اس لیے کہ ان الفاظ کا محل صرف اذان ہی ہے کسی امیر یا خلیفہ کا دروازہ نہیں۔ شارحین حدیث نے اس حدیث شریف کی یہی تشریح فرمائی جو کہ پیش خدمت ہے۔

فقال أي المؤذن ”الصلوة خیر من النوم“ یا امیر المؤمنین فأمر عمر أن يجعلها أي هذه الكلمة في نداء الصبح أي أذان الصبح وقد يشکل قوله رضی اللہ عنہ هذا لأن کون هذه الكلمات في أذان الصبح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ثابت فی عدۃ روایات فلا یمکن أن یظن بعمرہ أنه لم یعلم بعد کونها من الأذان فالأوجه أن یقال أن مقصوده أن محل هذه الكلمة هو نداء الصبح فقط لا باب الأمير فکأنه کره أن ینادی به علی بابہ وأمره باقتصاره علی نداء الصبح فقط واختار لهذا التوجيه ابن عبد البر والباجی وقال الزرقانی هو المتعین۔

[موطا امام ملک ص ۵۷۸، حاشیہ ۳، أوجز المسالك ج ۲، ص ۳۰]

ترجمہ: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر مؤذن نے ”الصلوة خیر من النوم“ یا امیر المؤمنین کہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے حکم دیا کہ اس کلمے کو صرف صبح کی اذان میں ہی کہا کرو، چونکہ متعدد روایات میں حضور ﷺ سے ”الصلوة خیر من النوم“ منقول ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر یہ گمان نہ کیا جائے کہ وہ اس کلمے سے ”الصلوة خیر من النوم“ سے بے خبر تھے کہ یہ اذان کا جز ہے (بلکہ ان کو تو علم تھا کہ یہ اذان میں ہے) سو متعین بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ تھا کہ اس کلمہ کا محل صرف اذان اور صبح کی اذان ہے نہ کہ کسی امیر کا دروازہ۔ گویا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دروازے پر مؤذن کے ”الصلوة خیر من النوم“ کہنے کو ناپسند فرمایا اور مؤذن کو حکم دیا کہ یہ کلمہ صرف صبح کی اذان میں کہا کرو (یعنی کسی امیر کے دروازے پر نہ کہو) اس توجیہ کو ابن عبد البر اور باجی نے پسند کیا اور زرقانی نے کہا کہ یہی بات متعین ہے۔“

قال الباجی یحتمل أن عمر قال ذالک إنکاراً، قال لاستعماله

لفظة من الفاظ الأذان فی غیره وقال له إجعلها فیہ یعنی لا تقلها فی غیره، انتهى وهو حسن متعین۔

[زرقانی شرح موطا ج ۱، ص ۲۲۱۔ اعلاء السنن ج ۲، ص ۹۹]

ترجمہ: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مؤذن سے اذان کے الفاظ ”الصلوة خیر من النوم“ اپنے دروازے پر سن کر اس کو تنبیہ فرمائی کہ یہ الفاظ ”الصلوة خیر من النوم“ صرف اذان میں کہو اس کے ماسوا ”کسی کے دروازے پر نہ کہو، یہ توجیہ اچھی اور متعین بات ہے۔“

مذکورہ بالا روایت کی شرح میں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی ایسے ہی لکھا ہے کہ حضرت عمر کا مؤذن کو ”الصلوة خیر من النوم“ کا حکم دینا کہ یہ جملہ اذان میں کہو اپنی جانب سے نہیں تھا بلکہ یہ جملہ تو حضور ﷺ کے ارشاد سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت ابو محمد درہ رحمہ اللہ کی حدیث میں موجود ہے۔ چنانچہ وکیل الاحناف علامہ ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

فی نداء الصبح أى فی الأذان الصبح فقط ولا یجعلها لإيقاظ النائم فی غیر الأذان قال الطیبی لیس هذا انشاء أمر ابتدعه من تلقاء نفسه بل كانت سنة سمعها من رسول الله صلى الله عليه وسلم يدل عليه حديث أبي محنورة في الفصل الثاني كأنه رضى الله عنه أنكر على المؤذن استعمال ”الصلوة خیر من النوم“ فی غیر ما شرع فیہ۔

ترجمہ: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مؤذن کو حکم فرمایا ”الصلوة خیر من النوم“ صرف اذان میں کہو، اذان کے علاوہ کسی سوئے ہوئے آدمی کو جگانے

کے لیے نہ کہو۔ علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ”الصلوة خیر من النوم“ اپنی جانب سے اذان میں نہیں ملوایا بلکہ یہ جملہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا جیسا کہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت ”فصل ثانی میں“ اس پر صراحۃً دال ہے۔ گویا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مؤذن کو تنبیہ فرمائی کہ اذان کے الفاظ ”الصلوة خیر من النوم“ سوائے اذان کے دوسری جگہ نہ کہے جائیں۔

برخوردار سید عباس حیدری صاحب! ہماری کتب احادیث اور شراح حدیث کی تشریحات بالا سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوئی کہ ”الصلوة خیر من النوم“ کے الفاظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اذان میں نہیں بڑھائے بلکہ انہوں نے تو مؤذن کو حکم فرمایا کہ اذان کے الفاظ کسی کے دروازے پر نہ کہو اور کسی کو بیدار کرنے کے لیے ان الفاظ کو استعمال نہ کرو، بلکہ ان الفاظ کو اذان میں کہو جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے۔ برخوردار! آپ کے شیعوں کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر الزام اور ہم اہل سنت پر اعتراض صحیح نہیں ہے۔

مؤذن رسول سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کا بیان

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے آپ اذان کا طریقہ سکھلائیں، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

فان كان صلوة الصبح قلت ”الصلوة خیر من النوم، الصلوة خیر من النوم“ الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله۔

[ابوداؤد شریف ج ۱، ص ۷۹]

ترجمہ: ”یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو محذورہ کو حکم فرمایا کہ اگر صبح کی نماز کے لیے اذان کہو تو دو مرتبہ ”الصلوة خیر من النوم“ بھی کہنا کرو۔“ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ بذات خود عہد رسالت میں اذان دینے کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں۔

عن أبي محذورة قال كنت غلاماً صبياً فاذنت بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم الفجر يوم الحنين فلما انتهيت على حي على الفلاح قال الحق فيها ”الصلوة خیر من النوم“ - [زرقانی موطا ج ۸، ص ۲۲۱]

ترجمہ: ”حضرت ابو محذورہ فرماتے ہیں کہ میں چھوٹا بچہ تھا، میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اذان کہی جب میں ”حي على الفلاح“ پر پہنچا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ابو محذورہ رضی اللہ عنہ“ اس سے آگے ”الصلوة خیر من النوم“ اذان میں شامل نہ کرلو۔“

مؤذن رسول سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا بیان

عن بلال أنه أتى النبي صلى الله عليه وسلم يؤذنه بالصلوة فوجده راقداً فقال ”الصلوة خیر من النوم“ فقال عليه السلام ما أحسن هذا إجمعه في أذانك۔

[مرفات شرح مشکوٰۃ ج ۲، ص ۱۸۵]

ترجمہ: ”حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی اطلاع دینے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ”الصلوة خیر من النوم“ کہا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا یہ اچھا کلمہ ہے اسے ”صبح کی“ اذان میں کہا کرو۔“

قال الزهري وزاد بلالاً في صلاة الغداة ”الصلوة خير من النوم“ فأقرها رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

[سنن ابن ماجه ص ۵۱]

ترجمہ: ”زہری کہتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے صبح کی اذان میں ”الصلوة خير من النوم“ کہا تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ کے لیے اس کو اذان میں ٹھہرا دیا۔ یاد رہے کہ مذکورہ جملہ الصلوٰۃ خیر من النوم صرف ان کے لیے ہی نہیں بلکہ جو بھی صبح کی اذان کہے یہ جملہ ساتھ کہے کیونکہ یہ سنت ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے مؤذنین میں سے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جنہوں نے رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں بھی اذانیں کہیں اور حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق کے زمانے میں بھی اذانیں کہتے رہے ہیں۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں ان تینوں حضرات کے دور میں صبح کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم“ کہا کرتا تھا۔

عن أبي محذورة قال كنت أؤذن لرسول الله صلى الله عليه وسلم في صلاة الفجر فأقول إذا قلت في أذان الأول ”حي على الفلاح“ الصلوة خير من النوم“ الصلوة خير من النوم“۔

[مصنف عبد الرزاق، ج ۱، ص ۴۷۲]

ترجمہ: ”حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں صبح کی اذان دیتا تھا، جب میں ”حي على الفلاح“ کہتا تو دو مرتبہ ”الصلوة خير من النوم“ بھی کہتا تھا۔“

صبح کی اذان میں ”الصلوة خير من النوم“ کہنا سنت ہے

رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

من السنة إذا قال المؤذن في اذان الفجر ”هي على الفلاح“

قال: ”الصلوة خير من النوم“۔ [دارقطنی، ص ۲۴۳، ج ۱ بیہقی]

ترجمہ: ”جب مؤذن صبح کی اذان میں ”حي على الفلاح“ کہے تو اس کے بعد ”الصلوة خير من النوم“ کہنا سنت ہے۔“

كان ابو محذورة يؤذن لرسول الله صلى الله عليه وسلم ولأبي بكر وعمر فكان يقول في أذانه الصلوة خير من

النوم۔ [موطا امام محمد باب الاذان، ص ۸۵، حاشیہ ۷]

ترجمہ: ”حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ عہد رسالت میں اور حضرات شیخین

”ابو بکر و عمر“ کے دور میں اذان دیا کرتے تھے اور وہ اپنی (صبح کی)

اذان میں ”الصلوة خير من النوم“ بھی کہتے تھے۔“

ثبوت از کتب شیعہ: الصلوٰۃ خیر من النوم

برخوردار سید عباس حیدری صاحب! ”الصلوة خير من النوم“ کا اضافہ آپ

حضرت سیدنا عمر فاروق کے ذمہ لگاتے ہیں تو لیجیے آپ کی کتب شیعہ بھی ”الصلوة خير

من النوم“ کی گواہی دیتی نظر آتی ہیں۔

اذان امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

روی أبو بكر الحضرمي و كليب الأسدي عن أبي عبد الله

عليه السلام أنه حكى لهما الأذان فقال: الله اكبر، الله اكبر،

أشهد أن لا اله إلا الله أشهد أن لا اله إلا الله، أشهد أن محمد رسول الله أشهد أن محمد رسول الله، حي على الصلوة، حي على الصلوة، حي على الفلاح، حي على الفلاح، حي على خير العمل، حي على خير العمل، الله أكبر، لا اله إلا الله، لا إله إلا الله، والاقامة كذلك ولا بأس أن يقال في صلوة الغداة على إثر حي على خير العمل، "الصلوة خير من النوم" مرتين للتقية۔

[من لا يحضره الفقيه، ج ۱، ص ۱۸۸]

ترجمہ و مفہوم: "ابوبکر حضری اور کلب الاسدی دونوں حضرات نے براہ راست امام جعفر صادق علیہ السلام سے مذکورہ بالا اذان نقل کر کے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ امام جعفر صادق کی اذان میں اور عصر حاضر کی اذان میں زمین و آسمان کا فرق موجود ہے۔ مذکورہ بالا اذان میں، اشہد ان امیر المومنین امام المتقین و قاتل المشرکین علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفہ بلا فصل کے الفاظ نہیں ہیں۔

①..... شیعہ حضرات صبح کی اذان میں "الصلوة خير من النوم" بھی کہیں مگر "حي على خير العمل" کے بعد کہیں تو کوئی حرج نہیں۔

②..... شیعہ حضرات "الصلوة خير من النوم" کہیں لیکن تقیہ کر کے کہیں، اس کے کہنے میں کوئی حرج نہیں تو ملا صدوق قمی نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرمان مبارک سے ثابت کر دیا ہے کہ "الصلوة خير من النوم" اذان میں کہا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر امام جعفر صادق علیہ السلام کی اذان میں "الصلوة خير من النوم" کا جملہ ہے تو اس اذان میں "حي على خير العمل" کا جملہ بھی موجود ہے، کیا یہ جملہ اذان کا جزء ہے؟

تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ "حي على خير العمل" اصل اذان میں نہیں، شیعوں نے یہ جملہ اس لیے اذان میں بڑھایا ہے تاکہ شیعوں کی اذان اہل سنت کی اذان سے مشابہ نہ ہو اور مسلمانوں سے شیعوں کی انفرادیت اور طرہ امتیاز باقی رہے۔ اور یہ لوگ وقتاً فوقتاً ایسا کرتے ہی رہتے ہیں۔

اس کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

لا بأس أن يقال في صلوة الغداة على إثر "حي على خير العمل" "الصلوة خير من النوم" للتقية۔

ترجمہ: "امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ صبح کی اذان ہو تو "حي على خير العمل" کے بعد "الصلوة خير من النوم" تقیہ کہا جائے تو کوئی حرج نہیں۔"

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تقیہ کے طور پر بھی شیعہ اذان میں صرف اس چیز کا اضافہ کر سکتے ہیں جن کی ان کے اماموں سے اجازت منقول ہو اپنی طرف سے نہیں اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ان کے اماموں میں سے کسی نے بھی "اشہد ان امیر المومنین و امام المتقین و قاتل المشرکین علی ولی اللہ و وصی رسول اللہ خلیفہ بلا فصل" کے جملے کو اذان میں لانے کی اجازت نہیں دی۔ پس کتب شیعہ میں "الصلوة خير من النوم" کا ثبوت تو موجود ہے مگر "علی ولی اللہ و وصی رسول اللہ و خلیفہ بلا فصل" کا کہیں بھی ذکر نہیں بلکہ ملا صدوق قمی کی ایک تنبیہ جو

امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل فرمائی ہے اور اذان میں کمی و بیشی کرنے والے اہل تفویض کے بارے میں یوں فرمایا ہے:

إنما ذكرت ذلك ليعرف بهذه الزيادة المتهمون بالتفويض المدلسون أنفسهم في جملتنا وقال الصادق عليه السلام في المؤذنين إنهم الأمناء - [من لا يحضره الفقيه، ج ۱، ص ۱۸۹]
ترجمہ: ”ملا صدوق قی کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات اس لیے ذکر کی ہے کہ اذان کے اس اضافے سے مفوضہ لوگ پہچان لیے جائیں جو کہ تدلیس ”دھوکہ“ کے ساتھ اپنے آپ کو ہمارے شیعوں میں داخل کرتے ہیں۔ حالانکہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مؤذنین حضرات کے بارے میں فرمایا ہے کہ مؤذنین حضرات امانت دار ہوتے ہیں، ”دین کی امانت اٹھائے ہوتے ہیں۔“

امانت کا تقاضا یہ تھا کہ یہ لوگ اپنی طرف سے اس میں کسی قسم کی کمی و بیشی نہ کرتے، کیونکہ امانت میں کمی و بیشی خیانت ہے۔ پس جو شیعہ اذان کے الفاظ میں اپنی جانب سے زیادتی کے مرتکب ہیں تو وہ شیعہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے نزدیک بددیانت اور خائن ہیں۔ اور وہ لوگ اپنے ائمہ کرام کے مذہب پر ہرگز ہرگز نہیں ہیں۔

برخوردار سید عباس حیدری صاحب! آپ کے چھٹے امام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اذان اور اس میں منقول شدہ الفاظ ”الصلوة خير من النوم“ کی گونج یوں سنائی دیتی ہے۔

وقال إذا كنت في أذان الفجر فقل الصلوة خير من النوم بعد

حي على خير العمل ولا تقل في الإقامة ”الصلوة خير من النوم“ إنما هذا في الأذان - [فصل الخطاب، ص ۲۶۲]
ترجمہ: ”حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جب صبح کی اذان ہو تو ”حي على خير العمل“ کے بعد ”الصلوة خير من النوم“ کہو اقامت میں نہ کہو اس لیے کہ یہ اذان میں ہے اقامت میں نہیں ہے“

برخوردار سید عباس حیدری صاحب! آپ کی کتابوں سے اذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صبح کی اذان میں مبارک کلمات ”الصلوة خير من النوم“ ثابت ہو چکے ہیں اور آپ کے ائمہ کرام سے ہی ثابت ہو چکے ہیں۔ ہماری ”اہل سنت والجماعت“ اذان کی اصلیت آپ کے ائمہ کرام کے فرمودات کی روشنی میں نیم روز آفتاب کی چمک دمک کی طرح ثابت ہو چکی ہے۔ اس کے بعد آپ کو اہل شیعہ حضرات کو زیب نہیں دیتا کہ آپ اصلی اذان کو تقیہ کی وجہ سے چھپائیں اور ایک جھوٹی اذان کا اعلان اپنی امام بارگاہوں سے کرائیں۔

سید عباس حیدری لکھنوی!

علامہ قی صاحب! ہماری تفسیر نور الثقلین سورہ ہود آیت نمبر ۱۲ کے ذیل میں وی رسول اللہ علی ولی اللہ دونوں کے متعلق روایتیں پائی جاتی ہیں۔ فرمایا:

فلعلك تارك بعض ما يوحى إليك وضائق به صدرك أن يقولوا لولا أنزل عليه كنز أو جاء معه ملك إنما أنت نذير والله على كل شيء وكيل - [ہود آیت ۱۲]

اس ضمن میں پہلی روایت مندرجہ ذیل ہے:

عن عمار بن سوید قال سمعت أبا عبد الله عليه السلام

يقول في هذه الآية ان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لما نزل قديد قال لعلي عليه السلام: يا علي اني سألت ربي ان يوالى بينى وبينك ففعل، وسألت ربي ان يواخى بينى وبينك ففعل، وسألت ربي ان يجعلك وصي ففعل -

[تفسير نور الثقلين، ج ۳، ص ۲۵۸]

ترجمہ: ”عمار بن سوید ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت نقل کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ کی تفسیر کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب نبی کریم ﷺ قدید کے مقام پر پہنچے تو اللہ کے رسول نے علی علیہ السلام سے کہا، اے علی! میں نے اپنے پروردگار عالم سے سوال کیا کہ آپ ”علیؑ“ کی اور میری دوستی ہمیشہ قائم و دائم رہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس سوال کو قبول کیا کہ اے اللہ! میرے اور علیؑ کے درمیان رشتہ مواخات ”بھائی چارہ“ کا معاملہ مستحکم فرما، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو بھی عملی جامہ پہنایا۔ پھر تیسری دفعہ میں نے اپنے پروردگار عالم سے سوال کیا، یا اللہ العالمین! علیؑ کو میرا وصی بنادے، پس اللہ تعالیٰ نے یہ دعا بھی قبول فرمادی۔“

دوسری روایت بھی مندرجہ ذیل ہے:

فی تفسیر العیاشی عن جابر بن أرقم عن أخیه زید بن أرقم قال: ان جبرئیل روح الامین نزل علی رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بولاية علي بن ابي طالب عليه السلام عشية عرفة فضاق بذلك رسول الله صلى الله عليه وآله مخافة

تكذيب الإفك والنفاق، فدعا قوماً أنا فيهم فاستشارهم في ذلك ليقوم به في الموسم، فلم ندر ما نقول له، وبكى صلى الله عليه وآله وسلم فقال له جبرئيل عليه السلام: يا محمد أجزعت من أمر الله؟ فقال ”كلا يا جبرئيل ولكن قد علم ربي ما لقيت من قريش، إذ لم يقرروا لي بالرسالة حتى أمرني بجهادهم وأهبط إلي جنوداً من السماء فنصروني فكيف يقررون لعلي بن أبي طالب من بعدى؟ فانصرف عنه جبرئيل فنزل عليه: ”فلعلك تارك بعض ما يوحي إليك وضائق به صدرك“ - [تفسير نور الثقلين، ج ۳، ص ۲۵۹]

ترجمہ: ”تفسیر عیاشی میں زید بن ارقم سے یہ روایت منقول ہے کہ جناب رسول خدا ﷺ کے پاس جبرئیل علیہ السلام بمقام قدید، ولایت علیؑ کا پیغام لائے، جناب رسول اللہ ﷺ نے اہل الافک اور منافقوں کی تکذیب کے ڈر سے اس حکم ”ولایت علیؑ“ کے پہنچانے میں مضائقہ کیا اور کچھ لوگوں کو جن میں، میں بھی تھا بلا کر اس بارے میں مشورہ کیا کہ آیا حج میں یہ احکام سنا جائیں یا نہیں؟ ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ کیا جواب دیں۔“ رسول اللہ ﷺ نے گریہ ”رونا“ فرمایا اور جبرئیل امین نے یہ عرض کی، یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ امر خدا کے پہنچانے سے تنگ دل ہوتے ہیں؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”اے جبرئیل! یہ بات نہیں ہے بلکہ میرا پروردگار جانتا ہے کہ قریش کے ہاتھوں سے مجھے کتنی اذیتیں پہنچی ہیں،

جب کہ انہوں نے میری رسالت کا اقرار نہ کیا تو پروردگار عالم نے مجھے ان سے جہاد کرنے کا حکم دیا اور آسمان سے میری نصرت کے لیے لشکر بھیجے اور انہوں نے میری مدد کی، پھر وہ میرے بعد علیؑ کی ولایت کا اقرار کیونکر کر لیں گے؟

یہ سن کر جبریل امین چلے گئے تو اس کے بعد پروردگار عالم نے مذکورہ بالا آیت کریمہ نازل فرمائی۔“

تمی صاحب! از روئے قرآن کریم اور احادیث اہل بیت صلوات اللہ علیہم، پہلی روایت منقولہ میں تین اہم چیزوں کا ذکر موجود ہے۔

①..... استحکام دوستی محمدؐ و علیؑ

②..... پختگی بھائی چارگی محمدؐ و علیؑ

③..... محمدؐ کے لیے علیؑ کا وصی ہونا۔

مذکورہ بالا تین امور کو خود باعث تخلیق کائنات نے پروردگار عالم سے بڑی منتوں و سماجتوں سے مانگا اور اللہ تعالیٰ نے بھی بغیر کسی تاخیر کے یہ تینوں امور عنایت فرمادیئے۔

تمی صاحب! مذکورہ بالا امور عطائیہ ثلاثہ سے یہ مطلب روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ یہ فیصلے انسانی نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ آسمانی فیصلے ہیں۔ گو کلمہ و اذان میں بھی یہ آسمانی فیصلے متصور ہوں گے!

اہل بیت علیہم السلام کی دوسری روایت میں ولایت علیؑ کا ذکر خیر تفصیلی طور پر آیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اعلان ولایت علیؑ میں اگرچہ تاخیر سے کام لیا ہے لیکن اس کی وجوہات اور مختلف قسم کے اسباب ہیں۔ منافقوں کے ڈر سے، قریش

کے ہاتھوں کی اذیتوں سے بچنے کی خاطر وغیرہ۔“

سید امیر رضامتی

برخوردار سید عباس حیدری صاحب! قبل ازیں میں نے آپ کو مجتہدین عظام اور آپ کے اپنے علماء کرام کی روایات کی روشنی میں مکمل جوابات دیئے ہیں، آپ کو چاہیے تھا کہ ذکر کردہ جوابات کو چھیڑ لیتے، لیکن ذکر کردہ روایات اور جوابات کا ذکر دوبارہ آپ نہیں کرتے، اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ آپ میرے ذکر کردہ تمام جوابات سے مطمئن ہو چکے ہیں۔ البتہ آپ کے یہ وارد کردہ نئے سوالات جو جدید انداز میں سامنے آئے ہیں۔ اب میں ان کا جوابات دینا چاہتا ہوں۔

①..... برخوردار سید عباس حیدری صاحب! آپ کی پیش کردہ پہلی روایت منقولہ میں تین امور کا ذکر ہے۔

دوستی محمدؐ و علیؑ، مواخات محمدؐ و علیؑ اور علی المرتضیٰؑ کا وصی ہونا محمد ﷺ کے لیے یہ تینوں امور جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے مانگے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بلاتا خیر اور بلا فصل عنایت فرمادیئے۔

لیکن جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر ولایت علیؑ کا حکم نازل ہوا تو ولایت علیؑ کے حکم سے پیغمبر اسلام تنگ دل ہوئے، قوم سے مشورہ کیا، روئے اور قریش کے ہاتھوں سے پہنچائی ہوئی اذیتوں کا شکوہ بھی کیا، جبریل علیہ السلام نے ڈھارس بندھائی، لیکن رسول اللہ ﷺ اعلان ولایت علیؑ کی جرأت نہ کر سکے۔ برخوردار حیدری صاحب! میں حیران ہوں کہ جناب رسول اکرم ﷺ پر جب قرآن نازل ہوتا ہے تو رسول اکرم ﷺ بلا فصل اور بلاتا خیر قرآن سناتے ہیں اور اسی قرآن کی تلاوت فرماتے ہیں اور اس کے احکام بلاتا خیر اہل بیت عظام و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو

پہنچاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ اوامر و نواہی پہنچانے میں ایک لمحہ بھر بھی تاخیر نہیں فرماتے ہیں۔ کیا ولایت علی رضی اللہ عنہ قرآن کریم سے بڑھ کر ہے؟
 (۲)..... برخوردار حیدری صاحب! موجودہ قرآن مجید میں مذکورہ بالا آیت کریمہ کی زیر بحث یہ دونوں روایتیں جو آپ کی پیش کردہ ہیں۔ دراصل موضوع اور من گھڑت روایتیں ہیں۔ کیونکہ یہ کھلی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام پیغمبر اسلام ﷺ کو پہنچائے ہیں۔ وہ احکام بلاتا خیر رسول اکرم ﷺ نے امت مسلمہ کو پہنچائے ہیں جو حکم ملا اسی وقت پہنچایا نہ کہ تاخیر کی اور تنگ دل ہوئے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر صریح بہتان اور الزام تراشی کے علاوہ کچھ نہیں۔
 (۳)..... جب اللہ تعالیٰ نے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو معبود فرما کر منصب رسالت سے سرفراز فرمایا تو کیا منصب رسالت کے بارے میں کسی قوم سے مشورہ کیا؟ مصائب و آلام کا تذکرہ کیا؟ رسول اکرم ﷺ نے گریہ فرمایا؟ کیا جبریل امین علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا کہ جزع و فزع کیوں کرتے ہو، تنگ دل کیوں ہوتے ہو؟

اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسالت کا منصب آپ لوگوں کے نزدیک اہم منصب نہیں ہے بلکہ تمہارے نزدیک ولایت علی رضی اللہ عنہ کا منصب سب سے بلند و بالا ہے۔

سید عباس حیدری لکھنوی

محترم علامہ مفتی صاحب! کافی وقت بیت گیا ہے۔ دوسری ملاقات میں ہم آپ سے مزید گفتگو کریں گے۔ فی الحال اتنا میں عرض کروں گا کہ ولایت علی رضی اللہ عنہ اگر لازمی جزء نہ بھی ہو اور کلمہ و اذان میں بھی نہ پڑھا جائے اور اگر ویسا ہی پڑھا جائے تو اس میں حرج تو نہیں۔“

سید امیر رضامتی

برخوردار سید عباس حیدری صاحب! یہ تو آپ جان چھڑانے کی بات کر رہے ہیں آپ کو چاہیے کہ اصلی کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو تسلیم کریں اور اسی کلمہ حقیقی پر ایمان لے آئیں اور تیسرا جزء جس کا کوئی ثبوت نہیں چھوڑ دیں۔ سب سے بڑا حرج تو یہی ہے کہ عہد رسول اللہ ﷺ میں یہ تین جزء والا کلمہ نہیں پڑھایا جاتا تھا اور بارہ اماموں کے عہد میں بھی یہی تین جزء والا کلمہ نہیں پڑھا جاتا تھا تو اس کا جواز ہے ہی نہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے علم میں یہ بات لانا چاہتا ہوں کہ لاہور سے ماہنامہ پیام عمل نکلتا ہے۔ پیام عمل ۲۰۰۵ء فروری کے سرورق پر اتحاد بین المسلمین کی خاطر انہوں نے تقیہ کر کے اصلی کلمہ اسلام، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ درج کیا تھا، اس کے دوسرے مہینے بعد آپ کے دوسرے ماہنامہ خیر العمل مارچ ۲۰۰۵ء میں اس کلمہ کی تردید لکھی گئی، یہ میرے ہاتھ میں دونوں رسالے موجود ہیں۔
 ماہنامہ خیر العمل مارچ ۲۰۰۵ء ملاحظہ فرمائیں: ماہنامہ خیر العمل کے ایڈیٹر سید علی عمران رضوی تحریر کرتے ہیں۔

لوگوں نے ہوائے نفسانی کی پیروی کرتے ہوئے توحید الہی سے منحرف ہو کر کئی معبود بنا ڈالے، جن میں سب سے بڑا معبود ”ہوائے نفسانی“ ہے۔ مولائے متقیان علی بن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں۔

ان اکبر معبود عبد فی الدنيا الهوی.

ترجمہ: سب سے بڑا معبود جس کی دنیا میں عبادت کی جاتی ہے، ہوائے نفسانی ہے، یہ بڑا معبود بندوں کے قلوب کو معبود حقیقی سے بیگانہ کرنے کے لیے تین طرح کیابیاں قلب و نظر میں پھیلاتا ہے۔

①.....شرک ②.....کفر ③.....نفاق

”شرک“ کے سیاہ دبا دل ”لا الہ الا اللہ“ زبان سے کہنے اور دل کے اقرار کرنے سے چھٹ جاتے ہیں ”کفر“ کی سیاہی کو اقرار نبوت خاتم المرسلین حضرت محمد بصورت ”محمد رسول اللہ“ دھوڑا لیا ہے۔ مگر اقرار توحید و رسالت کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ امت مسلمہ ”نفاق“ کا شکار ہو کر بہتر فرقوں میں بٹی ہوئی ہے اور دلچسپ امر یہ ہے کہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ پڑھنے والے بہتر فرقے ایک دوسرے کو اعلانیہ کافر کہتے اور سمجھتے ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ”نفاق“ سے بچنے اور ایمان میں داخل ہونے کے لیے اللہ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے اعلان و اقرار کے بعد ضرورت ہے کہ اس ہستی سے تمسک کے اعلان و اقرار کی ”جسے اللہ نے ”جبل اللہ“ کہا ہے اور اسے اسی نور سے خلق کیا ہے، جس سے پیغمبر آخر الزمان ﷺ کو خلق کیا۔ اگر اللہ و رسول کے ماننے والے اس ”جبل اللہ“ سے اعتصام کر لیں، تو وہ نفاق سے پاک ہو کر اکٹھے ہو سکتے ہیں، یہی الہی پیغام ہے، وحدت اسلامی ہے۔

واعتصموا بجبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا۔

ترجمہ: ”مگر ہم سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ایک معاصر ماہنامہ ”پیام عمل“ لاہور، جو ”اتحاد بین المسلمین کا نقیب“ ہونے کا داعی ہے، وہ وحدت اسلامی کے متذکرہ بالا الہی فارمولے سے ہٹ کر کون سا ”اسلامی اتحاد“ بنانے کی کوشش میں ہے کہ اس کے شمارہ فروری ۲۰۰۵ء موسومہ ”مجاہد اعظم نمبر“ کے سرورق پر حسب ذیل ادھور اکلمہ تحریر ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہی کلمہ پڑھنے والے تو ۶۱ھ میں اپنے دور کے ”جبل اللہ“ حسین ابن علیؑ کے خلاف کر بلا کے رگزار میں صف آرا تھے اور ہلوی و

ہوں ان پر اس قدر غالب آ چکی تھی کہ وہ اس ”اللہ کی رسی“ کو مضبوطی سے پکڑنے کی بجائے تار تار کرنے پر ڈٹے ہوئے تھے، اور انہوں نے شیطانی تحریک پر ”جبل اللہ“ کو ختم کرنے کے لیے وہ سب کچھ کیا، جو وہ کر سکتے تھے، مگر وہ کچھ نہ کر سکے کیونکہ جب تک ”اللہ“ ہے، تب تک ”جبل اللہ“ بندگان خدا کو مجتمع رکھنے اور تفریق سے بچانے کے لیے موجود رہے گا، حکمت الہی چاہے اسے ظاہر رکھے یا غائب۔ جب سانحہ کر بلا ہوا ہی ”جبل اللہ“ سے عدم اعتصام کی وجہ سے تھا، تو ایسے سانحہ کی یاد میں ”مجاہد اعظم نمبر“ کے سرورق پر ادھور اکلمہ چھاپ کر کار پردازان ”پیام عمل“ کیا یہ پیام دینا چاہتے ہیں کہ صرف اللہ و رسول اللہ کافی ہیں اولی الامر ”جبل اللہ“ کی اطاعت کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ سعی مذموم ”اتحاد بین المسلمین“ کی خاطر ہے، تو ہم واضح کر چکے ہیں کہ ”جبل اللہ“ سے عدم اعتصام ”اتحاد بین المنفقین“ کا باعث تو بن سکتا ہے، مسلمانوں کو پرچم اسلام کے سائے تلے اکٹھا نہیں کر سکتا، کیونکہ علم اسلام کا علمدار تو ”جبل اللہ“ ہے جب تک ”جبل اللہ“ سے متمسک نہیں ہوں گے، کیا ”اسلام“ اور کیسی ”وحدت اسلامی“ کار پردازان ”پیام عمل“ سے استدعا ہے کہ محرم الحرام کے موقع پر کی جانے والی مذکورہ سعی مذموم پر اللہ، رسول اللہ اور اولی الامر سے معافی مانگیں اور اگلے شمارے کے سرورق پر مکمل کلمہ ایمان:

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ وصی رسول

اللہ و خلیفہ بلا فصل۔ چھاپ کر اس غلطی کا ازالہ کریں۔

[ماہنامہ خیر العمل ص ۲-۳-۴۔ مارچ ۲۰۰۵ء]

محترم سید عباس حیدری صاحب! آپ تقیہ نہ کریں آپ کے علماء بھی کہتے ہیں کہ یہ لازمی جزء ہے، اس تیسرے جزء والے کلمہ کو پڑھنے والا پکا مومن ہے اور جو

اس کو نہ پڑھے وہ ”آپ شیعہ کے نزدیک“ پکا منافق ہے، آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ آپ اسلام کا دو جزء والا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لیں اور صحیح نجات والا مسلک و مذہب کو اختیار فرمائیں۔

سید عباس حیدری لکھنوی

اب ہم چلتے ہیں مزید اشکلات پر بحث عنقریب کریں گے۔

محترم قارئین! سید علی عمران رضوی ایڈیٹر صاحب نے اقرار تو حید و رسالت کے ماننے والوں کو منافقین میں شمار کر کے اپنے آپ کو مومنین مخلصین کی صف میں شمار کرنے کی ایک مذموم کوشش کی ہے۔ کیا ہم سید علی عمران رضوی صاحب سے پوچھ سکتے ہیں کہ تین جزء والا کلمہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی زندگی میں ایک ہی دفعہ پڑھا ہے یا کسی کو پڑھایا ہے؟

بالکل ظاہر بات ہے کہ شیعہ حضرات کے ارباب مجتہدین و مراجع عظام اس قسم کی مثال دینے سے عاجز آچکے ہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ تو پیغمبر ہیں، ان کے بارہ ائمہ کرام نے اپنے اپنے عہد میں ایک ہی دفعہ پڑھا ہے اور نہ ہی کسی کو پڑھایا ہے۔ سید علی عمران رضوی صاحب خود منافقین کی صف میں شامل ہیں۔ سید علی عمران رضوی صاحب نے دوسری بات یہ لکھ دی ہے کہ اس امت میں بہتر فرقے بنیں گے، بہتر فرقے دوزخ میں جائیں گے اور نجات والا بہتر والا فرقہ جنت میں داخل ہوگا۔ نجات یافتہ بہتر وال فرقہ سید علی عمران رضوی صاحب کے نزدیک فرقہ شیعہ ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ متذکرہ بالا تحریر میں ”اعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا“ کی آیت کریمہ کا صحیح ترجمہ ”اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام رکھو اور تفرقہ میں مت پڑو۔“ اور جو سید علی عمران رضوی صاحب نے جو ترجمہ کیا ہے وہ بالکل غلط اور قرآن

وسنت کی روشنی میں تفسیر بالرائے کے مترادف ہے۔

حدیث افتراق اور فرقہ ناجیہ

حدیث افتراق صحاح ستہ کی کتابوں میں موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ پیشین گوئی فرمائی ہے کہ گذشتہ امتیں بہتر فرقوں میں بٹ گئی تھیں اور میری امت بہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ان میں سے ایک فرقہ ناجیہ ہوگا جو سیدھا جنت میں چلے جائے گا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا ”من ہسی یا رسول اللہ؟“ وہ نجات والا فرقہ کونسا ہوگا؟ اللہ کے رسول ﷺ نے جواب میں فرمایا:

ما انا علیہ واصحابی جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوگا! بانی تحریک خدام اہل سنت پاکستان قاضی مظہر حسین رضی اللہ عنہ نے مجموعہ رسائل میں یوں فرمایا ہے کہ اس حدیث میں رسول خدا نے قیامت تک پیدا ہونے والے اسلامی فرقوں میں حق و باطل کے پہچاننے کا ایک مکمل معیار بتلادیا کہ میری امت کے تمام مذہبی گروہوں میں صرف وہی لہگ اہل حق اور جنتی ہوں گے جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر چلیں گے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ رسول خدا ﷺ نے محض اپنے طریقہ کو حق و باطل پہچاننے کا معیار نہیں فرمایا۔ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کو بھی ساتھ ہی بطور معیار بیان فرمایا۔ جس سے صراحۃً ثابت ہوا کہ تمام اسلامی فرقوں میں وہی لوگ حق پر ہیں۔ جو رسول اکرم ﷺ کی سنت کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع کو بھی ضروری سمجھتے ہیں اور انہی کو اہل سنت و الجماعت کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ محبوب بھائی قطب ربانی سیدنا حضرت الشیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہر ایک مومن کو سنت و جماعت کی پیروی کرنا واجب ہے۔ پس سنت اسی طریقہ کو کہتے ہیں

جس پر رسول اللہ ﷺ چلے اور جماعت وہ بات ہے جس پر چاروں اصحاب نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اتفاق کیا ہے۔ یہ لوگ سیدھا راستہ دکھانے والے ہیں۔ کیونکہ ان کو سیدھا راستہ دکھایا گیا ہے۔ [غنیۃ الطالبین ص ۱۲۱]

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

شک نیست فرقه کہ ملتزم اتباع آن سرور اند علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات اہل سنت وجماعت اند شکر اللہ سعیم فہم الفرقة الناجیة: [مکتوبات ج ۱، ص ۱۰۳]

اس میں شک نہیں کہ جو فرقہ سرور عالم ﷺ کے اصحاب کی اتباع کو اپنے لیے لازم سمجھتا ہے وہ اہل سنت وجماعت ہے اور یہی فرقہ نجات پانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مقبول فرمائیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے

أقول الفرقة الناجیة هم الآخرون فی العقیدة والعمل جمیعاً بما ظہر من الكتاب والسنة وجرى علیہ جمهور الصحابة والتابعین..... وغیر الناجیة کل فرقة انتحلت عقیدة خلاف عقیدة السلف او عملاً دون اعمالہم۔

[حجة اللہ البالغہ، ج ۱، ص ۱۷۰، مطبوعہ مصر]

ترجمہ: ”میں کہتا ہوں کہ فرقہ ناجیہ وہی لوگ ہیں جو عقیدہ و عمل دونوں میں کتاب و سنت اور جمہور صحابہ اور تابعین کے مطابق ہیں اور غیر ناجی وہ ہیں جن کا عقیدہ اور عمل سلف صالحین کے عقیدہ اور عمل کے خلاف ہے۔“

[مجموعہ رسائل۔ قائد اہل سنت وکیل صحابہ واہلبیت و بانی تحریک خدام اہل سنت پاکستان قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ ج ۱، ص ۲۲-۲۳]

سید علی عمران رضوی صاحب اگر جنتی اور نجات یافتہ فرقہ کی بات کرتے ہیں اور حدیث بھی صحاح ستہ کی پیش کرتے ہیں تو اسی حدیث افتراق میں صحابہ کرام کا ذکر خیر کو کیوں ترک کیا ہے؟ یاد رہے کہ صحابہ کرام کا عدم ذکر سے حدیث رسول اللہ ﷺ ادھوری رہ جاتی ہے۔

اگر رضوی صاحب مذکورہ بالا حدیث افتراق میں صحابہ کرام کا ذکر کر دیتے تو شیعہ مذہب ختم ہو جاتا اور خلیفہ بلا فصل کا عقیدہ کون رکھتا؟ اور من گھڑت کلمہ کہاں سے ثابت ہوتا؟

باقی آیت کریمہ کا ترجمہ ”واعتصموا بحبل اللہ“ سے مراد بارہ امام لینا قرآن کریم سے انکار ہے۔ حبل اللہ سے مراد تمام مفسرین کرام نے قرآن مجید لیا ہے۔ قرآن اور سنت رسول اللہ کو چھوڑ کر آپ ان کی جگہ پر بارہ امام مراد لیتے ہیں، یہ قرآن کریم کی معنوی تحریف ہے اور اس معنوی تحریف پر عقیدہ رکھنا کھلم کھلا کفر ہے۔ باقی آپ جب سانحہ کربلا کی بات کرتے ہیں کہ لڑنے والے اور شہید کرنے والے ادھور اکلمہ پڑھنے والے لوگ تھے! آپ کی کتابوں میں صراحتاً مذکور ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو بلانے والے خود امام حسین علیہ السلام کے شیعہ تھے اور شہید کرنے والے بھی انہی کے شیعہ تھے اور رونے پینے والے بھی شیعہ تھے۔ متذکرہ بالا باتوں کا ذکر اسی کتاب میں باحوالہ موجود ہے۔

دعا ہے اللہ رب العزت سے کہ ہمیں قرآن و سنت اور اتباع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین پر قائم و دائم رہنے کی توفیق عنایت فرمائے، اور دنیا سے جاتے وقت ہماری زبانوں پر یہ اصلی اور ایمانی کلمہ اسلام۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جاری و ساری ہو۔ آمین